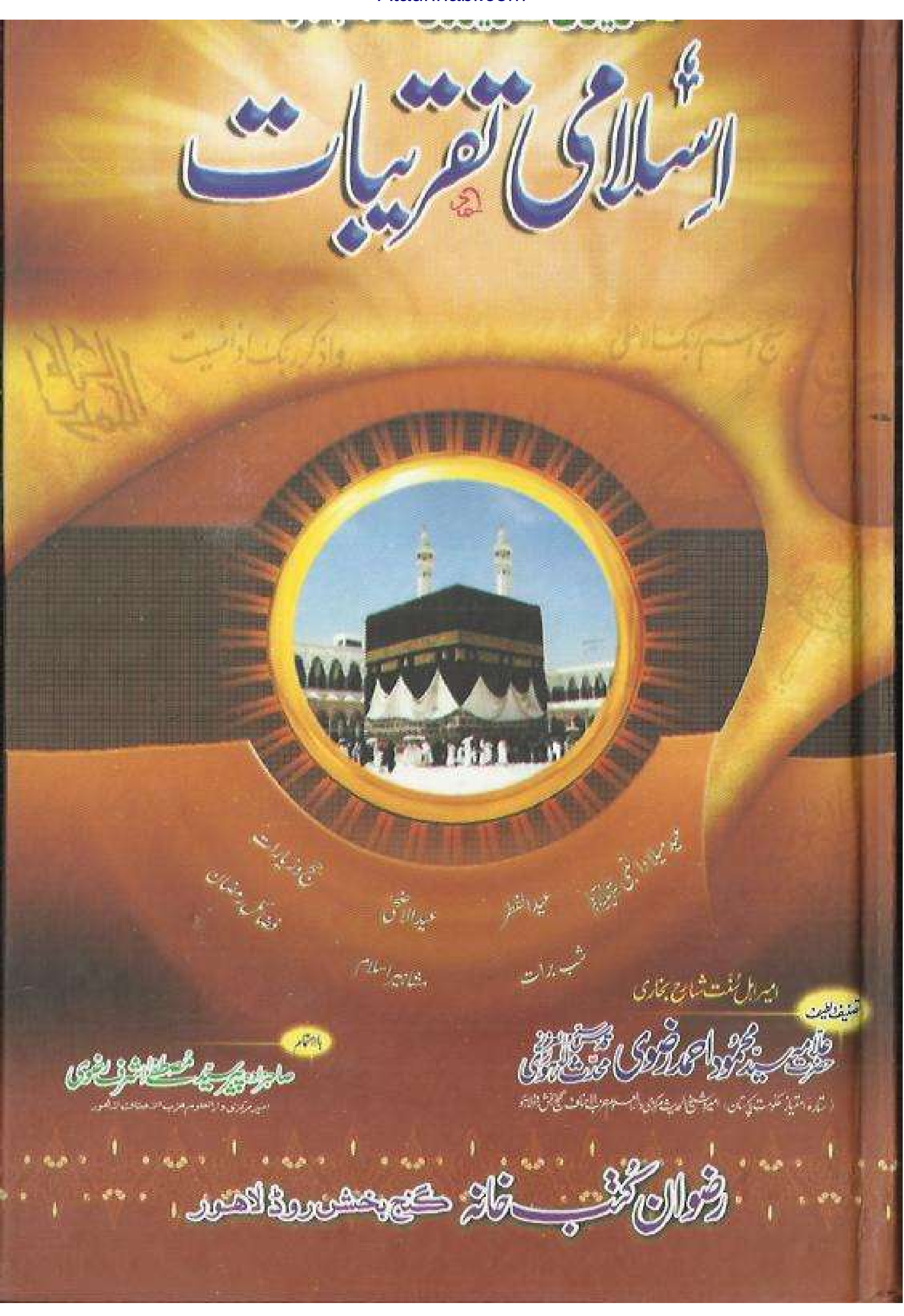
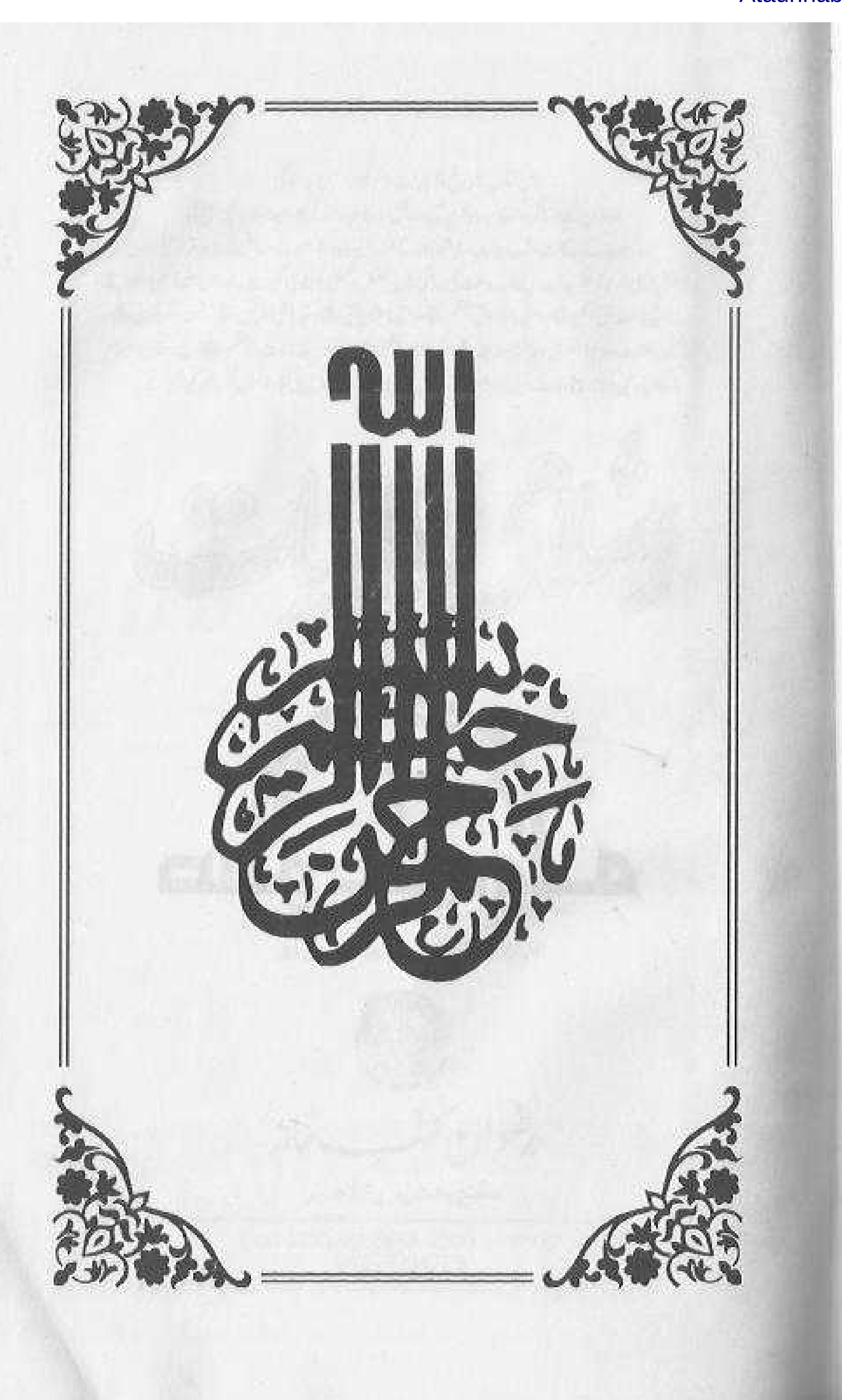

اسلامی تقریبات
عید الاضحیٰ
عید الفطر
شب برات
امیر اہل سنت شارح بخاری
تصنیف لطیف
حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری
باہتمام
صاحبزادہ پیر سید مصطفیٰ اشرف رضوی
رضوان کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور


بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس کتاب میں حج و زیارات، اسوۂ ابراہیمی عید الاضحیٰ
اور اس کے مسائل و احکام، ماہِ محرم کے مسائل و احکام، واقعہ کربلا، عید میلاد النبی ﷺ
ماہِ رجب کے برکات، شب برات، ماہِ شعبان کے فضائل، ماہِ رمضان کے مسائل، روزہ، تراویح
عید الفطر، ایسی اسلامی تقریبات پر کتاب و سنت کی روشنی میں مفصل و مکمل بحث کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں خلفائے
اربعہ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما،
ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ، حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ایسے مشاہیر اسلام
بزرگان دین کی تاریخ وفات، سیرت و صورت، سوانح حیات اور ان کی قومی و ملی کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔

اسلامی تقریبات

تصنیف و تالیف

امیر اہل سنت شارح بخاری
حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری قدس سرہ العزیز
(ستارۂ امتیاز حکومت پاکستان)

باہتمام

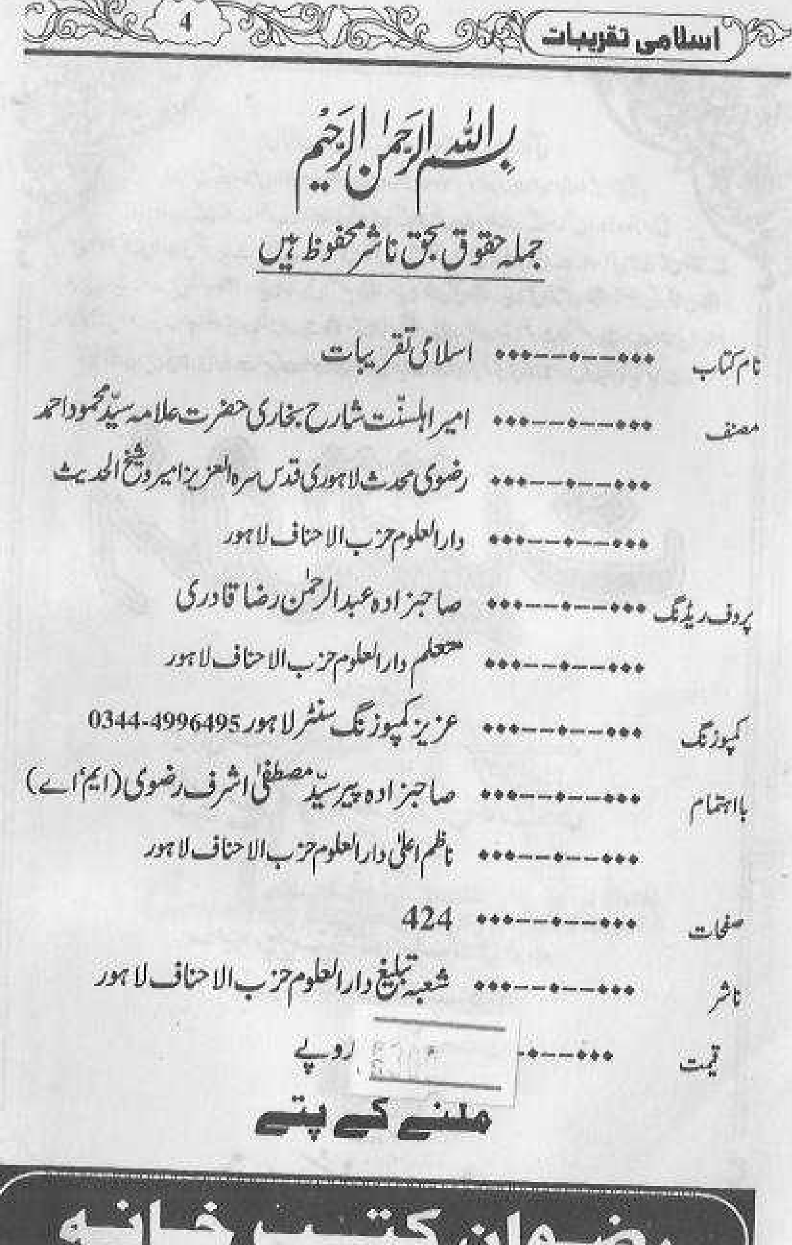
صاحبزادہ پیر سید مصطفیٰ اشرف رضوی ایم اے
امیر مرکزی دار العلوم حزب الاحناف ○ لاہور

RIZWAN KUTAB KHANA

رضوان کتب خانہ
گنج بخش روڈ لاہور

Cell: 0300-8038838, 0300-9492310
042-37114729

صلو علیہ و آلہ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ....-.-.... اسلامی تقریبات

مصنف ....-.-.... امیر اہلسنّت شارح بخاری حضرت علامہ سیّد محمود احمد رضوی محدث لاہوری قدس سرہ العزیز امیر و شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف لاہور

پروف ریڈنگ ....-.-.... صاحبزادہ عبدالرحمٰن رضا قادری متعلم دار العلوم حزب الاحناف لاہور

کمپوزنگ ....-.-.... عزیز کمپوزنگ سنٹر لاہور 0344-4996495

باہتمام ....-.-.... صاحبزادہ پیر سیّد مصطفیٰ اشرف رضوی (ایم اے) ناظم اعلیٰ دار العلوم حزب الاحناف لاہور

صفحات ....-.-.... 424

ناشر ....-.-.... شعبہ تبلیغ دار العلوم حزب الاحناف لاہور

قیمت ....-.-.... [illegible] روپے

ملنے کے پتے

رضوان کتب خانہ

گنج بخش روڈ لاہور 042-37114729

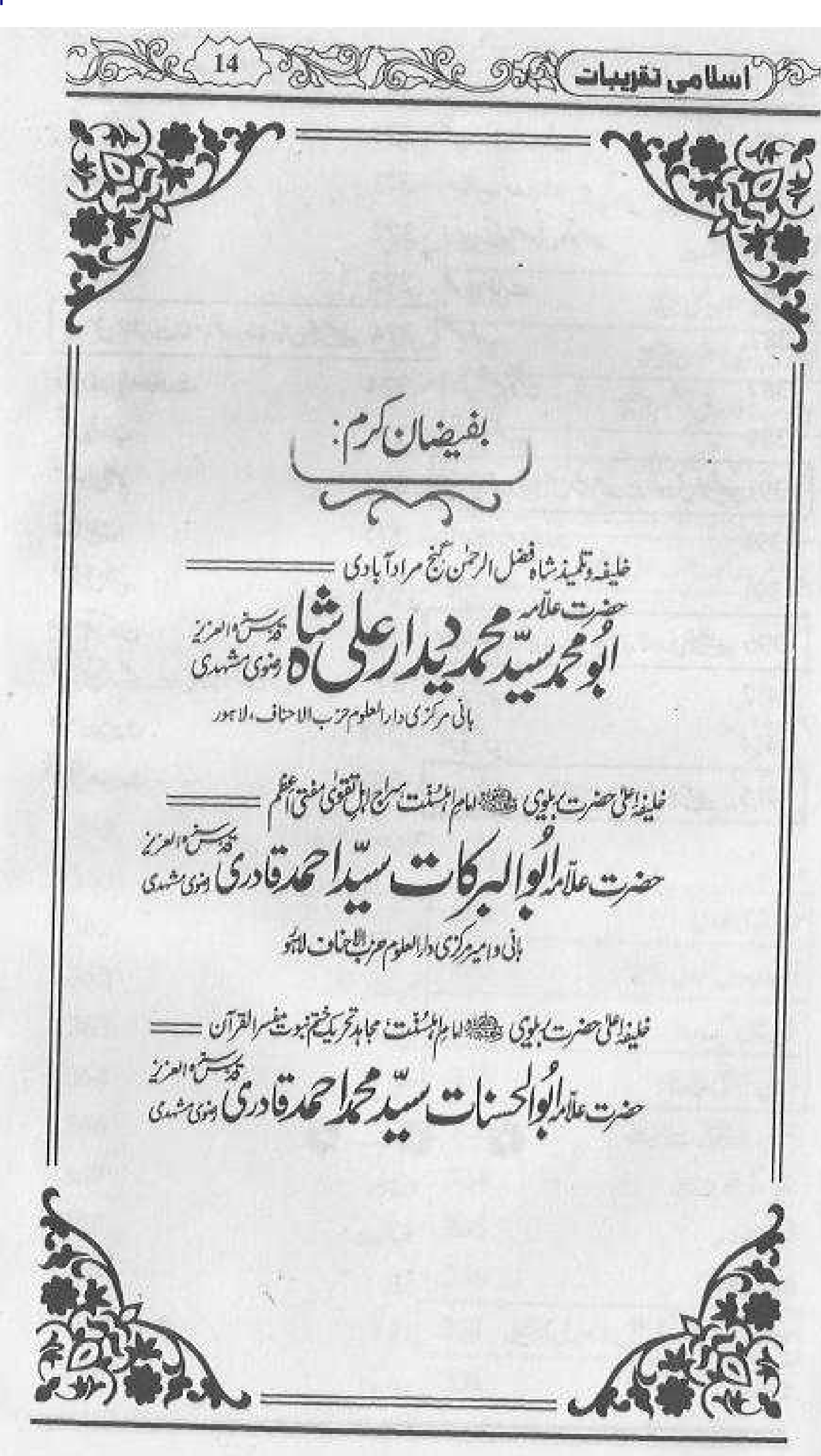


انتساب

اپنے جدِّ امجد قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین راس المحدثین امام المفسرین شیخ المشائخ خلیفۂ شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی حضرت علامہ ابو محمد سیّد محمد دیدار علی شاہ رضوی قادری فضل رحمانی محدث الوری قدس سرہ السبحانی ...... اور اپنے والدِ محترم خلیفۂ اعلیٰ حضرت استاذ العلماء امام اہلسنّت سیّد المحدثین حضرت علامہ ابو البرکات سیّد احمد رضوی قادری اشرفی علیہ الرحمۃ بانیانِ مرکزی دار العلوم حزب الاحناف کے نام...... جنہوں نے اپنی پوری زندگی دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعتِ علوم عالیہ اسلامیہ قرآن وسنت کی تدریس اور پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ کے قیام اور مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ کے لیے صرف فرمائی۔

(سیّد محمود احمد رضوی)

فہرست



اسلامی تقریبات

ملی وقومی تقریبات منانے کا طریقہ زمانہ قدیم سے جاری ہے۔ اقوام عالم ان تقاریب کو بڑے ذوق وشوق سے مناتے ہیں۔ ان سے قوموں کا اجتماعی احساس بیدار ہوتا ہے۔ معلومات میں وسعت خیالات میں پختگی عمل میں تیزی نصب العین میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور یہ تقریبات قومی وملی وترقی میں ممد ومعاون ہوتی ہیں۔ اس لئے دنیا کی ہر قوم کسی نہ کسی رنگ میں تقاریب کا اہتمام کرتی ہے۔ مگر ان کی تقاریب کسی اخلاقی ضابطہ کی پابند نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مذہب یا نظریہ کی وہ حامل ہیں۔ اس میں تقاریب منانے کیلئے کسی قاعدہ کی ہدایت موجود نہیں ہے لیکن اسلام چونکہ دین کامل ہے۔ وہ زندگی کے ہر موڑ پر قوم مسلم کی راہنمائی کرتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کیلئے تقاریب مناتے وقت ان ضابطوں اور قاعدوں کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے جو اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ وہ مقصد کے حصول کیلئے جو تقریب مناتے ہیں اس میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے۔ جو شریعت اسلامیہ کے خلاف ہو۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اعراف) اللہ کی نعمتیں یاد کرو کہ تمہارا بھلا ہو۔

اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد منانے سے فلاح حاصل ہوتی ہے ظاہر ہے کہ یہ فلاح اسی صورت میں حاصل ہوگی جبکہ یاد کی مجالس حدود شریعت کے اندر رہوں۔ کھیل، کود، لہو ولعب، تکبر وغرور، فحاشی وعریانی نمائش محض، بے مقصد اور خلاف

شریعت امور سے خالی ہوں۔

بعض لوگ ان تقاریب کو جو مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہیں (مثلاً عید میلاد النبی ﷺ بزرگان دین کے اعراس' فاتحہ نذر و نیاز تیجہ و چہلم کو) ناجائز و حرام بدعت قرار دیتے ہیں اور اس معاملہ میں کفر و شرک تک کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں۔ اس کے متعلق عرض ہے ہر وہ تقریب جو کسی مقصد صحیح کیلئے منعقد کی جائے جائز ہے فرض واجب نہیں ہے اور کسی بھی رواج یافتہ تقریب یا مجلس کو حرام ناجائز و بدعت قرار دینے کیلئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ محض اپنی رائے سے بدعت و حرام کا فتویٰ دینا بہت بڑی زیادتی ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ مسلمانوں میں رواج یافتہ تقاریب و مجالس میں کچھ باتیں خلاف شرع شامل کر لی گئی ہیں۔ دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ان خلاف شرع امور سے مسلمانوں کو بچنے کی تلقین کی جائے۔

گیارھویں شریف بزرگوں کے اعراس' تیجہ' چہلم دراصل ایصال ثواب کی مجالس ہیں خواہ ان کا نام کچھ رکھ لیا جائے۔ ان مجالس میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے ذکر ہوتا ہے علماء کرام مختلف اسلامی موضوعات پر وعظ کرتے ہیں۔

فوت شدہ مسلمان کی روح کو ثواب پہنچایا جاتا ہے اور بطور صدقہ' نافلہ حسب توفیق کھانا و پھل وغیرہ حاضرین میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ غرضیکہ اس نوع کی مجالس کی اصل صرف ایصال ثواب ہے اور اس کا جواز و ثبوت قرآن و حدیث[1] سے واضح ہے اسی طرح عید میلاد النبی حضور سرور دو عالم ﷺ کی سیرت و صورت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی تبلیغ کا بہتر ذریعہ ہے۔ یونہی یوم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' یوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ' یوم عثمان غنی رضی اللہ عنہ' یوم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ' یوم امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ' مشاہیر اسلام کی یاد کی تقاریب ہیں۔ ان کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ

(۱) اس قسم کے مسائل پر تفصیلی معلومات کیلئے مصنف کی تالیف "جواہر پارے" حصہ دوم کا مطالعہ کیجئے۔ جس میں اس نوع کے مسائل پر بھی مفصل بحث کی گئی ہے۔ رضوان کتب خانہ لاہور سے طلب کیجئے۔

ان بزرگان قوم کی سیرت اخلاق' تعلیم اور ان کے دینی و ملی کارناموں سے مسلمانوں کو روشناس کیا جائے تاکہ مسلمانوں میں ان کی پیروی اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا احساس پیدا ہو۔ یہی حال تاریخی واقعات پر مشتمل تقاریب کا ہے جس سے اسلاف کے دینی و ملی کارناموں کی یاد تازہ کرائی جاتی ہے۔ اب ان مروجہ مراسم و تقاریب کے متعلق یہ کہنا کہ چونکہ دن مقرر کیا جاتا ہے اور چونکہ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دی جاتی ہے اور چونکہ عہد نبوی ﷺ و عہد صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں ان تقاریب کا سراغ نہیں ملتا اور چونکہ ان تقاریب کو فرض و واجب کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ حرام و ناجائز و بدعت ہیں۔ محض ضد اور سخن پروری ہی ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان بھی ان مراسم کو فرض و واجب نہیں سمجھتا اور نہ دن مقرر کرنے اور کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کو ضروری و لازمی جانتا ہے اور نہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مہینہ کی ۱۱ تاریخ ہی کو حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کو ایصال ثواب ہو سکتا ہے کسی اور تاریخ کو نہیں ہو سکتا اور نہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر ہی ختم پڑھنے سے ایصال ثواب ہوگا۔ اگر ناجائز ہونے کی یہ ہی دلیل ہے تو میں عرض کروں گا کہ بھائیو کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھ لیا کرو تاکہ یہ نزاع تو ختم ہوگیا۔ عہد صحابہ و عہد نبوی میں ان تقاریب کا ذکر نہ ہونا۔ تو حق یہ ہے ان کی اصل اور بنیاد تو عہد نبوی و صحابہ میں مل جائے گی البتہ نام اور کیفیت کا بیشک ذکر نہیں مل سکتا۔ مگر ان تمام امور سے قطع نظر کہنا تو یہ ہے کہ یہ اصول سرے سے ہے ہی غلط کہ جس عمل یا رسم کا ذکر عہد نبوی و صحابہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے؟ بلکہ صحیح اصول یہ ہے کہ جو عمل بھی قرآن و حدیث کے خلاف ہو یا قرآن و حدیث نے اس کی مخالفت کی ہو وہ ناجائز و بدعت ہے۔ رہے وہ اعمال و افعال جو شریعت کے خلاف نہ ہوں اور قرآن و حدیث نے نہ تو ان کو منع کیا اور نہ ان کے کرنے کا حکم دیا۔ ایسے تمام اعمال و افعال جائز و مباح ہیں اور ان کو حرام و بدعت قرار دینا ظلم عظیم ہے۔

بہر حال اس کتاب میں اسلامی تقریبات ومجالس خیر کا ذکر ہے اور اس سلسلہ میں کتاب وسنت کی ہدایات کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق دکھائے حق پر چلائے اور حق ہی کی تبلیغ واشاعت کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

حسن محمدی ﷺ

ام المومنین محبوب سیّد المرسلین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور پرنور سیّد عالم ﷺ کا حسن نرالا تھا۔ بدن کا رنگ نورانی تھا۔

لَمْ یَصِفْهُ وَاصِفٌ قَطُّ اِلَّا شَبَّهَ وَجْهَهُ بِالْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ۔

(خصائص مصطفیٰ ص ٦٧)

جو بھی آپ کا وصف کرتا چودھویں کے چاند سے تشبیہ دیتا تھا۔

❀ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ حسین کسی کو نہ دیکھا۔ جب میں چہرۂ اقدس دیکھتا ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے۔

کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ۔ (حجۃ اللہ ص ٦٧٩)

کہ آفتاب چہرۂ مبارک میں جاری ہے۔

چودھویں کا چاند ہے روئے حبیب
اور ہلال عید ابروئے حبیب

❀ حضرت ہمدان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے لوگوں نے کہا حضور ﷺ کو کس چیز کے ساتھ تشبیہ دو۔ تو میں نے کہا:

کَالْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ۔ (حجۃ اللہ ٦٧٩)

حضور کا چہرہ چودھویں کا چاند تھا۔ میں نے آپ ﷺ سا حسین کہیں نہیں دیکھا۔

❀ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چودھویں کا چاند اپنی پوری چمک اور دمک کے ساتھ نکلا ہوا تھا اور مدنی تاجدار دو عالم ﷺ کے سردار سرخ رنگ کا

دھاری دار جبہ زیب تن کئے تشریف فرما تھے تو میں نے مقابلہ کیلئے ایک نظر آسمانی چاند پر ڈالی اور ایک نظر مدنی چاند پر اور موازنہ کیا کہ کون زیادہ خوبصورت ہے۔

فَاِذَا هُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ۔

تو مجھے یقین ہو گیا کہ مدنی چاند آسمانی چاند سے زیادہ خوبصورت ہے۔
آسمانی چاند میں میل تھا اور محبوب کبریا کا چہرۂ منور میل سے پاک تھا۔

رخ دن ہے یا مہرِ سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشکِ ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

❀ حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر مبارک سے لے کر پائے اقدس تک کے اعضائے کریمہ کی صفت بیان کرتے ہوئے جب عاجز آجاتے ہیں تو حضور ﷺ کو کسی چیز سے تشبیہ نہیں دیتے۔ کیونکہ

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کوئی انصاف ہے
اس کے منہ پر چھائیاں حضرت کا چہرہ صاف ہے

اس لئے فرماتے ہیں۔

لَمْ اَرَهٗ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

کہ میں نے حضور ﷺ سے قبل اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ جیسا حسین نہیں دیکھا یعنی

حسن ہے بے مثل صورت لاجواب
میں فدا تم آپ ہو اپنا جواب

شفاعت کبریٰ

علامہ صاوی تفسیر صاوی میں فرماتے ہیں۔

فَمَنْ زَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ کَاَحَدِ النَّاسِ لَا یَمْلِكُ شَیْئًا اَصْلًا وَّلَا یَنْفَعُ بِهٖ

ظَاهِراً وَّلَا بَاطِنًا فَهُوَ كَافِرٌ خَاسِرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (صاوی ص۱۵۸ ج۱)

جس نے یہ گمان کیا کہ نبی ﷺ ان لوگوں کی طرح ہیں جو کسی چیز کے مالک نہیں نہ ان سے نفع پہنچتا ہے نہ ظاہر طور نہ باطن طور پہ تو وہ کافر ہے اس کی دنیا و آخرت برباد ہے۔

❀ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔

شَفَاعَةُ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَقٌّ وَّشَفَاعَةُ نَبِيِّنَا عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْهُمُ الْمُسْتَوْجِبِيْنَ الْعِقَابَ حَقٌّ ثَابِتٌ۔ (فقہ اکبر ص۳)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شفاعت حق ہے اور ہمارے نبی ﷺ کی شفاعت گنہگار مسلمانوں اور بڑے گناہ والوں جو مستحق عتاب ہوں حق اور ثابت ہے۔

وہ ماہِ عرب آج کعبہ میں چمکا
جو مالک ہے سارے عرب اور عجم کا

سیادتِ مطلقہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کے دن سیدِ مطلق ہوں گے لواء حمد حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا۔ فرماتے ہیں۔

آدَمُ وَمَنْ سِوَاهُ تَحْتَ لِوَائِيْ اَلْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ۔

اس دن آدم اور ان کے سوا جتنے ہیں وہ سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔

اس دن عزت وکرامت کی کنجیاں میرے دستِ تقدس میں ہوں گی۔

آفتاب ان کا ہی چمکے گا سب اوروں کے چراغ
صرصرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے

وہ حضور ﷺ ہی ہیں کہ جن کے سر پر شفاعت کبریٰ کا تاج ہوگا اور سب

سے پہلے حضور ﷺ ہی شفاعت فرمائیں گے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر مسیح کلمۃ اللہ تک سب کو اپنے اپنے نفس کی پڑی ہوگی اور کوئی نبی حضور ﷺ سے پہلے شفاعت نہ کرے گا۔ جب لوگ انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کریں گے تو سارے انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ کے سامنے اپنے عجز کا اظہار کریں گے اور فرمائیں گے۔

اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِىْ۔ کسی اور کے پاس جاؤ۔

کہیں گے اور نبی

اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِىْ۔ میرے کریم کے لب پر اَنَا لَهَا ہوگا۔

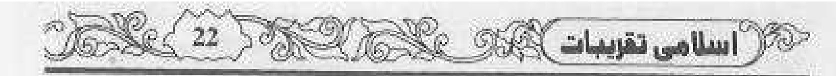
آخر لوگ تھکے ہارے مصیبت کے مارے چاروں طرف سے امیدیں توڑے بارگاہ عرش جاہ بیکس پناہ خاتم دورۂ رسالت فاتح بابِ شفاعت محبوب باوجاہت مطلوب بلند عزت لجاء عاجزاں ماوائے بیکساں مولائے دو جہاں حضور پرنور محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے اور اپنی مصیبت بیان کریں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے۔

اَنَا لَهَا اَنَا صَاحِبُكُمْ۔

ہاں میں شفاعت کیلئے ہوں میں تمہارا صاحب ہوں۔

پیش حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے





اسلام میں عید کا تصور

جیسے فکر وتردد' رنج وغم انسانی زندگی کیلئے زہر ہلاہل ہے۔ اس طرح حیات انسانی کیلئے مسرت وخوشی بھی ایک لازمی اور ضروری چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں زمین کے ہر خطہ میں رہنے والی اقوام میں عید منانے اور جشن وطرب کے ایام مقرر کرنے کا سراغ ملتا ہے۔

شادی اور غمی۔ ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ روتی آنکھ ہنستی ہے اور ہنستی آنکھ کو رونا پڑتا ہے۔ ذرہ آفتاب بنتا ہے اور کبھی آفتاب کو گہن لگ جاتا ہے۔ اس دنیا میں سبھی کو نشیب وفراز کے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں لیکن یہ حقیقت محتاج دلیل نہیں ہے کہ آج تک دنیا کے کسی مذہب نے انسان کو یہ نہیں بتایا کہ شادی وغمی کے قواعد وضوابط کیا ہیں اور نعمت کے حصول کے دن جشن منانے اور قومی یادگار قائم کرنے کا پروگرام کیا ہونا چاہیے۔ یہ فخر اگر حاصل ہے تو صرف اسلام کو ہے جس نے حیات انسانی کے ہر شعبہ پر روشنی ڈالی ہے اور زندگی کا پورا نظام نامہ ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس نے بھی اپنے متبعین کو عید منانے کی اجازت دی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ان تمام غیر فطری پردوں کو چاک کر دیا ہے جسے امتداد زمانہ اور انسانی کی لاعلمی اور جہالت نے عید کے رخ روشن پر لا ڈالا تھا۔ اسلام نے ہمیں بتایا کہ زندگی کا مقصد اپنے خالق ومالک کی اطاعت وعبادت ہے۔ ایک مسلم خواہ راحت میں ہو یا مصیبت میں اسے کسی حال میں بھی اپنے خالق سے رشتہ نہیں توڑنا چاہیے۔

کبریائی کا حق دار حاکمیت والوہیت کا مستحق اور حمد وثناء کا سزاوار ایک اللہ ہے۔ مرضی مولیٰ پر راضی رہنا اور شدائد پر صبر کرنا ناشکری کے کلمات زبان پر نہ لانا اور خدا کی رحمت سے کسی حال میں ناامید نہ ہونا چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''وہ ہم میں سے نہیں جو مصیبت میں سینہ اور منہ پر طمانچے مارے اور زبان پر ناشکری کے کلمات لائے''۔

اسلام نے ہمیں بتایا کہ عید منانا اور جشن وطرب کے ایام مقرر کرنا تمہاری فطرت ہے۔ تم عید مناؤ' خوشی ومسرت' فرح وسرور کا اظہار کرو۔ مگر خبردار! جشن ونشاط کے نشہ میں اپنی ہستی کو فراموش مت کرنا اور اپنے خالق کو مت بھول جانا۔

دنیا کی تمام قومیں جشن مناتی ہیں۔ مگر ان کا یوم عید تنعم وتعیش پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان کا جشن وطرب جسمانی راحتوں اور شہوانی لذتوں میں گزرتا ہے۔ وہ لہو ولعب کھیل کود کی مجالس قائم کرتے ہیں۔ موسموں کے استقبال میں منوں تیل جلاتے ہیں۔ سوانگ بھرتے ہیں۔ ایک سرے پر رنگ پھینک کر انسانی صورتوں کو مسخ کر دیتے ہیں۔ وہ طرب انگیزی ونشاط افروزی کے ایسے ایسے سامان مہیا کرتے ہیں کہ شرافت وغیرت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔ ان کا جشن انداز دنیوی کے حصول کیلئے ہوتا ہے اس لئے ان کی عیدیں سچی خوشی کامل نشاط اور قلبی وروحانی تسکین کے سامان سے یکسر خالی ہوتی ہیں۔

لیکن دنیائے اسلام کا یوم عید نرالی شان رکھتا ہے ان کی خوشی ومسرت کا انوکھا انداز ہے۔ ان کے ارادے احکام الٰہیہ کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ان کی خواہشیں رضائے الٰہی کی محکوم ہوتی ہیں۔ ان کا ہر فعل خوشنودی رب العالمین کیلئے ہوتا ہے۔ ان کے جشن وطرب کے سارے سامان روحانیت کی تکمیل اور سعادت دارین کی تحصیل کیلئے ہوتے ہیں۔ ان کیلئے سب سے بڑا ماتم یہ ہوتا ہے کہ دل اس کی یاد سے غافل ہو اور زبان اس کے ذکر سے محروم ہو جائے۔ اور سب سے بڑا جشن یہ ہوتا ہے کہ سراسر اس کی اطاعت

میں جھکے ہوں' اور زبان اس کی تقدیس وتحمید سے لذت یاب ہو۔ اسلام نے عید کو اس
کے صحیح خدوخال کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ اس نے ہمیں بتایا کہ
"ایک مسلم کی سچی خوشی ایک مومن صادق کا حقیقی نشاط اس بات میں پوشیدہ
ہے کہ وہ اپنا تن من دھن سب کچھ اپنے آقا اور محسن کے سپرد کر دے"۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
لَاشَرِیْکَ لَهٗ۔

تم کہو میری نماز' میری تمام عبادات' میرا جینا' میرا مرنا اس رب العالمین کیلئے
ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

۱) عید میلاد النبی ﷺ

اسلام نے تین عیدیں دی ہیں ...... عید میلاد النبی ﷺ یہ وہ یوم سعید ہے۔
جس میں ہستی کے نقش اوّل اور کائنات کے ابدی رہنما حضور سیّد المرسلین خاتم النبیین
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برج آمنہ سے بہزاراں جاہ وجلال طلوع اجلال فرمایا تھا۔ مسلمان اس روز
بھی جشن مناتے ہیں کیونکہ یہ افضال الٰہی کے دور جدید کا اوّلین یوم تھا اور بحوالہ آیہ اَمَّا
بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اپنے خالق ومالک کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہماری
ہدایت کیلئے آسمان نبوت کے نیرّ اعظم کو مبعوث فرمایا جس نے تاریک قلوب روشن'
پھوٹی آنکھیں بینا۔ بہرے کان شنوا' ٹیڑھی زبانیں سیدھی کر دیں' جس نے انسان کو
انسانیت کا سبق پڑھایا اور سنگلاخ زمینوں پر علم ومعرفت کے دریا بہا دیئے اور ہر تفسیدہ
لب کے سامنے جام کوثر لے کر خود آگے بڑھے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی سب سے بڑی
نعمت حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ اس
تقریب سعید کا دوسرا نام ہے' جس میں اللہ کی سب سے بڑی نعمت حضور خاتم النبیین کی
یاد منائی جاتی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جاتا ہے اور قرآن نے بھی اللہ کی

نعمتوں کو یاد کرنے کی ہدایت دی ہے۔ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ
(اعراف) اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ فلاں پاؤ گے۔

۲) عید الفطر

یہ روزے ختم ہونے اور ایام معدودات کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر
گزارنے پر مسرت وخوشی کے جشن منانے کی ایک تقریب ہے۔ رمضان کے مبارک
مہینہ میں جن افراد نے ضبط نفس کا مظاہرہ کیا اور محض خوشنودی مولیٰ تعالیٰ کیلئے بھوک
اور پیاس کی تکالیف کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا تو ان کو خدا کی طرف سے جہنم
سے آزادی کا پروانہ مل گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:
"رمضان کا پہلا عشرہ رحمت ہے' دوسرا مغفرت اور تیسرے عشرہ میں اللہ تعالیٰ
جہنم سے آزادی کا پروانہ عطا فرما دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رمضان خالق کائنات کو راضی کرنے کیلئے اس کے بتائے
ہوئے نقشہ زندگی پر عمل کرنے کا نام ہے اور یہ عید اس کا قدرتی ثمرہ ہے اور اس طرف
اشارہ ہے کہ جو قوم رمضان کی روح کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اس کو یہ حق حاصل
ہو جاتا ہے کہ وہ عید منائے کیونکہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر زندگی بسر کرنا ہی
انسان کی حقیقت ہے اور عید الفطر اسی مسرت وخوشی کے اظہار کا دن ہے۔

۳) عید الضحیٰ

اس روز بھی مسلمان جشن مناتے ہیں مگر یہ مجلس نشاط بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت
اور اس کی بندگی پر مشتمل ہوتی ہے۔ آج سے ہزاروں سال قبل اللہ کے ایک خلیل نے
اپنی نہایت محبوب چیز کو راہ خدا میں نثار کر دیا تھا اور تسلیم ورضا کی وہ مثال قائم کی تھی جو
چشم فلک نے اس سے قبل نہ دیکھی تھی۔ مسلمان اس کی یاد گار مناتے ہیں۔ قربانیاں

کرتے ہیں۔ اپنا سر بارگاہ صمدیت میں جھکاتے ہیں اور اسی ایثار و قربانی کا جذبہ اپنے دل میں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کا مظاہرہ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے کیا تھا۔

اس لئے مسلمانوں کی عید شکرانہ کی عید ہے۔ تکبیر و تہلیل اور سجدہ عبودیت کی عید ہے اور اس بات کی عید ہے کہ اس یوم سعید میں ہم ایک بار پھر خداوند ذوالجلال سے اس کی مرضی کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کا عہد کرتے ہیں۔

❀ حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام احد پہاڑ پر جلوہ فرما ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اُحد پہاڑ ہلنے لگا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے احد پہاڑ ٹھہر جا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِیٌّ وَّصِدِّيْقٌ وَّشَهِيْدَانِ۔ (بخاری) اس وقت تجھ پر ایک نبی۔ ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔





طلوعِ اجلال

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

کائنات عالم کا ذرہ ذرہ اس روشن حقیقت کا شاہد و گواہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاوّل شریف وہ ساعتِ یوم ہے جس میں آفتاب رسالت مہتاب نبوت سیّد عالم نور مجسم ہادیٔ سبل ختم الرسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحن عالم میں قدم رنجہ فرمایا اور آپ کی ضیاء پاشیوں سے کائنات کا کونہ کونہ بقعہ نور بن گیا۔

یہ مقدس ساعت جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع اجلال فرمایا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی عید اور حقیقی عید ہے۔ اس عید کو عید میلاد سے موسوم کیا جاتا ہے اور اس تقریب سعید کو دنیا کے کروڑوں' فرزندان توحید نہایت تزک و احتشام سے مناتے ہیں اور آپ کی ولادت باسعادت کی خوشی منانے میں راحت ابدی محسوس کرتے ہیں۔

آج پاک و ہند بلکہ دنیا کے شہروں قصبوں اور گلیوں کو دلہن کی طرح سجایا جائے گا۔ جلوس اور جلسے منعقد ہوں گے اور ہر فرزند توحید محسن کائنات کے حضور میں نذر عقیدت پیش کر کے ثواب عظیم پائے گا۔ ۱۲ ربیع الاوّل کے تاریخی یوم پر سردار دو جہاں کی سیرت و صورت و فضائل و مناقب پر تقاریر ہوں گی۔ حمد و نعت کے پر کیف نغموں سے حاضرین کے قلوب کو روشن و منور کیا جائے گا۔ غرباء پروری ہوگی۔ ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے تاجدار دو عالم کی سیرت مقدسہ پڑھے جائیں گے۔ مشاعروں میں ماہ طیبہ

کی مدح ہوگی۔مؤمنین مخلصین باآدب کھڑے ہوکر شہنشاہ کائنات کے حضور میں
ہدیۂ درود وسلام پیش کریں گے۔

غرضیکہ وہاں فلک پر یہاں زمین پر دھوم مچے گی۔شادی رچے گی۔محبوب رب
العالمین کے ذکر پاک سے فضاء معمور ہوگی اور انوار و برکات قدسیہ کی بارش جن و ملک
اور انسان اس ہستی کے نقش اوّل اور خداوند قدوس کے خلیفۂ اعظم اور اس کی ذات و
صفات کے مظہر اتم کی سیرت پاک سے درس حاصل کریں گے۔

ہاں ہاں جب سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے نور نظر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے
دریتیم نے اس دار فانی میں قدم رنجہ فرمایا ہے۔تب سے لے کر جب تک قائم ہے۔
اسلام کے کروڑوں فرزندوں نے آپ کی ولادت باسعادت کے جشن منانے کو ذریعہ
نجات تصور کیا ہے۔اسلام کی سنہری تاریخ میں اس سے باعزت دن اور کوئی نہیں ہے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج ہم آقائے نامدار ﷺ کی پاکیزہ ولادت کا
یوم سعید پاکستان کی آزاد فضا میں منا رہے ہیں۔آج راعی اور رعایا ایک ہی سطح پر ایستادہ
ہوکر حضور نور مجسم ﷺ کی عنایات کا اور ان کے رب کریم کے انعامات کا شکریہ بجا
لاتے ہیں اور یہی وہ پاکیزہ جذبہ اور حقیقی اطاعت ہے۔جس پر عابد و معبود کا رفیع
الشان قصر تعمیر ہوتا ہے۔حضور اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہی وہ پاکیزہ ہستی
ہے جس نے گمراہ انسان کو قہر و ذلت سے اٹھا کر انسانیت کی اس بلندی پر پہنچا دیا۔
جہاں ملائک بھی رشک کرتے ہیں۔

آؤ ہم اور آپ مل کر بخلوص قلب دعا کریں کہ اللہ رب العزت جل مجدہ ہمیں
بھی نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی مسرت و انبساط کے طفیل دین و دنیا کی
نعمتوں سے سرفراز فرمائے اور ہمیں آپ کی سیرت پاک کو اپنانے اور آپ کے بتائے
ہوئے مقدس راستے پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج دنیا میں محمد مصطفیٰ پیدا ہوئے
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

۱۲ ربیع الاوّل

وہ مقدس دن ہے جس میں آسمان نبوت کے نیر اعظم حضور رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام
تشریف فرمائے عزت وجلال ہوئے۔

یہ مقدس دن تاریخ کا ایک اہم دن ہے اور اس کی تعظیم وتکریم علامت ایمان
اور اس مقدس دن کی یاد روح وجسم دونوں کی عید ہے۔

۱۲ ربیع الاوّل کو پورے پاکستان میں اس تقریب سعید کو پورے عز و وقار سے
منایا گیا۔اس دن پاکستان کے ہر شہر ہر قصبہ اور گاؤں میں جلوس نکلے اور سیرت النبی
ﷺ کے جلسے منعقد ہوئے اور گلی کوچے اور بازار رنگ برنگی جھنڈیوں اور خوبصورت
محرابوں اور دروازوں سے سجائے گئے۔رات کو جشن چراغاں ہوا اور ہر مسلمان نے
اپنے ہادیٔ اکرم کی بارگاہ میں گلہائے محبت وعقیدت پیش کئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس یوم سعید کی یادگار قائم رکھنا علامات ایمان سے ہے اور یہ
یوم مبارک ایک مومن کیلئے تو اس کے جسم وروح دونوں کی عید ہے حضور سیّد عالم ﷺ
نے ہم پر اور ہم سے پہلوں پر اور ہماری آئندہ آنے والی نسلوں پر جو احسان عظیم فرمایا
ہے۔سچ تو یہ ہے کہ اس کا حق شکر گزاری ادا کرنا ہی ناممکن ہے ہمارے قلوب آپ کی
محبت وعقیدت سے جس قدر لبریز رہیں اور ہماری زبانیں جس قدر اپنے عظیم المرتبت
ہادی کی یاد میں رطب اللسان رہیں کم ہی ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ کی تقاریب جہاں آپ کی یاد قائم رکھنے کا ایک طریقہ
ہیں وہاں آپ کی ہدایات وارشادات کی تبلیغ واشاعت کا بھی ایک نہایت ہی نفیس ذریعہ
ہیں۔سیرت کے مقدس جلسوں میں سال کے بعد ایک ایسا موقع مل جاتا ہے کہ جس

میں ہر طبقہ کے مسلمانوں تک دین اسلام کی باتیں پہنچ جاتی ہیں اور دین کی کافی تبلیغ ہو جاتی ہے۔

لیکن حیرت ہوتی ہے ان افراد پر جو عید میلاد کی مجالس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کو بدعت کہہ کر ایک عظیم تبلیغی سلسلہ کو بند کرنا چاہتے ہیں اور بعض تو اس معاملہ میں اس قدر غلو پر اتر آئے ہیں کہ عید میلاد کی تقریب انہیں کسی صورت گوارا نہیں ہوتی اور ماہ ربیع الاول ان کیلئے ایسا ہی غم کا مہینہ ہوتا ہے جیسے شیعوں کیلئے محرم۔

یہ لوگ ذکر رسول ﷺ سے جلتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی یاد منانے سے سخت پریشان ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس طبقہ کے اخبار ورسائل کے اور یہ جو ماہ ربیع الاوّل سے متعلق ہوتے ہیں۔ جلی کٹی سنانے پر ہی مشتمل ہوتے ہیں۔

چنانچہ فیصل آباد کے وہابی اخبار المنیر سے نہ رہا گیا اور اس نے لکھا۔

آج جب کہ ہماری قوم کی اکثریت غیر مسلم اقوام کی نقالی میں جلوسوں نعروں چراغاں کرنے اور دکانوں و بازاروں کے سجانے سے حضور کا یوم ولادت منا رہی ہے۔ یہ سوال اور بھی زیادہ اہم ہو گیا ہے اور ہم سب کیلئے خدا کے حضور پیش ہونے سے پہلے سوچنے اور اپنے طرز عمل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا محرک بن رہا ہے۔ کیا ہے کوئی جو اس جانب توجہ دے“۔ (المنیر ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷)

غور کیجئے! ماہ ربیع الاوّل کی چہل پہل اور سیرت پاک کے جلسوں جلوسوں اور یارسول اللہ کے نعروں سے دکھ پہنچ رہا ہے کس کو؟ کسی یہودی یا عیسائی یا ہندو کو نہیں بلکہ کلمہ پڑھنے والے جریدہ ”المنیر“ کے ایڈیٹر کو۔

پھر غلو کی انتہا یہ ہے کہ جلوس میں جو نعرے لگائے جاتے ہیں ان کو بھی غیر مسلموں کی نقالی قرار دیا جا رہا ہے۔ گویا ان کے نزدیک یہودی سکھ اور ہندو بھی اللہ اکبر اور یارسول اللہ کے نعرے لگاتے ہیں۔ بہر حال یہ تو ان کی ذہنیت ہے جس میں تبدیلی

اب ناممکن ہی نظر آتی ہے اپنا اپنا نصیب ہے کسی کو اللہ کے محبوب کے ذکر میں اور ان کا چرچا کرنے میں مزہ آتا ہے اور کوئی جل بھن کر خاک ہو جاتا ہے۔

بعثت سے پہلے

اوّلین وآخرین کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ رب العزت کی تمام مخلوقات میں سب سے افضل و اکرم حضور سیّد المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدس ہے۔ آپ تمام کمالات دینی و دنیوی سے جامع ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ مرتبہ ومقام عطا فرمایا ہے جو انسان کی سرحد عقل سے باہر ہے۔

بیاں ہو کس سے کمالِ محمد عربی
ہے بے مثال جمالِ محمد عربی

حضور ﷺ ہستی کے نقش اوّل ہیں۔ روح کائنات ہیں۔ فضل وشرف کے سورج اور حسن وخوبی کے چاند ہیں یہ وہ ہیں جن کیلئے کائنات معرض وجود میں آئی۔ یہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا رب ہونا بھی ظاہر نہ فرماتا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ہے انہیں کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

یوں تو دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم وبیش پیغمبر مبعوث ہوئے مگر ان میں سے چند ہستیاں بھی ایسی نہیں ہیں جن کے مکمل حالات اور صحیح خدوخال تاریخ عالم یا ذہن انسانی میں محفوظ ہوں مگر یہ حضور اکرم ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ کی حیات اقدس کا ایک ایک گوشہ صفحات تاریخ پر ہی نہیں بلکہ ہزاروں ذہنوں میں محفوظ ہے۔

❀ شک نہیں کہ آپ کی ذات گرامی حسن سیرت کا پیکر تھی۔ آپ کا ہر ہر عضو

قدرت خداوندی کا مظہر تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثل و بے نظیر بنایا تھا اور ایسے حسین سانچے میں ڈھالا تھا جس کی نظیر ناممکن ہے انسان حضور اکرم ﷺ کی سیرت وصورت اور فضل وکمال کو الفاظ کا جامہ پہنا کر بیان کرنے سے قاصر ہے۔ الفاظ مجبور ہیں۔ کائنات اپنی تمام وسعتوں اور رعنائیوں کے ساتھ محدود ہے اور آپ کے فضائل و کمالات غیر محدود ہیں۔ تاہم اپنی طاقت و وسعت کے مطابق آپ کے اوصاف جمیلہ بیان کئے جاتے ہیں لیکن اعتراف سب یہی کرتے ہیں کہ ان جیسا نہ دیکھا نہ دیکھا گیا نہ دیکھا جائے گا۔

❀ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ذات گرامی کو ساری کائنات کیلئے روشنی کا مینار بنایا تھا۔ جب ساری دنیا میں تاریکی وجہالت کی حکمرانی تھی۔ اخلاقی قدریں دم توڑ رہی تھیں۔ تمدن وتہذیب کا کوئی ضابطہ نہ تھا تو اس جہانگیر تاریکی میں اختر برج رسالت ﷺ نے صحن عالم میں قدم رکھا۔ آپ کی ذات ستودہ صفات کی برکت سے سنگلاخ زمین علم ومعرفت کا خزینہ بن گئی۔ تشنہ لبوں کو جام حقیقت سے سیرابی کے مواقع میسر آگئے اور آپ کی سیرت طیبہ اخلاق کریمہ وفضائل جمیلہ سے متاثر ہو کر تاریک دل روشن پھوٹی آنکھیں بینا، بہرے کان شنوا اور ٹیڑھی زبانیں سیدھی ہونے لگیں۔

❀ حضور سرور عالم نور مجسم ﷺ کے اخلاق کی پاکیزگی، کردار کی بلندی، معاملہ کی صفائی، صداقت ودیانت کا شہرہ ہوا۔ حتیٰ کہ اظہار نبوت سے قبل ہی زبان خلق نے آپ کو صادق اور امین کا لقب دے دیا۔

❀ حقیقت یہ ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کی زندگی پاک کا ہر دور سراپا اعجاز تھا اور آپ کی سیرت مقدسہ کا ہر گوشہ ہدایت وموعظت کا بحر بیکراں تھا۔

امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میرے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بتایا کہ وہ ہر سال حضور سرور عالم نور مجسم

ﷺ کے میلاد مبارک کی خوشی میں کھانا پکوایا کرتے تھے۔ ایک سال تنگدستی کی وجہ سے وہ ایسا اہتمام نہ کر سکے اور عید میلاد النبی ﷺ کی تقریب پر بھنے ہوئے چنوں پر (فاتحہ دے کر) تقسیم کر دیئے۔ شب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار سے خواب میں مشرف ہوئے انہوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے سامنے وہی بھنے ہوئے چنے رکھے ہوئے ہیں اور حضور بہت شاد وبشاش ہیں۔ (درثمین)

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ ان کی شان محبوب دکھائی جانے والی ہے

جب حشر برپا ہوگا تو اس دن سب سے پہلے حضور ﷺ ہی اپنی قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے۔ آپ کو جنتی لباس پہنایا جائے گا اور ستر ہزار ملائکہ کے نوری جلوس کے ہمراہ حضور ﷺ میدان محشر میں جلوہ فرما ہوں گے اور عرش کے دہنی جانب قیام کریں گے۔

لَیْسَ اَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ اَنْ یَّقُوْمَ ذَالِكَ الْمَقَامِ۔

یہ وہ مقام ہوگا جہاں کسی دوسرے کو کھڑے ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔

عرشِ حق ہے مسندِ رفعت رسول اللہ کی
دیکھنی ہے حشر میں عزت رسول اللہ کی

حضور سرور عالم ﷺ ہی کا یہ اعزاز ہے کہ آپ سب سے پہلے عرصۂ محشر میں دیدار باری سے مشرف ہوں گے اور سب سے پہلے آپ ہی جنت میں تشریف لے جائیں گے۔

اَلْجَنَّةُ حَرَامٌ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ حَتّٰی اَدْخُلَهَا وَحُرِّمَتْ عَلَی الْاُمَمِ حَتّٰی

تَدْخُلَهَا۔

اور حضور ﷺ سے پہلے انبیاء کو اور حضور ﷺ کی امت سے پہلے اور امتوں کو جنت میں داخلہ حرام ہوگا۔

❀ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بچپن میں حضور ﷺ کی ایک ایسی بات دیکھی جو آپ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی تھی اور یہی بات میرے ایمان لانے میں مدد و معاون ہوئی۔ میں نے دیکھا حضور علیہ السلام گہوارہ میں جلوہ فرما ہیں اور چاند سے باتیں کر رہے ہیں اور جس طرح انگلی سے اشارہ فرماتے ہیں چاند اسی طرف جھک جاتا ہے۔ (بخاری)

❀ ابھی حضور ﷺ کی عمر مبارک ۷ تا ۸ سال کی تھی کہ مکہ میں قحط پڑا۔ لوگ سخت پریشان ہوئے۔ ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور دعا کیلئے استدعا کی۔

فَخَرَجَ اَبُوْطَالِبٍ وَّمَعَهٗ غُلَامٌ كَاَنَّهٗ شَمْسٌ۔

تو ابوطالب رضی اللہ عنہ دعا کیلئے نکلے ان کے ساتھ ایک مقدس بچہ تھا گویا کہ آفتاب تھا جو کالے بادلوں سے نمودار ہوا ہو۔

یہ حضور ﷺ ہی تھے جن کو ساتھ لے کر ابوطالب کعبہ میں آئے اور آپ ﷺ کی پشت کعبہ کی دیوار سے لگا دی۔ حضور ﷺ نے اپنی نورانی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت آسمان بالکل صاف تھا مگر حضور ﷺ کی مقدس انگلی کا اشارہ پاتے ہی چاروں طرف سے بادل امنڈ آئے اور شہر و دیہات خوب سیراب ہوئے اور قریش مکہ کو آپ ﷺ کے وجود پاک کی برکت سے قحط کی مصیبت سے نجات مل گئی۔ ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اپنے ان اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

اَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ لِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةُ الْاَرَامِلِ

وہ گورے چٹے جن کے چہرۂ انور کے صدقہ میں پانی طلب کیا جاتا ہے وہ یتیموں کی جائے پناہ بیواؤں اور یتیموں کے نگہبان ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ بنی ہاشم جیسے غیور لوگ مصیبت کے وقت ان سے التجاء وفریاد کرتے ہیں۔

❀ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بچپن میں حضور اکرم ﷺ کی آنکھیں دکھنی آ گئیں۔ میں نے بہت دوائیں کیں۔ آرام نہ آیا آخر ایک بوڑھے شخص نے مجھے بتایا کہ مکہ کی آبادی کے فلاں راہب کے پاس جاؤ اور اس سے دوا تجویز کراؤ۔ یہ راہب ہفتہ میں ایک بار اپنے عبادت خانہ سے باہر آتا تھا۔ میں حضور اکرم ﷺ کو کندھے پر بٹھا کر اسی راہب کے عبادت خانہ پر پہنچا مگر میرے پہنچنے پر وہ عبادت خانہ کا دروازہ بند کر چکا تھا۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔ ابھی میں ایک لحہ ہی ٹھہرا تھا کہ راہب نے دروازہ کھولا اور کہنے لگا۔ ابوطالب رضی اللہ عنہ تم نے کس بچہ کو اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے؟ میں نے جب اپنے عبادت خانہ کا دروازہ بند کیا تو میرا کمرہ نور سے روشن و منور ہو گیا۔ جلد بتاؤ کیا حاجت ہے۔

میں نے کہا یہ میرا بھتیجا ہے اس کی آنکھیں دکھنی آ گئیں ہیں کوئی دوا تجویز فرما دیجئے۔

راہب نے حضور اکرم ﷺ کو نظر بھر کر دیکھا اور پھر کہا۔

"ابوطالب رضی اللہ عنہ تم ایسے بچے کو میرے پاس لائے ہو جسے خدا نے طبیب کائنات ﷺ بنایا ہے۔ ان کی دوا میرے پاس نہیں ہے ان کی دوا تو انہیں کے پاس ہے"۔

میں نے حیرانی سے پوچھا وہ دوا کیا ہے؟ راہب نے کہا ان کا لعاب مبارک ان کی آنکھوں میں ڈال دو آنکھیں اچھی ہو جائیں گی۔ چنانچہ اس کی ہدایت پر میں نے حضور اکرم ﷺ کا لعاب مبارک حضور ﷺ کی آنکھوں میں ڈال دیا۔ آشوب

چشم جا تا رہا۔

تقریباً ۱۲ برس کی عمر میں آپ ﷺ نے اپنی زندگی اقدس کا سب سے پہلا سفر ابو طالب کے ہمراہ کیا مدینہ میں پہنچ کر ابو طالب رضی اللہ عنہ بحیرہ نامی راہب کی خانقاہ میں اترے۔ اس راہب نے جب حضور ﷺ کو دیکھا تو کہا: یہ تو سیّد المرسلین ﷺ ہیں۔

لوگوں نے پوچھا: تو یہ بات کیونکر جانی؟ راہب نے جواب دیا۔

جب تم پہاڑ سے اترے تو میں نے دیکھا:

حضور ﷺ پر ایک ابر کا ٹکڑا برابر سایہ فگن ہے اور آپ ﷺ کیلئے جس قدر درخت و پتھر تھے۔ سب سجدہ کیلئے جھک گئے تھے۔

❀ قریش مکہ نے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لئے تاکہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہے لیکن جب حجر اسود کو کعبہ میں نصب کرنے کا مرحلہ آیا تو سخت جھگڑا ہوا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ حجر اسود کو کعبہ میں نصب کرنے کی سعادت اسی کو حاصل ہو۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھچ گئیں۔ آخر ایک بوڑھے قریشی نے رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے آئے وہی ثالث قرار دیا جائے۔ سب نے یہ رائے تسلیم کر لی۔ دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے لیکن صبح کو سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس پر پڑیں وہ جمال جہاں تاب چہرۂ محمدی ﷺ تھا۔

رحمت عالم ﷺ کو دیکھ کر سب نے بلا تکلف آپ ﷺ کو ثالث تسلیم کر لیا۔ حضور ﷺ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود اس میں رکھا اور قبائل کے منتخب سرداروں سے فرمایا چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھائیں۔ جب چادر موقع پر آ گئی تو آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر کعبہ میں نصب کر دیا اور اس طرح ایک سخت لڑائی آپ ﷺ کے جودتِ ذہن اور حسن تدبر سے رُک گئی۔

❀ عبد اللہ بن ابی الحمساء کہتے ہیں کہ بعثت سے قبل میں نے حضور ﷺ سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا۔ کچھ امور طے ہو چکے تھے کچھ باقی تھے میں نے عرض کی۔ آپ ﷺ ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں اتفاق سے تین دن گزر گئے اور مجھے اپنا وعدہ یاد نہ آیا۔ تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو دیکھا کہ حضور ﷺ اسی جگہ میرے انتظار میں جلوہ فرما ہیں۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ کی پیشانی اقدس پر بل تک نہ آئے۔ صرف اس قدر فرمایا کہ:

''میں اس مقام پر تمہارے انتظار میں تین دن سے موجود ہوں''۔ (ابوداؤد)

الغرض حضور سیّد عالم ﷺ کی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے تمام کمالات علمیہ و عملیہ کا جامع بنایا تھا اور آپ ﷺ کی ذات اقدس قبل اظہار نبوت بھی ساری کائنات کیلئے شمع ہدایت تھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کالی گھٹائیں کفر کی سب تجھ سے چھٹ گئیں
انسانیت کے فخر نبوت کے تاجدار

حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے

حضور سیّد المرسلین خاتم النبیین محبوب رب العلمین محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے قبل یہ انسان یہ دنیا توحید کے مفہوم کو فراموش کر چکی تھی۔ چاند، سورج، پتھر، گوبر کی پوجا ہوتی تھی مگر جب رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو یہ دنیا مادیت سے روحانیت کی طرف شرک سے توحید کی طرف مخلوق سے خالق کی طرف متوجہ ہوئی۔ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یعنی معبود ایک اللہ ہے۔ وہی حقیقی اطاعت عبادت کے لائق ہے یہ ہی اصل ایمان ہے اور ایمان کے بعد سب کاموں سے مقدم خالقِ کائنات کی عبادت ہے۔

رسالت

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا نے خدا کیلئے بیوی اور بیٹا بنا رکھے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا جاتا تھا۔ صفات الٰہی قلب کے صفحہ سے محو ہو چکی تھیں۔ لوگ خدا کی طرف سے بری باتوں کی نسبت کر دیتے تھے۔ حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا ہر عیب سے پاک ہے۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ نہ وہ پیدا ہوا نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

وہ بے مثل و بےنظیر ہے۔ قادر مطلق ہے۔ اللہ کے نبی خدا کے بندے اور اس کے عبد اور خلیفہ ہوتے ہیں۔ ان کی بڑی شان اور عظمت ہے۔ رسول کو خدا کے مرتبہ تک پہنچانا یا اس کو خدا کا بیٹا کہنا۔ رسالت محمدی کی توہین ہے۔

کعبہ

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل خلیل علیہ السلام کا کعبہ بت خانہ تھا۔ یہ مقام متبرک جو وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کیلئے مخصوص تھا۔ وہاں تین سو ساٹھ بت نصب تھے اور ان کی بے دھڑک پوجا کی جاتی تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے بتوں کو مسمار کرایا اور اس کی جگہ ذکر خدا کی محفل قائم کی۔ آپ نے اعلان فرمایا: وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ میرے گھر کو رکوع سجود کرنے والوں کیلئے پاک کردو۔

حج

رسالت سے قبل حج ایک میلہ تماشا' جاہلیت کی رسوم کا اکھاڑا' شعراء کی محفل' نسلی وقبائلی عصبیت' خاندانی برتری' زنا' شراب' عریانی اور فحاشی کا اڈا تھا۔ رسول اللہ

ﷺ نے آتے ہی فحش کاری کی یہ تمام صفیں لپیٹ دیں اور ہمیشہ کیلئے اعلان فرمایا:

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔

حج میں نہ شہوانیت کا ظہور ہو' نہ فسق و فجور کی نمائش ہو اور نہ لڑائی جھگڑے کی نوبت آئے۔ ان خرابیوں سے روکنے کے بعد کام کی باتیں یہ بتائیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔

ہاں جب تم ان ارکان سے فارغ ہو جاؤ تو جس ماں باپ کو یاد کرتے ہو۔ اب اللہ کو اس سے بھی بڑھ کر یاد کرو۔

طواف

رسالت سے قبل۔ عورت و مرد ننگے طواف کرتے تھے۔ ان کا نعرہ لندن کے ننگوں کا سا نعرہ۔ ہم خدا کے حضور اس طرح حاضر ہوں گے جس طرح ہماری ماؤں نے ہم کو جنا۔ رسول اللہ ﷺ نے آکر تہذیب و اخلاق' روحانیت اور تزکیہ سے برہنگی کو ختم کیا۔ حج کی روح کو دوبارہ قائم کیا۔ دنیا کو بتایا کہ یہ طواف نہیں۔ یہ تو مرکز توحید میں گناہوں اور جرموں کا اجتماع ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔

اے لوگو! عبادت کے وقت اپنی زینت کا خیال رکھو۔

غرض کہ رسالت سے پہلے حج کا نقشہ یہ تھا رسالت کے بعد یہ ہے وہ کفر کا حج تھا۔ یہ اسلام کا حج ہے۔ وہاں صرف رسم تھی تالیاں اور سیٹیاں تھیں۔ یہاں روحانیت ہے تہذیب ہے۔ شائستگی ہے۔ خالص خدا پرستی ہے۔

اولاد

رسالت سے قبل بہیمیت کا تسلط تھا۔ اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے قتل کروایا

جاتا تھا۔ لڑکے کی خوشی اور لڑکی ہونے پر صف ماتم بچھ جاتی تھی۔ حتیٰ کہ لڑکیوں پر یہ ظلم وستم کیا جاتا کہ باپ خود اپنے ہاتھ سے اس کو زندہ زمین میں دفن کر دیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ آئے آپ ﷺ نے اس شقاوت و بے رحمی کا دروازہ بند کر دیا۔ فرمایا:

لَاتَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ۔

فقر و فاقہ کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

لڑکی کیلئے تمہیں رزق، شوہر، جہیز کی ضرورت ہے۔ اللہ رزاق عالم ہے جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو رزق دیتا ہے وہی لڑکی کے رزق کا بھی کفیل ہے۔

عورت

عورت کی مظلومیت بھی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہودی بحالت حیض عورت سے قطع تعلق کر لیا کرتے تھے اور اس کے ہاتھ کے کھانے کو ناپاک قرار دیتے تھے۔ عورتیں میراث تھیں۔ مال کی طرح عورت پر قبضہ کیا جاتا تھا۔ خاوند کے مرجانے کے بعد قریبی رشتہ دار کا کوئی مرد عورت پر قبضہ کر لیتا اور بغیر مہر کے خواہ اپنے ساتھ یا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کر دیتا۔ حتیٰ کہ باپ کے مرجانے کے بعد باپ کی منکوحہ سے بیٹا نکاح کر لیتا مگر جب حضور ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اس ظلم وستم کو ختم کیا۔ عورتوں کو حقوق انسانیت سے نوازا۔ حیض کی حالت میں صرف جماع سے منع کیا۔ باپ کی منکوحہ سے نکاح کو حرام اور خلاف تہذیب قرار دیا۔ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا:

لَایَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا۔

زبردستی عورت کا وارث بن جانا حلال نہیں۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ عورت اپنے نفس کی خود مختار ہے وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ حتیٰ کہ بالغہ عورت پر باپ کو بھی نکاح کے معاملہ میں جب کہ وہ کفو میں کرے کوئی ولایت نہیں ہے۔

شراب، جوا

ظہور رسول ﷺ سے قبل شراب نوشی قمار بازی کا بازار گرم تھا۔ بدمستی میں دنیا وہ کچھ کرتی تھی کہ شرافت اپنا چہرہ پیٹ لیتی تھی۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ انصاریوں کے ساتھ شراب پینے میں مشغول تھے۔ مغنیہ گا رہی تھی۔

الا یا حمزۃ للشرب النواء۔

اے حمزہ موٹی اونٹنیوں کیلئے

یہ مصرعہ سن کر حضرت حمزہ اٹھے۔ اونٹنیوں کے پیٹ چاک کر کے ان کے کلیجے نکال لئے۔ شراب کے عام رواج کا یہ عالم تھا کہ عربی زبان میں اس کے ۲۵۰ نام ہیں عرب کا ہر گھر شرابی تھا اور بچے اور بیویاں ساقی۔ سود خواری و مے نوشی کی اس کثرت نے عریانی و فحاشی کو عبادت میں بھی شامل کر لیا تھا اور خانہ کعبہ کے طواف کے وقت ننگی مستورات یہ شعر پڑھتی تھیں۔

الیوم یبدو بعضہ او کلہ
فما بدا منہ فلا احلہ،

آج بدن کا سب یا کچھ حصہ کھلے گا جو کھلا ہے اس سے لطف حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

جوئے بازاری کی گرم بازاری نے لوگوں کو اپنی ماں، بیوی، بہن کو بھی فروخت کرنے، گروی رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر جب رسول اعظم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان اخلاق و روح کو برباد کرنے والی چیزوں کے متعلق اعلان فرمایا:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ۔

ہاں یہ شراب یہ جوا ناپاک ہیں عمل شیطان ہیں۔

سود

ظہور رسالت ﷺ سے قبل لوٹ مار، غارت گری، رہزنی عام تھی ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کو لوٹتا اور غلط طریقہ سے حاصل کئے ہوئے مال کو شیر مادر سمجھتا تھا۔ سرمایہ دار سود کے ذریعہ غریبوں کا خون چوستے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کاشتکار اور غریب طبقہ دولت مندوں کا گروی تھا حتیٰ کہ عورتیں تک گروی رکھ دی جاتی تھیں۔ مگر جب رسول کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے مال حاصل کرنے کے صحیح طریقے بتائے۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے یہ اعلان فرمایا کہ باطل کے ذریعہ مال حاصل کرنا حرام ہے۔

وَحَرَّمَ الرِّبٰو

اور اس نے (اللہ) سود حرام قرار دیا ہے۔

زنا اور فواحش

زنا، فسق و فجور عام تھا۔ فخریہ اشعار میں عورتوں کے ساتھ جو بے حیائیاں کی جاتی تھیں ان کو بیان کیا جاتا تھا۔ امرأ القیس جو عرب کا بڑا شاعر اور شہزادہ تھا۔ اس نے اپنی پھوپھی زاد بہن عنیزہ کے ساتھ جو غلط کاریاں کی تھیں قصیدہ لامیہ میں اس کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ باوجود اس کے یہ اشعار تہذیب وتمدن، اخلاق وشرافت کے خلاف تھے مگر عرب کا بچہ بچہ اس کو حفظ کئے ہوئے تھے۔ غرضیکہ بدکاری کا دور دورہ تھا اور یہی ان کا سرمایہ حیات تھا۔ حتیٰ کہ زنا اتنا عام ہوگیا تھا کہ کسی بہادر اور جری کو دیکھتے تو اپنی عورت اس کے پاس بھیج دیتے تا کہ جو بچہ اس عورت سے ہو پیدا ہو اس میں وہی اوصاف آجائیں۔

رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے اس عریانی اور فسق و

فجور کی محافل کو سرد کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا۔

زنا کے قریب مت جانا۔

الغرض: حضور ﷺ آئے تو جہان سے تاریکی مٹی، نور آیا۔ انسان انسان بنا، خدا سے ملا۔ ظلم وعدوان کا دور ختم ہوا اور علم وعرفان، عدل وانصاف اور خداپرستی کا دور شروع ہوا۔

تیرے آنے سے رونق آگئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربانی

عید میلاد النبی ۱۲ ربیع الاوّل

❀ ربیع الاوّل فرحت وسرور کا مہینہ ہے۔ تمام عالم اسلام اس ماہ مبارک میں میلاد کی خوشیاں مناتا ہے اور عید سے زیادہ فرح وسرور کے لطف اٹھاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی کے سامنے مسلمان ہر ایک غم کو بھول جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ظہور پروردگار عالم کی عظیم ترین نعمت ہے نعمت الٰہی کا ذکر اور اس پر شکر اور اس کی یادگار قائم کرنا خوشی منانا شریعت میں ثابت ہے۔

❀ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ شریف تشریف لائے تو وہاں کے یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو ان سے فرمایا کہ تم عاشورہ کا روزہ کیوں رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا یہ دن نہایت مقدس ومبارک ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات بخشی اور ہم تعظیماً اس دن روزہ رکھتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

نَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسٰی مِنْکُمْ فَصَامَہٗ وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

کہ ہم موسیٰ کی فتح کا دن منانے میں تم سے زیادہ حق دار ہیں پس حضور اکرم

ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا:

غور کیجئے! جس دن بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی بنی اسرائیل اس دن کی تعظیم کریں اور اس کو منائیں اور حضور ﷺ بھی اس کی عملی طور پر تائید و توثیق فرمائیں تو جس دن رہبر عالم حضور سیّد عالم ﷺ دنیا میں تشریف لائے اس کی یاد منانا کیونکر بدعت ہو سکتا ہے۔

❀ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر روح البیان آیت کریمہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے تحت فرماتے ہیں۔

وَمِنْ تَعْظِیْمِہٖ عَمَلُ الْمَوَالِدِ اِذَا لَمْ یَکُنْ فِیْہِ مُنْکَرٌ قَالَ الْاِمَامُ السِّیُوْطِیُّ یَسْتَحِبُّ لَنَا اِظْھَارُ الشُّکْرِ لِمَوْلِدِہٖ۔ (روح البیان)

کہ میلاد شریف کرنا بھی حضور ﷺ کی ایک تعظیم ہے جبکہ وہ منکرات سے خالی ہو۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے حضور ﷺ کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔

❀ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں میلاد کے بارے میں فرماتے ہیں۔

نفس قرآن خواندن بصورت حسن و در قصائد و منقبت خواندن چہ مضائقہ است۔

کہ اچھی آواز کے ساتھ قرآن قصیدے، نعت شریف اور فضائل بیان کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

❀ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَخْبَرَنِیْ سَیِّدِی الْوَالِدُ قَالَ کُنْتُ اَصْنَعُ فِیْ اَیَّامِ الْمَوْلِدِ طَعَامًا صِلَةً بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَفْتَحْ لِیْ سَنَةً مِّنَ السِّنِیْنَ شَیْئٌ

اَصْنَعُ طَعَامًا فَلَمْ اَجِدْ اِلَّا حِمَّصًا مُقْلِیًا فَقَسَّمْتُہٗ بَیْنَ النَّاسِ فَرَاَیْتُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ یَدَیْہِ ھٰذِہِ الْحِمَّصُ مُتَبَھِّجًا بَشَّاشًا۔

(الدر الثمین فی المبشرات النبی الامین)

کہ میرے والد ماجد نے مجھ کو بتایا کہ میں میلاد شریف کے دنوں میں حضور اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشی میں کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال سوائے بھنے ہوئے چنوں کے کچھ میسر نہ آیا تو وہی لوگوں میں تقسیم کر دیئے تو حضور نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ بھنے ہوئے چنے آپ ﷺ کے روبرو پڑے ہیں اور آپ بہت ہی مسرور و خوش ہیں۔

❀ راس المحدثین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"کہ فقیر کے مکان پر سال میں دو مجلسیں ایک ذکر وفات شریف، دوسری ذکر شہادت حسنین ہوتی ہیں۔ سینکڑوں آدمی جمع ہوتے ہیں۔ درود شریف و قرآن پڑھا جاتا ہے۔ وعظ ہوتا ہے پھر سلام پڑھا جاتا ہے۔ بعد ازاں کھانے پر ختم شریف پڑھ کر حاضرین کو کھلایا جاتا ہے۔ اگر یہ سب باتیں فقیر کے نزدیک ناجائز ہوتیں تو فقیر کبھی نہ کرتا"۔ (فتاویٰ عزیزیہ ج ۱)

❀ اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔

اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں"۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ مطبوعہ قومی پریس کانپور)

یہی حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شمائم امدادیہ میں فرماتے ہیں۔

"اور قیام کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ ہاں مجھ کو ایک کیفیت قیام میں حاصل ہوتی ہے"۔ (شمائم امدادیہ ص ۸۸)

محفل میلاد پاک میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے متعلق حاجی

امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شمائم امدادیہ میں فرماتے ہیں۔

"ہمارے علماء مولد شریف میں بہت تنازعہ کرتے ہیں تاہم علماء جواز کی طرف بھی گئے ہیں۔ جب صورت جواز کی موجود ہے، پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں اور ہمارے واسطے اتباع حرمین کافی ہے البتہ وقت قیام کے اعتقاد مولد کا نہ کرنا چاہیے اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے مضائقہ نہیں کیونکہ عالم خلق مقید بزمان ومکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں"۔

(شمائم امدادیہ ص ۹۳)

نیز فرماتے ہیں:

"اگر کسی امر میں عوارض غیر مشروع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیے نہ یہ کہ اصل عمل سے انکار کر دیا جائے۔ ایسے امور سے انکار کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے جیسے قیام مولود شریف، اگر بوجہ آنے نام آنحضرت ﷺ کے کوئی شخص تعظیماً قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے۔ جب کوئی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اس سردار عالم و عالمیان روحی فداہ ﷺ کے اسم گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہوا۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ وامداد المشتاق)

❀ مولوی رشید احمد گنگوہی کے استاد شاہ عبد الغنی دہلوی فرماتے ہیں۔

وحق آنست کہ نفسِ ذکرِ ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وسرور فاتحہ نمودن یعنی ایصال ثواب بروح پرفتوح سید الثقلین ﷺ از کمال سعادت انسان است۔

(شفاء السائل)

❀ علامہ شیخ اسمٰعیل حقی بروسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں۔

وَقَالَ الْاِمَامُ السَّیُوْطِیُّ قُدِّسَ سِرُّہٗ، یَسْتَحِبُّ لَنَا اِظْهَارُ الشُّکْرِ لِمَوْلِدِہٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ (روح البیان ج ۹ ص ۵۶)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت پر شکر کرنا ہمارے لئے مستحب ہے۔

❀ علامہ علی بن برہان الدین حلبی سیرت حلبیہ میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ استخرج له الحافظ ابن حجر اصلا من السنة وكذا الحافظ السيوطي وردا على الفاكهاني المالكي في قوله ان عمل المولد بدعة مذمومة۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۸۰)

بیشک عمل مولد کیلئے ابن حجر نے سنت سے اصل نکالی ہے اور اسی طرح حافظ سیوطی نے بھی ان دونوں نے فاکہانی مالکی پر اس کے اس قول میں سخت رد فرمایا ہے کہ (معاذ اللہ) عمل مولد بدعۃ مذمومہ ہے۔ (سیرۃ حلبیہ)

❀ اور ماثبت بالسنۃ میں ہے۔

ولازال اهل الاسلام يحتفلون بشهر مولده صلى الله عليه وسلم۔ (ماثبت بالسنۃ ص ۷۹)

اور اہل اسلام ہمیشہ محفلیں منعقد کرتے رہے۔ حضور ﷺ کے میلاد مبارک کے زمانے میں۔

غرضیکہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کی تقریب کو دھوم دھام، شان وشوکت سے منانا جائز ہے اور عید میلاد النبی ﷺ کی تقریب تبلیغ اسلام کا بہترین ذریعہ ہے۔

طلوع اجلال

آمنہ پاک رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سرکار ﷺ نے میرے شکم سے طلوع اجلال فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ سجدہ میں پڑے ہیں پھر ایک سفید ابر نے آکر آپ ﷺ کو ڈھانپ لیا اور آپ ﷺ میری نظروں سے غائب ہو گئے پھر پردہ ہٹا تو

میں کیا دیکھتی ہوں کہ حضور ﷺ ایک اونی سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں اور سبز ریشمی بچھونا بچھا ہے اور گوہر شاداب کی کنجیاں حضور ﷺ کی مٹھی میں ہیں اور ایک منادی پکار رہا ہے۔

قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلٰی مَفَاتِیْحِ الرِّبْحِ وَمَفَاتِیْحِ النُّبُوَّةِ۔

کہ نصرت کی کنجیاں نفع کی کنجیاں اور نبوت کی کنجیاں سب پر محمد رسول اللہ نے قبضہ فرمایا۔

پھر ایک اور ابر نے آ کر حضور نبی کریم ﷺ کو ڈھانپا کہ آپ ﷺ میری نگاہ سے غائب ہو گئے پھر روشن ہوئے اور کیا دیکھتی ہوں کہ سبز ریشم کا لپٹا ہوا کپڑا حضور ﷺ کی مٹھی میں ہے اور کوئی منادی پکار رہا ہے۔

بَخٍ بَخٍ قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلَی الدُّنْیَا کُلِّهَا۔

واہ واہ ساری دنیا محمد رسول اللہ ﷺ کی مٹھی میں آ گئی۔

زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے قبضہ میں نہ آئی ہو۔

وہ ماہ عرب آج کعبہ میں چمکا
جو مالک ہے سارے عرب اور عجم کا

بدلیاں

چھائے ملائکہ ہیں لگا تار ہے ہجوم
بدلے ہیں پہرے بدلی میں بارش درد کی ہے
ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام
یوں بندگی زلف و رخ آٹھوں پہر کی ہے

سیّد عالم نور مجسم ﷺ کا روضۂ اقدس تجلیات الٰہی کا مخزن ہے۔ روضۂ انور پر ہر وقت ستر ہزار ملائک حاضر رہ کر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں۔ ستر ہزار قدسی صبح کو

آتے ہیں اور عصر کے وقت ان کی تبدیلی ہو جاتی ہے اور ان کی جگہ ستر ہزار دوسرے ملائک حاضر ہوتے ہیں جو صبح تک حاضر رہتے ہیں۔ یونہی یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ جو فرشتہ ایک بار روضۂ اقدس پر حاضری دے چکا ہے۔ اب تا قیامت اسے حاضری نصیب نہیں ہے۔

جو ایک بار آئے دوبارہ نہ آئیں گے
رخصت ہی بارگاہ سے بس اس قدر کی ہے

ملائک کی یہ تبدیلی اس لئے ہے تا کہ تمام قدسی مزار پر انوار کی زیارت کا شرف حاصل کر لیں اگر یہ تبدیلی نہ ہو تو کروڑوں ملائک اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہ جائیں گے۔

یہ بدلیاں نہ ہوں تو ہزاروں کی آس جائے
اور بارگاہِ مرحمت ہر خشک و تر کی ہے

اللہ اکبر! معصوم فرشتے تمنائیں کریں۔ مچلیں، تڑپیں مگر دوبارہ روضۂ اقدس کی حاضری نصیب نہ ہو مگر امت مرحومہ پہ یہ راحت و رحمت ہے کہ چاہے ساری عمر مدینہ میں گزار دیں۔

معصوموں کو ہے عمر میں صرف ایک بار بار
عاصی پڑے رہیں تو صلا عمر بھر کی ہے

نبوت کا درجہ

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے معارج القدس میں نبوت کی حقیقت پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور کتاب المنقذ من الضلال' میں انہوں نے نبوت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

بَلِ الْاِیْمَانُ بِالنُّبُوَّةِ اَنْ یُّقِرَّ بِاِثْبَاتِ طَوْرٍ وَرَاءَ الْعَقْلِ تَنْفَتِحُ فِیْهِ عَیْنٌ

يُدْرَكُ بِهَا مُدْرَكَاتٌ خَاصَّةٌ وَالْعَقْلُ مَعْزُوْلٌ عَنْهَا كَعَزْلِ السَّمْعِ مِنْ إِدْرَاكِ الْأَلْوَانِ۔ (المنقذ من الضلال ص ۳۰)

نبوت پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور اس میں وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے وہ خاص چیزیں معلوم ہوتی ہیں جن سے عقل بالکل محروم ہے جیسے سامعہ رنگ کے ادراک سے بالکل معذور ہے"۔

حیات النبی

حضور سیّد عالم نور مجسم ﷺ زندہ نبی ہیں۔ ایک آن کیلئے آپ ﷺ پر موت طاری ہوئی تھی۔ اس کے بعد پھر آپ ﷺ کی وہی حیات جسمانی ہے اور آپ ﷺ کی تمام قوتیں آج بھی اسی طرح کام کر رہی ہیں جیسے آج سے تیرہ سو برس قبل کر رہی تھیں۔

شہداء کی حیات تو قرآن حکیم کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ جب شہید زندہ ہوتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ جو شہداء سے قطعاً افضل ہیں۔ آپ ﷺ کی حیات میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہوتی ہے۔

جمعہ کے دن درود کی کثرت کی جائے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ افضل ایام میں سے ہے۔ اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ حضور ﷺ کیسے! جب کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی؟

❀ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ۔

(ابن ماجہ، ابو داؤد)

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے۔

❀ ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَلَّمَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ لَمْ يُؤْذَنْ لِلْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ مِنْ لَحْمِهِ۔

(خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۷۹)

یعنی جس شخص سے روح القدس (جبریل) نے بات کر لی زمین کو اجازت نہیں کہ اس کے جسم کو کھائے۔

جب روح القدس سے بات کرنے والے کا یہ مرتبہ ہے کہ اس کے جسم کو زمین نہیں کھاتی تو اس ہستی پاک کے جسم مقدس کی کیا شان ہوگی جس کے جسم میں ہزاروں جبریل سمائے ہوئے ہیں۔

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر
بہر حق سوئے غریباں ایک نظر

❀ حضور ﷺ نے فرمایا اگر عیسیٰ علیہ السلام مجھے پکاریں تو میں جواب دوں گا۔

حضرت ابو یعلیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں۔ حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔

ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِيْ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَأُجِيْبَنَّهُ۔

(خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰)

پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر مجھے آواز دیں تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔

❀ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ۔ (بیہقی' خصائص کبریٰ ج ۲ص ۲۸۱)

یعنی! انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا بیان ہے کہ ہمیں روضۂ نبوی ﷺ سے اذان و اقامت کی آواز آیا کرتی تھی۔

❀ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا یَاْتِیْ وَقْتُ صَلٰوۃٍ اِلَّا سَمِعْتُ الْاَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ۔

(خصائص کبریٰ ج ۲ص ۲۸۰)

یعنی جب بھی نماز کا وقت آیا تو مجھے روضۂ نبوی ﷺ سے اذان کی آواز سنائی دیتی تھی۔

❀ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج میں ایک سرخ ٹیلے کے نزدیک سے گزرا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔

وَھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ۔ (مسلم شریف)

یعنی! اور وہ اپنی قبر مبارک میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

حضور ﷺ امام الانبیاء ہیں

❀ شب معراج جب حضور سیّد عالم ﷺ بیت المقدس پہنچے تو وہاں تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے استقبال کیلئے موجود تھے۔ نماز کا وقت ہوا تو جبریل امین علیہ السلام نے اذان کہی اور حضور ﷺ کو مسند امامت پر کھڑا کر دیا۔ حضور ﷺ امام ہوئے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام مقتدی۔ سب نے حضور ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی اور حضور ﷺ کو امام الانبیاء ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر کہ عیاں ہوں معنی اوّل آخر
کہ دست بستہ تھے پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

شب معراج

انبیاء کرام علیہم السلام سے حضور اکرم ﷺ کی ملاقات بھی ہوئی اور انبیاء کرام علیہم السلام نے حضور ﷺ کی عظمت کے خطبے بھی ارشاد فرمائے جو اس امر کی دلیل ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایک آن کیلئے موت طاری ہوتی ہے اور اس کے بعد پھر ان کی وہی حیات جسمانی ہوتی ہے۔ اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام کا مالی ترکہ تقسیم نہیں ہوتا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ فَھُوَ صَدَقَۃٌ۔

یعنی ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کسی کو اپنا وارث بناتے ہیں ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

❀ قرآن حکیم نے حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کو آپ ﷺ کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کرنے کی ممانعت کی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ بجَسَدِہِ العنصری زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات بدستور آپ کی ازواج ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب حضور ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری دیتے تو یہ نہیں کہتے کہ ہم نے حضور ﷺ کی قبر کی زیارت کی' بلکہ یوں کہتے تھے کہ ہم نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔

زندہ رسول

❀ امام احمد اپنی مسند میں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں کہ

ایک روز مردان روضۂ اقدس پر حاضر ہوا دیکھا کہ ایک شخص حضور ﷺ کے روضۂ مبارک پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں کہنے لگا تم جانتے ہو یہ کیا کر رہے ہو۔ وہ شخص حضرت ابو ایوب انصاری صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے مردان کی بات سن کر فوراً جواب

دیا۔

جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَةَ۔ (امام احمد)

یعنی! حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا ہوں کسی پتھر کے پاس تو نہیں آیا۔

سبحان اللہ! کیسا پیارا اور کتنا مدلل جواب ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"روضۂ اقدس پر حاضری حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کے مترادف ہے کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو وہی حیات جسمانی حاصل ہے۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

اسی لئے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں حاضر ہونے والے کو یہ کہنا مکروہ ہے۔

زرت قبر النبی میں نے قبر کی زیارت کی' بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ زرت النبی میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی کیونکہ حضور ﷺ اب بھی اپنی اسی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں اور اپنے مقام اعلیٰ وارفع میں جلوہ فرما ہیں۔ حجاب ہماری طرف سے ہے ورنہ وہ تو سورج ہیں اور اپنی نورانی شعاعوں سے عالم کو روشنی پہنچا رہے ہیں۔

اسی لئے دوسری حدیث میں فرمایا: "اے لوگو! میری حیات اور میری وفات دونوں تمہارے لئے خیر و برکت ہیں"۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد

❀ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ عفیفہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ میں

حجرۂ اقدس میں حاضری دیا کرتی تھی۔ جس میں حضور اکرم ﷺ جلوہ فرما ہیں اور سر سے اوڑھنی اس لئے اتار دیتی تھی کہ میں سمجھتی تھی کہ سرکار ﷺ ہیں جو میرے شوہر ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جو میرے والد ہیں لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی حجرۂ نورانی میں دفن ہو گئے تو اب میں پردہ کے ساتھ روضۂ انور پر حاضری دیتی ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلْتُهٗ اِلَّا وَاَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِيْ حَيَاءً مِّنْ عُمَرَ۔

(مسند امام احمد)

بخدا جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے ہیں میں پردہ کے ساتھ روضۂ مبارک میں جاتی ہوں۔

حیات مقدس ایک نظر میں

۲۲ اپریل ۵۷۱ء	پیدائش
تقریباً ایک ہفتہ بعد	حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی آغوش رضاعت میں
پانچ سال کی عمر میں	پھر آغوش مادر میں
چھ سال کی عمر میں	والدہ ماجدہ کا انتقال
آٹھ سال کی عمر میں	دادا (عبدالمطلب رضی اللہ عنہ) کی وفات
بارہ سال کی عمر میں	شام کا پہلا تجارتی سفر
۲۵ سال کی عمر میں	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح
۳۰ سال کی عمر میں	قوم کی طرف سے الامین کا خطاب
۳۵ سال کی عمر میں	تمام قبائل کی طرف سے حکم (ثالث)
	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت
۳۷ سال کی عمر میں	غار حرا میں خلوت اور عبادت و تفکر
۴۰ سال کی عمر میں	نزول وحی

۳ نبوی	۴۳ سال کی عمر میں	چالیس زن و مرد کا اسلام قبول کرنا
۵ نبوی	۴۵ سال کی عمر میں	حبشہ کی طرف ہجرت کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم
۶ نبوی	۴۶ سال کی عمر میں	حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا
۷ نبوی	۴۷ سال کی عمر میں	کفار قریش کی جانب سے بائیکاٹ اور شعب ابی طالب میں محصور ہونا
۱۰ نبوی	۵۰ سال کی عمر میں	معاشرتی مقاطعہ (بائیکاٹ) کا خاتمہ' چچا ابوطالب کا انتقال' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات' تبلیغ اسلام کیلئے طائف کا سفر' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح' معراج کا واقعہ
۱۱ نبوی	۵۱ سال کی عمر میں	یثرب (مدینے) کے چھ آدمیوں کا قبول اسلام
۱۲ نبوی	۵۲ سال کی عمر میں	یثرب (مدینے) کے بارہ آدمیوں کا قبول اسلام
۱۳ نبوی	۵۳ سال کی عمر میں	یثرب (مدینے) کے ۷۲ آدمیوں کا قبول اسلام ہجرت مدینہ
۱ ہجری	۵۴ سال کی عمر میں	مدینے کے شہری نظم و نسق کی دیکھ بھال
۲ ہجری	۵۵ سال کی عمر میں	کفار کا پہلا حملہ (واقعۂ بدر)
۳ ہجری	۵۶ سال کی عمر میں	کفار کا دوسرا حملہ (واقعۂ اُحد)
۴ ہجری	۵۷ سال کی عمر میں	بنی عامر کی چالبازی اور قاریوں کی شہادت
۵ ہجری	۵۸ سال کی عمر میں	۵۳ سال کی عمر میں کفار کا تیسرا حملہ (واقعۂ خندق)
۶ ہجری	۵۹ سال کی عمر میں	صلح حدیبیہ
۷ ہجری	۶۰ سال کی عمر میں	بادشاہوں کو دعوت نامے' فتح خیبر
۸ ہجری	۶۱ سال کی عمر میں	موتہ کا واقعہ' فتح مکہ اور حنین کا واقعہ
۹ ہجری	۶۲ سال کی عمر میں	واقعۂ تبوک' مسلمانوں کا حج ادا کرنا' وفود کی آمد
۱۰ ہجری	۶۳ سال کی عمر میں	حجۃ الوداع اور مشہور آخری خطبہ
۱۱ ہجری	۶۳ سال کی عمر میں	علالت و رحلت

❀ حضور سرور عالم ﷺ نے خواب میں حضرت (شاہ عبدالرحیم والد حضرت



شاہ ولی اللہ) سے فرمایا

فَقَالَ جَمَالِیْ مَسْتُوْرٌ عَنْ اَعْیُنِ النَّاسِ غَیْرَةً مِّنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلَوْ ظَهَرَ لَفَعَلَ النَّاسُ اَکْثَرَ مِمَّا فَعَلُوْا حِیْنَ رَاَوْا یُوْسُفَ۔

میرا حسن و جمال لوگوں کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے اگر میرا حسن ظاہر ہوتو لوگوں کا اس سے زیادہ حال ہو جو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا۔ (درثمین ص ۳۹)

ایک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو
وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو

قرآن ایک نظر میں		کل مدت نزول ۲۲ سال ۵ ماہ
کل تعداد کلمات	۸۶۴۳۰	جملہ کاتبان وحی ۴۰ صحابہ
کل تعداد حروف	۳۲۳۷۶۰	وحی اول
پارے	۳۰	اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (علق ۱ تا ۵)
منزلیں	۷	آخری وحی
سورتیں	۱۱۴	وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ (البقرہ ۱ تا ۵)
رکوع	۵۴۰	یا
کل آیات	۶۶۶۶	اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۳۵)

حرکات اعراب		منازل کی تقسیم	
فتحات (زبر)	۵۳۲۲۳	۱	سورۂ فاتحہ ...... تا ...... سورۂ نساء
کسرات (زیر)	۳۹۵۸۲	۲	سورۂ مائدہ ...... تا ...... سورۂ توبہ
ضمات (پیش)	۸۸۰۴	۳	سورۂ یونس ...... تا ...... سورۂ نحل
مدات (~)	۱۷۷۱	۴	سورۂ بنی اسرائیل ...... تا ...... سورۂ فرقان
تشدید (شد)	۱۲۷۴	۵	سورۂ شعراء ...... تا ...... سورۂ یٰسین

نقاط (نقطے)	۱۰۵۶۸۴	۶	سورۂ والصّٰفّٰت ......تا......سورۂ حجرات
		۷	سورۂ قٓ ......تا......سورۂ والناس

اقسام آیات		تعداد حروف		
آیات وعدہ	۱۰۰۰	ا۔۴۸۸۷۲	ب۔۱۱۴۲۸	ت۔۱۱۹۹
آیات وعید	۱۰۰۰	ث۔۱۲۷۶	ج۔۳۲۷۳	ح۔۹۷۳
آیات نہی	۱۰۰۰	خ۔۲۴۱۶	د۔۵۶۰۲	ذ۔۴۶۷۷
آیات امر	۱۰۰۰	ر۔۱۱۷۹۳	ز۔۱۵۹۰	س۔۵۹۹۱
آیات مثال	۱۰۰۰	ش۔۲۱۱۵	ص۔۲۰۱۲	ض۔۱۳۰۷
آیات قصص	۱۰۰۰	ط۔۱۲۷۷	ظ۔۸۴۲	ع۔۹۲۲۰
آیات تحلیل	۲۵۰	غ۔۲۲۰۸	ف۔۸۴۹۹	ق۔۶۸۱۳
آیات تحریم	۲۵۰	ک۔۹۵۰۰	ل۔۳۴۳۲	م۔۳۶۵۳۵
آیات تسبیح	۱۰۰	ن۔۴۰۱۹۰	و۔۲۵۵۳۶	ہ۔۱۹۰۷۰
آیات متفرقہ	۶۶	لا۔۳۷۲۰		ی۔۲۵۹۱۹
جملہ	۶۶۶۶			

سجدہ تلاوت

متفق علیہ	۱۴ مقامات	اختلافی	۱۔مقام



خدائی رات......شب برأت

ماہ وسال میں چند ایسے متبرک ومحترم ایام بھی ہیں۔ جن کو عالم اسلام نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتا ہے اور قرآن حکیم نے بھی ان ایام متبرکہ کو ایام اللہ فرمایا ہے۔ ربیع الاوّل شریف سید عالم نور مجسم ﷺ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے۔ اس مبارک ماہ میں رحمۃ للعالمین ﷺ نے صحن عالم کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا ہے۔ رجب المرجب اس لئے قابل احترام ہے کہ اس نورانی ماہ میں وہ ساعت ہمایوں بھی ہے جو دیوان قضا میں سیر سرور عالم ﷺ کیلئے مقرر تھی اور وہ شب مقدس بھی ہے جس میں ہمارے رسول محترم ﷺ حریم حق میں پہنچے۔ خلوت گاہ قدس میں باریاب ہوئے۔ عین ذات کے نظارے سے فیض یاب ہوئے۔

رمضان کا مہینہ بھی بیشمار نعمتوں اور لامتناہی برکتوں کا خزینہ ہے۔ اس ماہ میں قرآن نازل ہوا۔ زبان نبوی ﷺ نے اس کی عظمت وعزت کا خطبہ پڑھا۔ صبر وشکر کے معزز القابات سے نوازا اور فرمایا کہ رمضان کو باقی تمام مہینوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے خداوند قدوس کو ساری مخلوقات پر۔

اسی سلسلے اور برکت والے مہینوں میں ایک مبارک مہینہ شعبان کا ہے جو اسلامی سال کا آٹھواں مہینہ ہے اور جس کو شہر حبیب الرحمٰن بھی کہتے ہیں اور چونکہ یہ دو مبارک مہینوں رجب ورمضان کے درمیان واقع ہے۔ اس لئے اس کو دو مقدس ہمسایوں کے قرب وجوار کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس کی بزرگی وبرتری کے متعلق یہ کہہ دینا کافی

ہے کہ اس کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ شعبان کو باقی تمام مہینوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی مجھ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر۔

۱) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ شعبان کی پہلی شب میں بارہ رکعتیں اگر اس طرح ادا کی جائیں کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ الحمد اور پانچ مرتبہ قل ھو اللہ پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو بارہ ہزار شہیدوں کا ثواب عطا فرماتا ہے اور بارہ سال عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں تحریر کیا جاتا ہے اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ آج ہی اس کی ماں نے جنا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ شعبان کے کسی دن میں روزہ رکھنے کا ثواب یہ ہے کہ آتش دوزخ اس کے بدن پر حرام ہوتی ہے اور جنت میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی رفاقت اور سیدنا ایوب وداؤد علیہم السلام جیسا ثواب ملتا ہے۔

۲) اسی مبارک مہینہ میں وہ شب ہمایوں بھی ہے جس کو شب برات اور شب رحمت ونصرت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جس کے متعلق قرآن حکیم اعلان فرماتا ہے کہ

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا (الخ)

ترجمہ: اس روشن کتاب کی قسم ہم نے اس کو برکت والی رات میں اتارا۔ ہم ڈر سنانے والے ہیں اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام

بعض مفسرین کرام کے نزدیک لیلہ مبارکہ سے شب برأت مراد ہے۔ جس میں خداوند ذوالجلال کی مخصوص رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔ انعام واکرام کی بارش ہوتی ہے۔ تمام وہ امور جو سال آئندہ میں ہونے والے ہیں ہر محکمہ سے تعلق رکھنے والے ملائکہ کو تفویض کر دیئے جاتے ہیں۔

۳) اس شب کی برکات میں سب سے نفیس ترین برکت رب العزت جل جلالہ کا جمال ہے جو عرش سے تحت الثریٰ تک اپنے عموم فیض سے ہر ذرہ کو نوازتا ہے۔ ربانی تجلیات اور ایزدی فیوض وبرکات متوجہ نمائش ہوتے ہیں۔ انعام واکرام کی بارش ہوتی ہے اور وہ پاک بے نیاز بے مثل کیفیت سے آسمان دنیا پر طلوع اجلال فرماتا ہے۔

فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ بَنِي كَلْبٍ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: اور بنی کلاب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زائد افراد امت کی بخشش ہوتی ہے۔

۴) اسی شب مبارکہ میں جبریل علیہ السلام بحکم رب جلیل جنت میں جاتے ہیں اور رب العزت جل مجدہٗ کا یہ حکم سناتے ہیں کہ جنت کو آراستہ کر دیا جائے اور غلامان مصطفیٰ ﷺ کیلئے اس کو خوب سجایا جائے کیونکہ اس مقدس شب میں اللہ تعالیٰ آسمان کے ستاروں کے شمار اور دنیا کے روز وشب کی مقدار درختوں کے پتوں کی گنتی اور پہاڑوں کے وزن کے برابر اور ریت کے ذروں کے موافق دوزخی آزاد فرمائے گا۔ (ماثبت بالسنۃ)

۵) اسی نورانی شب میں امت عاصی کی مغفرت ہوتی ہے۔ سائلوں کو عطا کیا جاتا ہے۔ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ توبہ قبول ہوتی ہے اور رب العزت جل مجدہٗ اپنی تمام مخلوق کی مغفرت فرما دیتا ہے اور درجے بلند کرتا ہے سب کو اپنے آغوش رحمت میں لیتا ہے۔

إِلَّا الْمُشْرِكَ أَوْ مُشَاحِنَ وَلَا إِلَى قَاطِعِ رَحِمٍ وَلَا إِلَى مُسْبِلِ الْإِزَارِ وَلَا إِلَى عَاقٍّ لِوَالِدَيْهِ وَلَا إِلَى مُدْمِنِ خَمْرٍ۔ (ابن ماجہ، بیہقی وما ثبت بالسنۃ)

ترجمہ: مشرک، کینہ ور، رشتہ داری سے تعلق توڑنے والا تکبر سے کپڑا لٹکانے والا، والدین کا نافرمان اور ہمیشہ شراب پینے والا، اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہتا ہے اور ربانی رحمت اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔

لہٰذا ضروری ہے کہ شعبان کی پندرہ تاریخ سے قبل بندوں کے حقوق ادا کئے جائیں۔ کینہ' بغض' عداوت' قطع رحم' شراب خوری والدین کی نافرمانی وغیرہ ذالک چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے بصدق دل توبہ کی جائے۔ ماں باپ اگر ناراض ہوں تو ان کے قدموں میں پڑ کر معافی مانگی جائے۔ مسلمان آپس میں گلے ملیں اور دنیوی رنجشوں اور عداوتوں کو ختم کریں تاکہ اس شب کی برکات وحسنات سے مالا مال ہوں۔

اجابت دُعا کی بہترین ساعت

یہ شب اجابت دعا اور ذنوب کی مغفرت کیلئے بہترین ساعت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اس شب میں رب تعالیٰ کا جمال اپنے عموم فیض سے ہر ذرہ کو نوازتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غروب آفتاب کے وقت سے آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ندا کرتا ہے۔

اسی طرح طلوع فجر تک یہ رحمت ومغفرت اور بندہ نوازی کی ندائیں آتی رہتی ہیں اور حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں۔ لہٰذا اس شب مبارک میں دعا استغفار عبادت واذکار میں سے بخشوع وخضوع مشغول ہونا چاہیے اور اپنے دینی دنیوی نیک مقاصد ومطالب اور پاکستان کی حیات وبقا کیلئے بتوسل سیّد المرسلین محبوب رب العلمین ﷺ دعا مانگنی چاہیے۔

اس شب کی خصوصیت

اس شب کی خصوصیت میں یہ بھی ہے کہ اس شب مبارکہ میں خاصان خدا کو علوم الٰہیہ عطا کئے جاتے ہیں۔ زم زم کا پانی بڑھ جاتا ہے۔ ہر امر کا فیصلہ ہوتا ہے۔ بندوں کی عمر رزق وغیرہ سال بھر کے تمام کام فرشتوں کے سپرد ہوتے ہیں۔ عام و حوادث' مصائب وآلام' خیر وشر' رنج ومحن' فتح وہزیمت' وصل وفصل' اتحاد واتفاق' ذلت و

رفعت' قبض وبسط' قحط سالی وفراخ سالی غرض کہ سال بھر کے تمام ہونے والے اسی شب میں ہر محکمہ سے تعلق رکھنے والے ملائک کو تفویض ہوتے ہیں جس پر سال آئندہ میں عمل ہوتا ہے۔

شب برأت کی مخصوص نماز

اس شب میں عبادت و بیداری بڑی دولت ہے۔ بیدار رہنا مستحب ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس شب میں (۱۰۰) سو رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ الحمد شریف اور دس مرتبہ قل ھو اللہ تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت پوری فرمائے گا۔

نیز نفل پڑھنے کا یہ طریقہ بھی حضور ﷺ سے مروی ہے کہ سو رکعتیں اس طرح ادا کی جائیں کہ ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ پڑھی جائے یا دس رکعتیں اس طرح ادا کی جائیں کہ ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد سو مرتبہ قل ھو اللہ پڑھی جائے۔ سلف صالحین نے اس نماز کو ادا کیا ہے اور اس کا نام صلوٰۃ الخیر رکھا ہے۔ حضرت قطب الاقطاب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ جو شخص یہ نماز ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جانب ستر مرتبہ نظر رحمت فرمائے گا۔ ہر نظر میں ستر حاجتیں پوری ہوں گی۔ ان حاجتوں میں ادنیٰ درجہ کی حاجت اس کی مغفرت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

روض الافکار میں لکھا ہے کہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ پر سے گزرے اور ایک سفید پتھر کو دیکھ کر متعجب ہوئے' ندا آئی۔ عیسیٰ کیا اس سے عجیب تر چیز دیکھنا چاہتے ہو۔ عرض کی ہاں' پتھر پھٹا اور اس میں ایک بزرگ برآمد ہوئے جن کے ہاتھ میں سبز چھڑی اور قریب ہی انگور کا درخت لگا ہوا تھا۔ کہنے لگے یہ میری روزانہ کی غذا ہے۔ فرمایا:

کتنے دن سے یہاں عبادت کر رہے ہو۔ بزرگ نے کہا۔ چار سو سال سے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ صمدیت میں عرض کی۔ الٰہی اس سے افضل بھی کوئی مخلوق ہے۔ ندائے باری آئی۔ ہاں میرے محبوب و مطلوب سیدالمرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کا جو شخص شعبان کی پندرھویں شب میں دو رکعت نوافل پڑھے گا۔ اس کی یہ دو رکعتیں چار سو سال کی رکعتوں سے افضل ہیں۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ اس شب میں مذکورہ بالا طریق ہی سے نوافل پڑھے جائیں جس کو خدا توفیق دے۔ وہ اس طرح پڑھے۔ ورنہ دو رکعت تو ضرور پڑھی جائیں تاکہ رحمت اور برکت ایزدی ہمارے شامل حال ہو جائے۔

روزہ

شعبان کے مہینہ میں روزہ رکھنے کا ثواب بھی بے حد و بیشمار ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس ماہ میں روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب شعبان کی پندرھویں شب آئے۔ **فَقُوْمُوْا لَيَالَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا** تو رات کو قیام کرو اور پندرھویں کا روزہ رکھو۔

زیارت قبور

اس شب میں قبرستان جا کر اپنے اعزاء و اقرباء اور عام مسلمین کیلئے دعائے مغفرت کرنا سنت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ شب برأت کو قبرستان تشریف لے جاتے تھے اور مسلمان مردوں، عورتوں، شہیدوں کیلئے دعائے مغفرت فرماتے تھے۔

ایصال ثواب

اس شب میں امت کیلئے ایصال ثواب دعائے استغفار مسنون ہے۔ بکثرت

احادیث اس بارے میں وارد ہیں۔ خصوصاً ماں، باپ، بھائی، دوست کی دعا کا تو مردہ انتظار کرتا ہے۔ ایصال ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ کھانا پکا کر میت کے نام پر تقسیم کیا جائے۔ غریبوں کو کپڑے اور ہر ضرورت کی چیز مہیا کی جائے۔ قرآن پڑھ کر اموات کو بخشا جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نوافل پڑھ کر اس کا ثواب والدین کو بخشا جائے۔

آتش بازی

آتش بازی پٹاخے پھُلجھڑی ہوائی وغیرہ ذالک لہو ولعب میں مشغول ہونا اور بچوں کو اس قسم کی واہیات اشیاء خرید کر دینا شرعاً و اخلاقاً قطعاً ناروا ہے۔ آتش بازی میں روپیہ ضائع ہوتا ہے۔ وقت خراب ہوتا ہے اور قوم کے بچے کھیل وکود کے عادی ہو جاتے ہیں۔

خصوصاً اس خدائی رات کو آتش بازی جیسے فضول و لغو کام میں گزار دینا ہی بد نصیبی ہے۔ رب تعالیٰ اس شب میں انعام و اکرام کی بارش کرتا ہے۔ مغفرت و رحمت کے ابواب کھولتا ہے۔ جود و عطاء کے خوان اتارتا ہے اور ہم اس مبارک اور مقدس مبارک شب میں لہو ولعب میں مشغول ہو کر اس کی روحانی برکات سے محروم رہتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ اس خدائی رات کا استقبال اطاعت و عبادت، استغفار و اذکار کے ساتھ کریں۔ رات کو تلاوت قرآن کریم میں مشغول ہوں اور پندرھویں کا روزہ رکھیں۔ صدقہ و خیرات کریں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں۔





رمضان المبارک

ایک عظیم اور بابرکت مہینہ

وہ مہینہ آ گیا جو فضل و رحمت اور خیر و برکت کا مہینہ ہے۔ اس ماہ کے روزے ہر مسلمان پر فرض ہیں، خوش نصیب ہیں جو اس ماہ مبارک کا احترام کرتے ہیں۔ دن روزے میں اور رات قیام میں گزارتے ہیں اور بدنصیب ہیں جو اس ماہ مبارک کا احترام نہیں کرتے اور اس کی لاتعداد برکتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

نئی روشنی کے ظلمت زدہ افراد نے سوال اٹھایا کہ روزہ مضر صحت ہے۔ آخر دن بھر بھوکا رہنے سے حاصل؟ مفکرین اسلام نے ان کے اس سوال کے مدلل و تسلی بخش جواب دیئے اور یہ ثابت کیا کہ طبی نقطۂ نظر سے بھی روزہ قوت و طاقت کا ضامن ہے۔ اگر روزہ مضر صحت ہوتا تو ہمارے اسلاف جو عہد بلوغ سے وقت وفات تک سال کے کثر دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے وہ کبھی طویل العمر اور صحیح الجسم نہ ہوتے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ روزہ مضر صحت نہیں ہے مگر اس کے باوجود بات جہاں جا کر ختم ہوتی ہے کہ وہ صرف یہ ہے کہ روزہ مضر صحت ہو یا مفید رکھا صرف اس لئے جاتا ہے کہ اللہ رب العالمین کا حکم ہے اور اسی نظریہ سے روزہ رکھنے میں ثواب بھی ہے۔

دنیا میں ہر قوم کے بعض مخصوص شعار ہوتے ہیں۔ عبادات کے مخصوص اسلوب ہوتے ہیں جن سے وہ قوم دوسری قوم سے ممتاز ہوتی ہے۔ روزہ، نماز، حج و زکوٰۃ قوم مسلم کے مذہبی شعائر ہیں اور ہمارا یہ فرض ہے کہ ان کا احترام کریں اور علی الاعلان

خلاف ورزی سے مجتنب رہیں۔ کیونکہ اس سے شعائر دینی کی توہین ہوتی ہے اور جو قوم اپنے شعائر کی خود ہی توہین کرے گی وہ کسی دوسرے سے ان کے احترام کی توقع نہیں رکھ سکتی۔

خوفِ خدا

غور کیجئے۔ وہ کون سی طاقت ہے جو لاکھوں کروڑوں انسانوں کو دن بھر انتہائی اور کڑکتی ہوئی دھوپ میں پانی کا ایک قطرہ پینے سے بھی باز رکھتی ہے۔ یہ صرف خدا کا خوف ہے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کرنے کا عزم ہے۔ نماز روزہ جیسی عبادتوں کی حکمت یہ بھی ہے کہ انسانوں میں خدا ترسی اور تعمیل احکام کی روح پیدا ہو اور وہ اسلامی زندگی اختیار کرنے کے قابل بن جائیں۔ جب ایک مسلمان نماز پڑھتا ہے تو وضو کی باقاعدگی رکعتوں کی ترتیب ارکان صلوٰۃ کی پابندی اور کلمات صلوٰۃ کا لزوم بے حد احتیاط سے اختیار کرتا ہے۔ جب روزہ رکھتا ہے تو سحری سے افطار تک کھانے پینے سے پرہیز کرتا ہے حالانکہ اگر وہ نماز میں چار رکعت کی جگہ دو ہی پڑھ لے یا ارکان ادا کرتے وقت نماز کے الفاظ کو نہ دہرائے یا روزے کی حالت میں چھپ چھپا کر کچھ کھا پی لے تو اسے کون دیکھتا ہے اور کون ٹوک سکتا ہے لیکن مسلمان یہ ساری پابندیاں اپنے اوپر محض اس لئے عائد کرتا ہے کہ اسے خدا کا خوف ہے وہ فرض کی بجا آوری میں ذرا بھی گڑبڑ نہیں کرتا کہ مبادا اللہ اس سے ناراض ہو جائے۔

روزے کا ڈسپلن

سب لوگ جانتے ہیں کہ انسان کے جسمانی تقاضوں میں بھوک پیاس سب سے زیادہ تقاضے ہیں اور کوئی شخص کھائے پئے بغیر ایک دو روز سے زیادہ مدت تک گزارہ نہیں کرسکتا اور جب انسان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء موجود بھی ہوں اور بھوک

پیاس کا غلبہ بھی ہو۔ تو ایسی حالت میں ترغیب پر غالب آنا اور ان اشیاء کو ہاتھ بھی نہ لگانا کس قدر دشوار ہے لیکن مسلمان پورا ایک مہینہ اس ترغیب کا مردانہ وار مقابلہ کرسکتا ہے اور حقیقت میں یہ سب ہی بڑا جسمانی و روحانی ڈسپلن ہے۔ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی روزہ رکھتے ہیں لیکن کیا مجال کہ وہ روزے کے دوران میں بھوک پیاس کی شدت سے مجبور ہو کر کچھ کھا پی لیں۔

گویا رمضان المبارک میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی خدائی اور اس کے احکام کی پیروی کی اہمیت کا نہایت عمیق احساس ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کی خاطر ہر قسم کی جسمانی تکلیف و اذیت برداشت کر لیتا ہے لیکن حکم کی خلاف ورزی کا لمحے بھر کیلئے بھی روادار نہیں ہوتا۔

اس تربیت کا مقصد

مسلمانوں کو روزہ کے ذریعہ یہ تربیت اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ زندگی کے دوسرے کاروبار میں بھی ہر وقت احکام الٰہی کا خیال رکھے اور اپنے تمام اعمال میں اللہ و رسول اللہ ﷺ کے احکام پابند ہو جائے۔ جھوٹ دغا بازی' عیاری' حق تلفی اور بددیانتی کی شدید سے شدید ترغیب کے وقت بھی ان گناہوں سے بچے اور سمجھ لے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر ہم اس نکتہ پر غور کریں اور جس ہستی کے خوف سے ہم روزہ کی پابندیوں کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ اگر اس ہستی کے خوف سے ہم زندگی کے تمام اعمال کو روزے کی طرح ہر قسم کی ناجائز ترغیبات سے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو جائیں تو دنیا ہمارے لئے جنت بن جائے اور اجر آخرت بھی بے حساب حاصل ہو۔

روزہ

اسلامی عبادات میں سے ایک اہم اور ممتاز رکن ہے۔ اس میں دنیا و آخرت

کیلئے روحانی و جسمانی فوائد اس قدر ہیں کہ اس کا احترام ہر زمانہ ہر قوم اور ہر شریعت میں کیا گیا۔ تاریخ پر نظر ڈالنی چاہیے۔ آپ کو روزہ کا ثبوت اس زمانہ سے ملے گا جب سے مذہب کا ثبوت اور تاریخ کے اوراق پر پایا جائے گا۔ اور مذہب اسی وقت سے ہے جب سے حضرت انسان نیست سے ہست میں آیا ہے۔ یہ ایک ایسی مفید ترین عبادت ہے جسے تمام مذاہب نے مختلف صورتوں میں اپنایا اور مختلف صورتوں میں اس کا احترام کیا۔ حتیٰ کہ تمام فلاسفر بھی اس عبادت کی اہمیت اور فوائد کے معترف ہیں۔

ارسطو فیثا غورث اور بطلیموس کے نزدیک تزکیہ قلب اور صفائی' دماغ کا بہترین علاج یہ ہے کہ انسان بھوک پیاس اور خواہشات کی تکلیفوں کو برداشت کرے۔ اس سے خیالات میں پاکیزگی اور جذبات میں مہارت پیدا ہوتی ہے۔

اطباء کے نزدیک بھی روزہ نہایت مفید ہے اور تزکیۂ خیالات' تزکیۂ دماغ اور قواء بدن کیلئے بہترین و موثر بہرحال جس طرح اسلام کی عبادتیں تمام مذاہب کی عبادتوں سے بلند معیار رکھتی ہیں۔ اسی طرح روزہ بھی تمام اصلاحی ذرائع سے بہتر اور تمام فوائد کا جامع ہے۔ اسلامی روزہ ایک ایسی افضل ترین عبادت ہے۔ جس کی خوبیوں کیلئے اپنے اور غیر ہر ایک معترف ہیں۔

روزہ کی حقیقت

صوفیاء کرام کے نزدیک روزہ کے تین درجے ہیں۔

۱) عوام کا روزہ

۲) خواص کا روزہ

۳) خاص الخاص کا روزہ

۱) عوام کا روزہ یہ ہے کہ طلوع سے غروب تک اپنے آپ کو کھانے پینے اور جماع سے باز رکھنا۔ یہ درجہ روزے کا ایک ادنیٰ درجہ ہے۔

۲) خاص لوگوں کا روزہ یہ ہے کہ کان' آنکھ' زبان' ہاتھ' پاؤں اور باقی اعضاء کو گناہوں سے محفوظ رکھے اس کی تکمیل چھ چیزوں سے ہوتی ہے۔ پہلی یہ کہ آنکھ کو مذموم ومکروہ اور ہر اس چیز سے بچائے جو ذکر الٰہی سے غافل کرتی ہو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ بُری نظر شیطان کے زہر آلود تیروں سے ایک تیر ہے۔ بس جو بُری نظر کو خوف الٰہی سے چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ ایسا ایمان عطا فرمائے گا۔ جس کی حلاوت قلب میں محسوس ہوگی۔ دوسری یہ کہ زبان کو بکواس' جھوٹ' غیبت' فحش گوئی سے محفوظ رکھے۔

حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ دن کے آخری حصہ میں بھوک اور پیاس نے اس قدر ستایا کہ جان پر بن گئی۔ حضور ﷺ کی خدمت میں آدمی بھیج کر روزہ توڑنے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے ایک پیالہ بھیجا اور حکم دیا کہ جو کچھ ان دونوں نے کھایا ہے اس کو اس پیالہ میں قے کر کے نکال دیں۔ چنانچہ ایک نے قے کی تو قے میں آدھا خالص تازہ خون تھا اور آدھا تازہ گوشت اور دوسری عورت نے بھی اسی طرح قے میں خون اور گوشت ڈالا۔ لوگوں کو تعجب ہوا تو سیّد عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں عورتوں نے روزہ رکھا اور اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کے استعمال سے اپنے آپ کو بچایا مگر اس کی حرام کی ہوئی چیز کا ارتکاب کیا۔ ان میں سے ایک دوسری کے پاس جا کر بیٹھی اور دونوں نے مل کر غیبت کی۔ کسی آدمی کی غیبت کرنا اس کا گوشت کھانا ہے۔ یہ گوشت جو قے میں نکلا وہی غیبت ہے۔

تیسری یہ کہ کان کو ہر مکروہ اور ناجائز آواز کے سننے سے بچائے۔ اگر کسی مجلس میں غیبت ہوتی ہو تو وہاں سے اٹھ جائے ورنہ یہ بھی گنہگار ہوگا۔ حدیث میں فرمایا ہے کہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔

چوتھی یہ کہ بقیہ اعضاء کو گناہوں سے اور پیٹ کو مشتبہ کھانے سے محفوظ رکھے۔

پانچویں یہ کہ بوقت افطار اتنا نہ کھائے کہ پیٹ تن جائے کہ ایسا پیٹ اللہ تعالیٰ

کے نزدیک مبغوض تر ہے۔ علاوہ ازیں روزے کا فائدہ جو کہ کسرِ شہوت تھا۔ اس صورت میں حاصل نہ ہوگا۔

چھٹی یہ کہ افطار کے بعد قلب خوف اور امید کے درمیان رہے' کیا معلوم کہ اس کا روزہ اللہ کے نزدیک مقبول ہوا اور یہ مقربین سے ہوگیا یا اس کا روزہ درجۂ مقبولیت کو نہ پہنچ سکا اور یہ مردود بارگاہِ خداوندی ہوا۔

۳) خاص الخاص حضرات کا روزہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام باتوں کے علاوہ قلب دنیوی خیالات سے پاک رہے اور قلب میں ماسواء اللہ کا خیال تک نہ آئے۔ ایسا روزہ انبیاء صدیقین اور مقربین کا ہوتا ہے۔ کسی بزرگ نے اس چیز کو اپنے الفاظ میں یوں فرمایا:

اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَلَنَا فِیْھَا صَوْمٌ۔ (احیاء العلوم وغیرہ)

دنیا کی عمر ایک دن ہے اور ہم اس میں روزہ سے ہیں''۔

فضیلت رمضان

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جب رمضان مبارک کا مہینہ آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ

وَفُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ۔

ترجمہ ''رحمت کے دروازے بھی کھول دیئے جاتے ہیں''۔

محدثین کرام فرماتے ہیں۔ آسمان کے دروازے کھولنا۔ نیکیوں کی توفیق عطا فرمانے سے کنایہ ہے کیونکہ وہ دخول جنت کا سبب ہے اور جہنم کے دروازے بند کرنا روزہ داروں کو گناہوں سے امن دینے سے کنایہ ہے۔

امام بغوی نے (فتح وغلق میں) دونوں وجہیں جائز رکھی ہیں مجازی بھی اور حقیقی

بھی۔

روزہ دار جنت میں ریان دروازے سے داخل ہوگا

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ایک دروازہ کا نام ریان ہے۔

لَا یَدْخُلُهَا اِلَّا الصَّائِمُوْنَ۔ (بخاری)

"اس دروازہ سے روزہ دار کے سوا اور کوئی داخل نہ ہوگا"۔

شراح احادیث فرماتے ہیں کہ اس دروازہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ریان جنت کا دروازہ ہے جس کی طرف کثرت سے نہریں جاری ہیں۔ اس کے قریب پھل پھول، شگوفے اور چمن ہیں جو نگاہوں کو تازگی اور دلوں کو سرور بخشتے ہیں یا ریان دروازہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جو اس دروازہ تک پہنچے گا روز قیامت حشر کی تشنگی اس سے دور ہو جائے گی اور طراوت و لطافت دائمی حاصل ہوگی۔

علامہ زرکشی فرماتے ہیں۔ ریان فعلان کے وزن پر ہے۔ اس کے معنی (کثیر الری) بہت زیادہ سیرابی کے ہیں چونکہ روزہ دار کی بھوک و پیاس پر کثرت سیرابی کی جزا دی جائے گی۔ اس لئے اس دروازہ کا نام ریان رکھا گیا ہے۔

جھوٹ اور لغو چھوڑے بغیر روزہ نہیں

مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔

ترجمہ "جو شخص جھوٹ بولنا اور لغو کام کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کچھ ضرورت نہیں کہ (روزہ کا نام کر کے) وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے"۔

یعنی جب کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اس کا کھانا

اور پانی چھوڑ دینے کی اللہ کو کوئی پرواہ نہیں۔

روزہ دار کو برا کہنا یا کسی سے لڑنا زیبا نہیں

وَاِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ امْرَءٌ صَائِمٌ۔ (بخاری)

ترجمہ "جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو وہ فحش باتیں نہ کرے۔ بے ہودہ بات نہ کہے۔ شور نہ کرے نہ چلائے اور اگر کوئی سے گالی دے یا اس سے لڑے تو وہ اس سے کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں"۔ (بخاری و مسلم)

مقصد سے غافل ہو کر بھوکا پیاسا رہنا مفید نہیں

کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ صَوْمِهٖ اِلَّا الظَّمَاءُ وَکَمْ مِنْ قَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ قِیَامِهٖ اِلَّا السَّهْرُ۔

ترجمہ "بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ انہیں ان کے روزہ سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے راتوں کو کھڑے رہنے والے ہیں کہ ان کو اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مگر جاگنا"۔

یعنی بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ روزہ سے بھوک اور پیاس کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا اور بہت سے راتوں کو عبادت کرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ اس قیام و عبادت سے رت جگے کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب

مَنْ فَطَّرَ فِیْهِ صَائِمًا کَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَکَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْءٌ۔

ترجمہ "جو شخص اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے وہ اس کیلئے

گناہوں کی بخشش کا سبب ہوتا ہے اور دوزخ کی آگ سے نجات کا ذریعہ اور روزہ دار کے ثواب کے برابر اس کو ثواب ملتا ہے اور اس سے روزہ دار کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی''۔

یعنی روزہ افطار کرانے والے کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس روزہ دار کو روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی ہو۔ (بیہقی)

روزہ دار کو پیٹ بھر کھانا کھلانے والا

مَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِیْ شَرْبَةً لَا یَظْمَأُ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔ (بیہقی)

جو شخص روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے سیراب فرمائے گا ایسا کہ پھر کبھی اس کو پیاس نہ لگے یہاں تک کہ وہ جنت میں جائے''۔

کس چیز سے روزہ افطار کرے

اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَکَةٌ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی مَاءٍ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ۔

ترجمہ ''جو شخص تم میں سے روزہ افطار کرنا چاہے اس کو چاہیے کہ وہ کھجور سے افطار کرے۔ اس لئے کہ کھجور برکت کا سبب ہے اور اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے افطار کرے اس لئے کہ پانی پاک کرنے والا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

روزہ دار کیلئے دو فرحتیں

نبی اکرم نور مجسم ﷺ فرماتے ہیں کہ روزہ دار کیلئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی تو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے۔

وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ الرَّحْمٰنِ۔

دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔ (ان شاء اللہ العزیز)

یعنی ایک فرحت تو بوقت افطار حاصل ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایماندار بندہ ادائے فرض سے عہدہ برآء ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ نفس کی خواہشیں مخل عبادت نہ ہوسکیں اور میرا آج کا فرض پورا ہوگیا۔

اور دوسری فرحت اور خوشی اپنے پروردگار عالم سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی جب کہ ہر صحیح العقیدہ مسلمان رب العالمین کو بے حجاب و بے نقاب دیکھ لے گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمان قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہیں اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں کرتے ہیں۔

روزہ دار کے منہ کی بو خدا تعالیٰ کو مشک سے زیادہ پسند ہے

سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بو خداوند دو عالم کو

اطیب عنداللہ مع ریح المسک۔

ترجمہ ''مشک سے بھی زیادہ پسند ہے''۔ (بخاری)

اس حدیث شریف میں روزہ دار کی بے حد و بیشمار عزت افزائی کی گئی ہے۔ سبحان اللہ وہ پاک بے نیاز جو مستغنی عن الکل ہے اپنے بندہ پر یہ کرم نوازی فرما رہا ہے کہ اس کے منہ کی بدبو کو بھی مشک سے زیادہ پسند فرماتا ہے۔

رمضان میں شیاطین کی گرفتاری

نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے مفتوح اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔

وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ۔ (بخاری)

ترجمہ ''اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں''۔

اس حدیث پر ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ انسان شیطان کے بہکانے سے گناہ کرتا ہے اور جب ماہ رمضان میں شیاطین اور سرکش جن قید کر دیئے جاتے ہیں تو پھر چاہیے کہ رمضان میں کسی آدمی سے گناہ سرزد نہ ہو۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ گناہ کے صدور میں شیطان کی طرح انسان کے نفس امارہ کی بھی دخل ہے۔ شیطان کے قید ہو جانے کے بعد صرف نفس امارہ کی مداخلت کی بناپر گناہ صادر ہوتے ہیں۔

اور یہ شیاطین ہی کے قید ہو جانے کی وجہ ہے کہ رمضان میں اللہ تعالیٰ کے ایماندار بندے اطاعت وعبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں بلکہ عام طبیعتیں بھی نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور بدیوں اور گناہوں کو چھوڑ دیتی ہیں۔ چنانچہ اگر نفس امارہ کو بھی مقید کر لیا جاتا تو پھر بالکل گناہ نہ ہوتے۔ اگر چہ شیاطین آزاد رہتے۔ چنانچہ وہ لوگ جو اپنے نفس اور اس کی خواہشات پر قابو پالیتے ہیں وہ رمضان میں کیا اور غیر رمضان میں کیا ان سے بالکل گناہ صادر نہیں ہوتے۔

لہٰذا حدیث کا مطلب واضح ہے کہ رمضان میں شیاطین مقید کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس ماہ مقدس میں گناہوں کی کمی ہو جاتی ہے۔

رمضان میں نیکیوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے

ترمذی شریف کی حدیث میں حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ایک بھی دروازہ بند نہیں رہتا اور ایک منادی فرشتہ یہ پکارتا ہے۔

يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ۔

ترجمہ ''اے طالب خیر متوجہ ہو اور اے طالب شر بدی سے باز رہ''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماہ رمضان تقویٰ کا مہینہ اور پرہیز گاری کے دن ہیں۔ طلب گاران رحمت ومغفرت کو صدائے عام ہے اور منادیٔ غیب ندائیں کرتا ہے کہ امیدواران ثواب آئیں اور گنہگار گناہ سے باز رہیں جیسے موسم ربیع میں سبزہ زاروں کو موافق آب وہوا ملتی ہے اور بادسموم کے زہریلے اثرات اور تباہ کاریوں سے ان کو محفوظ رکھتی ہے۔ اسی طرح رمضان میں خداشناسوں اور دینداروں کیلئے رحمت وکرم الٰہی کی بارش ہوتی ہے اور ان کو برباد کرنے والے دشمن شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔

رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ملتا ہے

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ شعبان کے آخر دن میں نبی کریم ﷺ نے وعظ کے دوران فرمایا:

اے لوگو! تمہارے پاس عظمت وبرکت والا مہینہ آیا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے فرض کئے اور اس کی شب میں نماز پڑھنا (تراویح) مسنون کیا۔

مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ ''اور جس نے اس ماہ میں نیکی کا کوئی کام کیا تو وہ اس طرح کہ اس نے کسی اور مہینہ میں فرض ادا کیا اور جس نے اس ماہ میں کوئی فرض ادا کیا تو وہ ایسا ہے کہ اس نے اور مہینوں میں ستر فرض ادا کئے''۔

اس حدیث شریف میں رمضان المبارک کے فیوض وبرکات کا بیان ہے کہ رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ملتا ہے اور اس طرف اشارہ بھی ہے کہ جو شخص اس ماہ مبارک میں بھی نیکیوں کی طرف متوجہ نہیں

ہوتا۔ وہ بہت ہی بدنصیب ہے۔

روزہ شفاعت کرے گا

نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ روزہ اور قرآن دونوں شفاعت کریں گے۔ روزہ دربارِ الٰہی میں عرض کرے گا الٰہی میں نے اس کو کھانے اور رغبت کی چیزوں سے باز رکھا ہے۔ میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما۔

قرآن کریم کہے گا میں نے اس کو شب میں آرام کرنے سے روکا ہے۔ میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

فَيُشَفَّعَانِ یعنی اللہ تعالیٰ دونوں کی شفاعتیں قبول فرمائے گا۔

آزادیٔ جہنم کا پروانہ روزہ دار کو

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَوَّلُه' رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُه' مَغْفِرَةٌ وَآخِرُه' عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ ''رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس کا اوّل رحمت اوسط مغفرت اور آخر دوزخ سے آزادی ہے''۔

یعنی رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں اللہ تعالیٰ روزہ داروں پر ایک خاص رحمت نازل فرماتا ہے پھر دوسرے عشرہ میں گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے اور تیسرے عشرہ میں جہنم سے آزادی کا پروانہ مل جاتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ مبارک میں روزہ رکھ کر جہنم سے آزادی کا پروانہ حاصل کرتے ہیں۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَه' مِثْلُ اَجْرِهٖ۔

ترجمہ ''جس نے روزہ دار کو افطار کرایا یا غازی کو سامان جہاد دے کر تیار کیا تو اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا''۔

اس حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ جو شخص غازی اور مجاہد کو سامان جہاد دیتا ہے اور وہ اس کے دیئے ہوئے سامان کے ساتھ میدان کارزار میں جا کر لڑتا ہے تو جتنا ثواب غازی کو ملے گا اتنا ہی ثواب غازی کو سامان جنگ دینے والے کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا اور افطار کرانے والوں کو بھی اسی قدر ثواب ملے گا اور دونوں کے ثواب میں ہرگز کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔

مشکوٰۃ شریف کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے روزہ افطار کرانے کی فضیلت بیان فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔

''یارسول اللہ ﷺ! ہم میں ایسے اشخاص بھی ہیں جو کسی کا روزہ کھلوانے کی طاقت ہی نہیں رکھتے (یعنی بے حد غریب ہیں) اس کیلئے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''يُعْطِى اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شُرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِىْ شَرْبَةً لَّا يَظْمَاءُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ''۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ ''اللہ تعالیٰ ایسا ثواب اس کو بھی عطا فرمائے گا جو ایک گھونٹ دودھ یا کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے روزہ افطار کرائے اور جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا تو اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے شربت پلائے گا جو کبھی پیاسا نہ ہوگا''۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو۔

اس حدیث شریف میں یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ روزہ کھلوانے کا جو عظیم الشان

ثواب ہے وہ امراء ہی کیلئے نہیں ہے بلکہ اگر غریب بھی یہ ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ ایک گھونٹ پانی سے ہی کسی کا روزہ افطار کرا دے تو اس کو بھی اسی قدر ثواب ملے گا جتنا کہ اس روزہ دار کو۔

مہینہ تیس دن کا اور اُنتیس دن کا

اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا يَعْنِي مَرَّةً تِسْعَةً وَّعِشْرِيْنَ وَمَرَّةً ثَلَاثِيْنَ فَاِنْ اُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْا لَهٗ۔

ترجمہ ''مہینہ کبھی اُنتیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا اگر چاند نظر نہ آئے تو اندازہ کرو یعنی تیس دن پورے کرو''۔

ماہ رمضان کیلئے جنت آراستہ کی جاتی ہے

سیّدِ عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ شروع سال سے جنت آئندہ سال تک رمضان کیلئے آراستہ کی جاتی ہے۔ جب رمضان کا پہلا دن آتا ہے تو بہشت کے پتوں سے عرش کے نیچے ایک ہوا حور عین پر چلتی ہے تو وہ

فَيَقُلْنَ يَا رَبِّ اجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِكَ اَزْوَاجًا تَقَرُّ بِهِمْ اَعْيُنُنَا وَتَقَرُّ اَعْيُنُهُمْ مِمَّا۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ ''حوریں عرض کرتی ہیں اے رب! تو ہمارے لئے اپنے بندوں سے انہیں شوہر بنا جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم سے ان کی آنکھیں''۔

اس حدیث شریف میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ ایک سال تک جنت کی آراستگی اور اس کی آئینہ بندی روزہ داروں کیلئے کی جاتی ہے اور حوریں یہ تمنا کرتی ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ روزہ داروں کی خدمت کیلئے مقرر فرمائے۔

افطار میں جلدی کرنے کی ہدایت

لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔

ترجمہ ''لوگ ہمیشہ نیکی پر رہیں گے۔ جب تک کہ وہ افطار میں جلدی کیا کریں گے''۔

سحری کھانے میں برکت ہے

لَتَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً۔

''ترجمہ سحری کھاؤ اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے''۔

چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر چھوڑو

صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ۔

ترجمہ ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو یعنی جب تم رمضان کا چاند دیکھو تو روزے رکھنا شروع کرو۔ اور جب تم عید کا چاند دیکھو تو روزے چھوڑ دو۔ اور اگر ابر و غبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کر لو اور اسی طرح رمضان کے''۔ (بخاری و مسلم)

تمام اعمال بندے کے...... روزہ اللہ کا

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّيَامُ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ۔

ترجمہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ابن آدم کے تمام اعمال اس کیلئے ہوتے ہیں سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا''۔

آدمی کا ہر عمل خدا کے یہاں کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے۔ ایک نیکی دس گنی سے سات

سوئی تک پھیلتی پھولتی ہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے وہ خاص میرے لئے ہے اور میں جتنا چاہتا ہوں بدلہ دیتا ہوں جس کی کوئی حد مقرر نہیں۔

شب قدر میں جبریل علیہ السلام اترتے ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سراپا نور ﷺ نے فرمایا:

اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِىْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ قَاعِدٍ مُّذَكِّرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

ترجمہ ''جب شب قدر ہوتی ہے جبریل امین ملائکہ کی جماعت میں اترتے ہیں اور ہر قیام وقعود کرنے والے بندے پر جو خدا کے ذکر وعبادت میں مشغول ہو دعا کرتے ہیں۔ (بیہقی)

شب قدر کی فضیلت

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

ترجمہ ''جس شخص نے ایمان اور اخلاص کے ساتھ ثواب کے حصول کی غرض سے شب قدر میں قیام کیا (عبادت کی) تو اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے''۔ (بخاری ومسلم)

ہزار راتوں سے بہتر ایک رات

اِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ ''یہ رمضان شریف کا مبارک مہینہ آیا کہ جس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ پس جو شخص اس کی بھلائی سے محروم رہا وہ تمام بھلائیوں سے محروم رہا اور اس (مقدس رات) کی بھلائیوں اور نیکیوں سے محروم نہیں رہتا۔ مگر وہ

شخص جو بے نصیب ہے۔

شب قدر میں بخشش ہوتی ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سراپا نور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَاِذَا كَانَ يَوْمُ فِطْرِهِمْ بَاهٰى بِهِمْ مَلٰٓئِكَتَهٗ فَقَالَ يَا مَلٰٓئِكَتِىْ مَا جَزَآءُ اَجِيْرٍ وَّفّٰى عَمَلَهٗ۔

ترجمہ ''اور جب عید کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ پر اپنے ان بندوں کے ساتھ فخر ومباحات فرماتا ہے کہ اے میرے ملائکہ اس مزدور کی کیا جزا ہے جس نے اپنا کام پورا کیا''۔

قَالُوْا رَبَّنَا جَزَآءُهٗ اَنْ يُّوَفّٰى اَجْرَهٗ۔

ترجمہ ''فرشتے عرض کرتے ہیں اے رب! اس کی یہ جزا ہے کہ اس کو پورا اجر دیا جائے''۔

قَالَ مَلٰٓئِكَتِىْ عَبِيْدِىْ وَاِمَائِىْ قَضَوْا فَرِيْضَتِىْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى الدُّعَآءِ وَعِزَّتِىْ وَجَلَالِىْ وَكَرَمِىْ وَعُلُوِّىْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِىْ لَاُجِيْبَنَّهُمْ فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ۔ (بیہقی)

ترجمہ ''اے میرے فرشتو میرے بندے اور میری بندیوں نے میرا فرض ادا کیا۔ پھر دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ مجھے اپنی عزت وجلال اپنے کرم وبرتری کی قسم ہے۔ میں بیشک ان کی دعائیں قبول فرماؤں گا۔ پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے تو میں نے تمہیں بخش دیا۔ میں نے تمہاری بدیوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ مغفور واپس ہوتے ہیں''۔

اس حدیث شریف میں بدیوں کو نیکیوں سے بدلنے سے مراد یہ ہے کہ صحائف

اعمال میں اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے ہر بدی کی جگہ نیکی لکھی جاتی ہے۔

ممکن ہے کہ یہ کرم روزہ داروں کے ساتھ ہی عام ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ عاصیوں کیلئے مغفرت اور توبہ کرنے والوں کیلئے تبدیلی مراد ہو۔ جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ جنہوں نے توبہ کی تو اللہ ان کی بدیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

خلیفۂ اکبر

امام احمد بن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کہ حضور سرکار مدینہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ و نائب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان سب آپ ﷺ کے حکم کے مطیع اور ارادے کے زیر فرمان کر دیئے ہیں۔

یُعْطِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔ (الجوہر المنظم ص ۵۲)

حضور جسے چاہیں عطا فرمائیں۔





احکام ومسائل رمضان

رویت ہلال

شریعت میں رویت ہلال کا اعتبار ہے جو واضح طور پر یا شرعی شہادت سے ثابت ہو چاند دیکھنے کی شہادت شہر کے مقتدر عالم کے سامنے پیش کرنی چاہیے۔ چاند کے ثبوت کیلئے خط' تار' افواہ بازار' ریڈیو وائرلیس' ٹیلیویژن کی خبر بالکل معتبر نہیں ہے۔

اگر ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے عید کریں۔ شک کا روزہ رکھنا گناہ ہے۔

مسائل سحری

سحری کھانا سنت ہے اور باعث برکت اگرچہ ایک لقمہ ہی کھائے۔ سحری میں تاخیر مستحب ہے مگر اتنی نہیں کہ وقت میں شک ہو جائے۔ اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو بحالت جنابت سحری کھا سکتا ہے۔ ویسے غسل جنابت میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ وضو میں کلی ایسی کہ منہ کے ہر پرزہ پر پانی بہہ جائے اور ناک میں اس طرح پانی لینا کہ جہاں نرم بانسہ ہے پانی پہنچ جائے سنت موکدہ ہے اور غسل جنابت میں فرض ہے۔ کلی اور ناک میں پانی نہ لیا تو غسل ہی نہ ہوگا۔ اس لئے روزہ دار کو غسل فرض میں اس احتیاط سے کلی کرنی چاہیے کہ منہ کے ہر پرزہ پر پانی بہہ جائے مگر حلق سے نیچے نہ اترے اور ناک میں پانی اس احتیاط سے لیا جائے کہ نرم بانسہ دھل جائے اور پانی نہ



حلق میں اترے نہ دماغ میں چڑھے۔

روزہ کی نیت

روزہ کی نیت بعد غروب آفتاب سے ضحوئ کبریٰ تک ہے۔ ہر روز کیلئے نیت لازم ہے۔ نیت زبان سے بہتر ہے اور نیت ضحوئ کبریٰ سے پہلے کرے تو روزہ ہوگا رات کو نیت کرے اور یوں کہے۔ نَوَیْتُ اَنْ اَصُوْمَ غَدًا لِلّٰهِ تَعَالٰی مِنْ فَرْضِ رَمَضَانَ میں نے نیت کی کہ کل اس رمضان کا فرض روزہ اللہ کیلئے رکھوں گا اگر نیت دن میں کرے تو یوں کہے۔ نَوَیْتُ اَنْ اَصُوْمَ هٰذَا الْیَوْمَ لِلّٰهِ میں نے نیت کی کہ آج اس رمضان کا فرض روزہ اللہ کیلئے رکھوں گا۔ سحری نیت ہے جب کہ کھاتے وقت یہ ارادہ ہو کہ روزہ رکھوں گا۔

روزہ کی حقیقت

نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد ۱۰ شعبان ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے عرف شرع میں مسلمان کا بنیتِ عبادت صبح صادق سے غروب آفتاب تک اپنے کو قصداً کھانے پینے جماع سے باز رکھنا روزہ ہے۔ عورت کا حیض ونفاس سے خالی ہونا شرط ہے۔ رمضان المبارک کا روزہ رکھنے کے ساتھ ہر روزہ دار پر یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ صرف کھانے پینے اور مباشرت سے ہی اجتناب نہ کرے بلکہ قول وفعل، لین دین اور دیگر معاملات میں بھی پرہیزگاری اختیار کرے جیسا کہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ سے ظاہر ہے۔ روزہ کی حالت میں آدمی ہاتھ پاؤں کو کسی بھی برے کام کیلئے حرکت نہ دے، گالی گلوچ، غیبت جیسی خرافات زبان پر نہ لائے نہ کان میں پڑنے دے۔ اس کی آنکھ بھی غیر شرعی کام کی طرف نہ اٹھے بلکہ انسان تقویٰ کا عملی نمونہ بن جائے۔

روزہ نہ رکھنے کے شرعی عذر

جب آدمی ایسا بیمار ہو کہ روزہ رکھنے سے جان جانے یا مرض کے بڑھنے یا دیر پا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ جب صحت ہو جائے قضا کرے ایسا بوڑھا کہ روز بروز کمزور ہوگا نہ اب روزہ رکھنے پر قادر اور نہ بظاہر آئندہ قادر ہو سکے گا ہر روز کے بدلے فدیہ دے یعنی ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ یہ بوڑھا شخص جو فدیہ دیتا رہا پھر روزہ پر قادر ہو گیا تو فدیہ نفل ہوگا اور روزہ کی قضا لازم ہے۔ جو ایسا مریض یا بوڑھا ہو کہ گرمیوں میں روزہ نہ رکھ سکتا ہو تو اب افطار کرے۔ جاڑوں میں رکھ لے۔ حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی کو جب انہیں اپنی ذات یا بچہ کا اندیشہ ہو۔ روزہ نہ رکھنا جائز ہے لیکن قضا لازم ہے۔

روزہ توڑنا گناہ ہے

روزہ رکھ کر بلا عذر شرعی توڑ دینا سخت گناہ ہے۔ ہاں اگر ایسا بیمار ہو گیا کہ روزہ نہ توڑنے سے جان جانے کا خطرہ ہو یا بیماری کے بڑھ جانے کا احتمال قوی ہو یا ایسی شدید پیاس لگی کہ مر جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں روزہ توڑ دینا جائز بلکہ واجب ہے البتہ صحت ہو جانے پر قضا لازم ہے۔

مسئلہ جن کا روزہ فاسد ہو جائے ان پر اور حیض ونفاس والی پر جب دن میں پاک ہوں۔ نابالغ پر جب دن میں بالغ ہو، مسافر پر جب دن میں مقیم ہو واجب ہے کہ پورے دن روزہ دار کی طرح رہیں۔

مسئلہ نابالغ جو بالغ ہو، کافر جو مسلمان ہوا ان پر اس دن کی قضا واجب نہیں ہے۔

روزہ کے مکروہات

کسی چیز کا بلا عذر چکھنا چبانا بایں طور کہ حلق سے نیچے نہ اترے۔ جھوٹ، چغلی،

اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا۔

افطار

افطار میں جلدی سنت و موجب برکت ہے۔ غروب کا غالب گمان ہونے پر افطار کرلیا جائے۔ نماز سے پہلے افطار کریں۔ کھجور چھوارے یہ نہ ہوں تو پانی سے ان تینوں سے سنت ہے۔ کھانے میں مشغول ہو کر نماز میں تاخیر نہ کریں۔ مرد جماعت کھانے کی وجہ سے نہ چھوڑیں۔ آج کل بہت لوگ اس میں مبتلا ہیں۔

وقت افطار یہ دعا پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ۔

مسائل تراویح

بیس رکعت تراویح ہر غیر معذور مرد و عورت کیلئے سنت موکدہ ہے۔ مستورات گھر میں پڑھیں اور مردوں کیلئے مسجد میں جماعت سے پڑھنا سنت کفایہ ہے۔ نیت سنت تراویح کریں۔ تراویح کا وقت فرض عشاء کے بعد سے صبح صادق تک ہے قبل وتر پڑھیں یا بعد وتر۔

مسئلہ ہر چار رکعت تراویح کے بعد بقدر چار رکعت بیٹھنا اور تسبیح و تہلیل یا درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ تسبیح کے کلمات یہ ہیں۔ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَالْعَظَمَۃِ وَالْھَیْبَۃِ وَالْقُدْرَۃِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِکَۃِ وَالرُّوْحِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَنَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ وَنَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ۔

مسئلہ تراویح کے بعد لوگوں کو بیٹھنا ناگوار ہو تو نہ بیٹھیں۔

مسئلہ تراویح جماعت کے ساتھ گھر میں پڑھی جائیں تو جماعت کا ثواب مل جائے گا مگر مسجد کے ثواب سے محروم رہے گا۔

مسئلہ اگر اپنی مسجد میں ختم قرآن نہ ہو یا جماعت تراویح نہ ہو یا دوسری جگہ امام خوش الحان خوش عقیدہ صحیح خواں متبع سنت ہو اور ان وجوہ سے مسجد محلہ چھوڑ کر دوسری جگہ جائے جائز ہے۔

مسئلہ اور امام محلہ بدعقیدہ یا ریش بریدہ ہو تو دوسری مسجد میں جانا ضروری ہے۔

مسئلہ ایک امام کو دو مسجدوں میں پوری تراویح پڑھانا جائز نہیں۔

مسئلہ ایک امام کے پیچھے پوری تراویح پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ اگر فرض جماعت نہ پڑھ سکا تو اس کو تراویح جماعت سے پڑھنا جائز ہے۔ اگر فرض اور تراویح دونوں جماعت سے ادا نہیں کئے تو اس کو وتر جماعت کے ساتھ پڑھنا ممنوع ہے۔ لہٰذا اگر تارک جماعت فرض اور تراویح یا فقط تارک جماعت فرض وتر جماعت پڑھے گا تو فعل مکروہ کا مرتکب ہوگا اگرچہ وتر ادا ہو جائیں گے۔ بعض مساجد میں تراویح میں نابالغ لڑکوں کو امام بنایا جاتا ہے جو باوجود نابالغ ہونے کے مسائل صلوٰۃ سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ نماز تراویح سنت موکدہ ہے اور نابالغ کی نماز خالص نفل ہے لہٰذا نابالغ لڑکے کے پیچھے سنن موکدہ ادا نہیں ہوتیں اور نیز بعض مسجدوں میں ریش بریدہ امام مقرر کئے جاتے ہیں۔ ڈاڑھی منڈوانے والے اور ایک مشت سے کم رکھنے والے کی امامت مکروہ تحریمہ ہے ایسوں کو امام بنانا گناہ ہے اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہوتی ہے۔ جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ سونے کی انگوٹھی پہننا، خالص ریشمی لنگی، قمیص اور تہبند مرد کو استعمال کرنا حرام ہے اور اس کے ساتھ نماز بھی مکروہ ہوگی۔

مسئلہ بدمذہبوں اور بے دینوں کو امام بنانا مطلقاً ناجائز ہے۔

اعتکاف

رمضان کے خاص اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے۔ اعتکاف کیا ہے؟ ہر طرف سے منقطع ہو کر اللہ کے در پر پڑ جانا اور اس سے لَو لگا کے بیٹھ جانا۔ اس کا اصل وقت رمضان کا آخری عشرہ ہے۔ یوں تو رمضان کا پورا مہینہ خاص رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے لیکن اس حیثیت سے اس کا آخری عشرہ پہلے دونوں عشروں سے بڑھا ہوا ہے کہ قرآن پاک کا نزول بھی آخری عشرہ ہی میں ہوا تھا۔ شب قدر بھی اسی عشرہ میں آتی ہے اس لئے اعتکاف کیلئے اسی عشرہ کو مقرر کیا گیا۔

رمضان کے دنوں میں صیام اور راتوں میں قیام تو ایمان والوں کیلئے رمضان کے مجاہدہ اور رمضان کی عبادت کا عام نصاب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے جو بندے رحمت والے اس مہینہ کی رحمتوں اور برکتوں میں خاص حصہ لینا چاہیں ان کیلئے خاص نصاب اعتکاف ہے یعنی اللہ کی کسی مسجد میں اپنے جسم کو مقید کر دے۔ حاجت بشری کے سوا وہاں سے نہ نکلے۔ اسی طرح اپنے باطن کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دے۔ اسی کی یاد ہو اسی کا دھیان ہو۔ اسی کی عبادت ہو اسی کی تسبیح و تقدیس ہو۔ اسی سے ڈرنا اسی کے حضور میں رونا اور تڑپنا ہو۔ اسی کے سامنے گڑگڑانا ہو۔ غرض وہاں بس وہ بندہ ہو اور اس کا رب کریم۔

حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں برابر اعتکاف فرماتے تھے۔ ایک سال کسی وجہ سے آپ ﷺ اعتکاف نہیں کر سکے تو اگلے سال آپ ﷺ نے ۲۰ دن کا اعتکاف فرمایا اور ایک سال ایسا بھی ہوا کہ رمضان کے پورے مہینہ میں آپ ﷺ معتکف رہے۔

اللہ رب العزت جن کو توفیق دے وہ آخری عشرہ میں اعتکاف کریں اور جن

کیلئے کسی وجہ سے اس کا موقع نہ ہو وہ بھی اتنا ضرور کریں کہ آخری عشرہ میں اپنے دوسرے مشغلوں کو کم سے کم کر دیں اور دن رات زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں قرآن کی تلاوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور اس کے ذکر میں مصروف اور دعا و استغفار میں مشغول رہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ رمضان کی آخری دس راتوں میں خود بھی جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیداری کا حکم فرماتے تھے اور ترغیب دیتے تھے۔

۲۰ رمضان المبارک کی عصر سے عید کا چاند دیکھنے تک اعتکاف کرنا سنت موکدہ کفایہ ہے یعنی تمام شہر کے یا تمام محلّہ کے مسلمانوں سے ایک شخص بھی اگر اعتکاف کرے گا تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے گو ثواب سے محروم رہیں گے لیکن ترک سنت کا الزام کسی پر نہ رہے گا۔

مسئلہ اعتکاف ایسی مسجد میں کرنا چاہیے جس میں پنج وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو۔

مسئلہ بعد نیت اعتکاف حد مسجد سے نکلنا بجز انسانی حاجتوں اور شرعی ضرورتوں کے حرام ہے۔

مسئلہ انسانی حاجتیں پیشاب' پاخانہ اور نہانا ہے (اگر نہانے کی حاجت ہو) اور استنجا کرنا اور وضو کرنا ہو۔

مسئلہ اگر کوئی گھر سے مسجد میں کھانا لانے والا نہ ہو تو کھانے کے واسطے بعد مغرب گھر تک جانا جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کھانا گھر سے لائے اور مسجد میں کھائے۔

مسئلہ اور حاجات شرعی میں نماز جمعہ ہے لہٰذا نماز جمعہ کو ایسے وقت میں جائے کہ وہاں جا کر چار سنتیں پڑھ کر خطبہ سن لے اور بعدہٗ چھ رکعت سنت پڑھے۔ بلا ضروریات مذکورہ معتکف کو مسجد سے باہر نکلنا مکروہ ہے مگر جب تک کہ آدھے دن سے زیادہ مسجد

سے باہر نہ رہے گا اعتکاف نہ ٹوٹے گا۔ اعتکاف میں معتکف کو کھانا' پینا' سونا' دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا' مسائل دینی کا بیان کرنا' بزرگان دین وانبیاء کرام کے حالات بیان کرنا اگر ضرورت پڑے تو بغیر لائے مال کے مسجد میں خرید وفروخت جائز ہے۔

جمعۃ الوداع

حضور سیّد عالم نور مجسم ﷺ کے ارشاد کے مطابق جمعہ کا دن سیّد الایام اور تمام دنوں سے افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا یہ دن سلامتی ورحمت اور عبادت وریاضت میں گزرا اللہ تعالیٰ اسے ہفتہ بھر کی آفات وبلیات سے محفوظ رکھے گا ایک حدیث میں ہے۔ اَلْجُمْعَةُ عِيْدٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ جمعہ مسلمانوں کی عید ہے جمعہ اور عید میں بہت سے امور مشترک ہیں۔ جمعے کے دن غسل کرنا' اجلا لباس پہننا اور خوشبو لگانا سنت ہے اور یہ چیزیں عید کے دن بھی مسنون ہیں جمعہ اور عید دونوں میں باجماعت دو دو رکعت ہیں دونوں میں اجتماعیت ہے اور خطبہ لازمی ہے۔ جمعہ قضا ہے نہ عید کی اگر جماعت فوت ہو جائے تو تنہا آدمی جمعہ ادا کر سکتا ہے نہ عید جمعہ قضا ہو جائے تو ظہر پڑھی جائے۔ قرآن مجید میں جمعہ کے احکام سورۂ جمعہ میں بیان ہوئے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن ایک ساعت آتی ہے۔ جس میں ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہ ساعت نماز عصر کے بعد آتی ہے اور اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو عصر کی نماز سے فراغت کے بعد مغرب کی نماز کے انتظار میں لگا رہے۔ ذکر وفکر میں مشغول رہے اور اپنے مقصد کو پیش نظر رکھے۔ یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کی نماز کی ادائیگی کیلئے سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اونٹ کے صدقہ کے برابر ثواب دیتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر جانے والے کو گائے کے صدقہ کے برابر۔ تیسرے نمبر پر جانے والے کو مینڈھے کے برابر۔ چوتھے نمبر پر جانے والے کو مرغی

کے صدقہ کے برابر اور پانچویں نمبر پر جانے والے کو ایک انڈے کے صدقہ کے برابر ثواب ملتا ہے اور جب خطیب خطبہ پڑھنے کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے تو فرشتے بھی سننے کیلئے مسجد میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ صرف جلدی جانے کا ثواب ہے اور نماز کا ثواب الگ ہے اور وہ بہت زیادہ ہے۔ ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے کہ جمعہ کی نماز ادا کرنے والے کے وہ تمام گناہ جو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان ہوتے ہیں بخش دیئے جاتے ہیں۔

جمعۃ المبارک کسی بھی ہفتے کا ہو مومنوں کیلئے باعث برکت ورحمت اور موجب نجات ومغفرت ہے لیکن رمضان المبارک کا آخری جمعہ جو جمعۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے نورٌ علی نور اور قران السعدین ہے۔ جمعۃ الوداع مسلمانوں کی عظمت و شوکت اور ہیبت وجلالت کا عظیم مظہر ہے۔ اس دن لوگ انبوہ در انبوہ جامع مساجد کی طرف اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔ ایسے میں ملائکہ انہیں اپنے جھرمٹ میں لے لیتے ہیں اور حریم ناز سے رحمت ومغفرت کی بارش ہوتی ہے۔ جمعۃ الوداع کا یہ مبارک دن بلاشبہ دعاؤں کی مقبولیت کا دن ہے۔ اس دن امت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور عالم اسلام کے عزت وغلبہ کیلئے خصوصی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ اس دن قضا عمری نام کی کوئی نماز بھی ادا کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں عمر بھر کی قضائیں اسی ایک ہی سجدے میں ادا ہو جاتی ہیں۔

عوام میں یہ خیال نامعلوم کیسے اور کہاں سے رواج پا گیا۔ بہرحال مسئلہ یہ ہے کہ جو نمازیں رہ گئی ہیں وہ جمعۃ الوداع کی قضا عمری کے دو نفل سے ادا نہیں ہو سکتیں۔ اس کیلئے بہرحال ان فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنا ضروری ہے۔



سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

خاص اس سابقِ سیرِ قربِ خدا   اَوحدِ کاملیت پہ لاکھوں سلام
سایۂ مصطفےٰ مایۂ اصطفا   عزّ و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل   ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
اصدق الصادقین سیّد المتقین
چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

وہ عمر جن کے اعداء پہ شیدا سقر   اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فارقِ حق و باطل امام الہدیٰ   تیغِ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام
ترجمانِ نبی ہمزبانِ نبی
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

سیّدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ

زاہد مجدِ احمدی پر درود   دولتِ جیشِ عسرت پہ لاکھوں سلام
درِ منثور قرآں کی سلک بہی   زوجِ دو نورِ عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیصِ ہدیٰ
حلہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

مرتضیٰ شیرِ حق اشجع الاشجعین   ساقیِ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
شیرِ شمشیر زن شاہِ خیبر شکن   پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج
حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام

از اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ

لیلۃ القدر

ایک عظیم بابرکت نورانی رات

ستائیسویں رات کے فضائل اور احکام و مسائل

جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

(بخاری)

جس نے لیلۃ القدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ قیام فرمایا۔ اس کے گذشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

قیام کے معنی

قیام کے معنی ایک تو قیام فی الصلوٰۃ کے ہیں یعنی لیلۃ القدر میں نماز پڑھنا یا قیام نیند کے مقابل ہے۔ یعنی لیلۃ القدر کو جاگ کر گزارنا خواہ نماز کے ساتھ یا اذکار کے ساتھ۔ قیام سے مراد رات کا قیام ہے یا بعض کا۔ اکثر شارحین نے اس سے بعض حصہ رات کا قیام مراد لیا ہے۔ لیکن علامہ عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب مَنْ يَصُمْ يَوْمًا کہا جائے تو اس سے بعض یوم کا روزہ مراد نہیں ہوتا۔ اسی طرح مَنْ يَقُمْ کا لفظ آیا ہے تو یہاں بھی تمام رات کا قیام مراد ہونا چاہیے اور یہ اس لئے بھی کہ "لیلۃ القدر" مَنْ يَقُمْ کا مفعول واقع ہوا ہے اور مفعول کی شان یہ ہے کہ وہ فاعل کے فعل کو شامل ہوتا ہے لہٰذا

قیام کو تمام رات کے ساتھ متصف ہونا چاہیے۔

ایمان واحتساب کے معنی

احادیث میں احتساب کے لفظ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے ہر عمل کا مدار ایمان پر ہے اور اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے لیکن نیت مرتبہ علم کا ہے اور احتساب علم العلم کا مرتبہ ہے یعنی احتساب نیت سے بھی اوپر ایک درجہ ہے اور مراد اس سے نیت کا استحضار اور نیت کی زیادتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا استعمال شارع نے ذہول و مشقت کے مواقع پر کیا ہے۔ مثلاً حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''جس کا بچہ مر جائے تو اس کو چاہیے کہ صبر کرے اور احتساب کرے''۔ اب دیکھیے بچہ کا مر جانا آفت سماوی ہے۔ اس میں انسان کے اختیار کو کچھ دخل نہیں ہے اور یہ کہ اس مصیبت کے وقت آدمی کو وہم بھی نہیں ہوتا کہ مجھے ثواب مل سکتا ہے تو یہ ذہول کی جگہ تھی۔ اس لئے شارع نے فرمایا کہ اگرچہ یہ آفت سماوی ہے۔ لیکن خلوص نیت کے ساتھ اگر کوئی اس مصیبت پر صبر کرے تو اس کو ثواب مل جائے گا۔

مشقت و مجاہدہ کے موقع پر بھی شارع نے اس کا استعمال فرمایا جیسے قیام لیلۃ القدر میں جب انسان عبادت میں محو ہو جاتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہے تو ایک جہت سے اس کو ذہول ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری یہ عبادت و طاعت بنفسہٖ ہے اور اس وقت وہ یہ محسوس نہیں کرتا کہ اس طاعت کی توفیق بھی خدا نے ہی دی ہے تو ایسے موقع پر اس کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ نیت میں ازدیاد پیدا کرے اور خلوص کو اور زیادہ بڑھائے تا کہ اجر میں اضافہ ہو۔

اسی طرح اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا یا نماز کیلئے دور سے چل کر آنا یہ ایسے نیک کام ہیں۔ جن کو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ان کے کرنے سے کیا ثواب ہوگا۔ کیونکہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ بیوی بچوں پر خرچ کرنا ایک طبعی چیز ہے مگر اس موقع پر بھی احتساب کا

لفظ استعمال کیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کام کیا جائے اس میں زیادہ سے زیادہ خلوص ہو۔ چنانچہ حدیث مسند احمد سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ كُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ اِذَا اَشْعَرَ بِهٖ قَلْبَهُ وَحَرَّصَ ۔ (مسند احمد)

جس نے ایک نیکی کی نیت کی تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جب کہ اس کے دل میں اس کا شعور اور حرص ہو۔ (یعنی استحضار نیت)

حدیث ہذا سے واضح ہوا کہ خلوص نیت سے اوپر بھی ایک درجہ ہے جس کو در خلوص سے تعبیر کر لیجیے۔ مغفر کے معنی چھپانے کے ہیں۔ مغفر اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ اس سے سر چھپ جاتا ہے اور آدمی تلوار کی ضرب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ معنی حدیث یہ ہیں کہ جس نے لیلۃ القدر میں اس کے حق ہونے کے اعتقاد کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے عبادت کی تو اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

صراحۃً کسی حدیث میں شب قدر کی تاریخ متعین نہیں فرمائی گئی۔ علماء نے فرمایا کہ اس شب کے اخفاء میں حکمت یہ ہے کہ مسلمان ہر رات اس خیال سے عبادت میں گزاریں کہ شاید یہ ہی رات شب قدر ہو۔ اور اسی طرح عشرہ اخیرہ کی راتیں خصوصیت کے ساتھ عبادت و ریاضت تسبیح و تہلیل میں گزاریں۔ البتہ حضور اکرم ﷺ نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

تحروا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الا خر من رمضان۔

(بخاری)

جس سے اتنا معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں

میں آیا کرتی ہے۔ بعض علماء نے اپنے مشاہدہ و کشف وعلم کے اعتبار سے مختلف تاریخیں بیان کی ہیں مثلاً

سیدالمفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

وہ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہے۔ سورۂ قدر میں اس کی جانب دو طرح اشارہ فرمایا۔ اوّل یہ کہ سورۂ قدر تیس کلموں پر مشتمل ہے۔ ان میں ستائیسواں کلمہ لفظ ہی ہے جو لیلۃ القدر کی تعبیر ہے۔ دوسرے یہ کہ لیلۃ القدر میں نو حروف مکتوبی ہیں اور لفظ لیلۃ القدر کو سورۂ قدر میں تین مرتبہ فرمایا نو کو تین میں ضرب دینے سے ستائیس حاصل ہوئے۔

۱) ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ رمضان المبارک میں ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر رمضان کی آخری دس تاریخوں میں۔ حضرت ابوالحسن علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب سے بالغ ہوا ہوں۔ رمضان میں شب قدر پاتا ہوں۔ میرا تجربہ ہے کہ اگر پہلی تاریخ رمضان المبارک کی اتوار یا بدھ کو ہوتی ہے تو شب قدر انتیسویں رات کو ہوتی ہے اور جب پیر کی پہلی ہوتی ہے تو اکیسویں شب کو شب قدر ہوتی ہے اور جمعہ یا منگل کی پہلی ہو تو ستائیسویں رات کو شب قدر ہوتی ہے اور جب جمعرات کی پہلی ہوتی ہے تو پچیسویں کو لیلۃ القدر ہوتی ہے اور جب ہفتہ کی پہلی ہوتی ہے تو تیسویں شب کو لیلۃ القدر ہوتی ہے...... مگر ظاہر ہے کہ شب قدر کی تاریخ سے متعلق بزرگوں سے جو کچھ منقول ہے وہ ظن و تخمین کے درجہ میں ہے۔ کوئی حتمی اور قطعی بات نہیں ہے۔ اگر اس مقدس رات کی تلاش میں رمضان کے عشرہ اخیرہ کی تمام راتوں میں شب بیداری کی جائے تو کچھ عجب نہیں کہ وہ رحمٰن و رحیم خدا اس عشرہ کی برکت سے ہر رات کی عبادت کا ثواب شب قدر کے برابر ہی عطا فرمائے۔ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔

ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

۲) شب قدر میں عبادت کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ احادیث صحاح میں تو یہ ہی ہے کہ رات کو قیام کرو۔ یعنی نوافل پڑھے جائیں۔ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اگر میں شب قدر کو جان لوں تو اس رات میں کیا پڑھوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ یہ وظیفہ پڑھا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

ویسے بزرگان دین و صلحائے امت سے ذکر اور نوافل کے متعدد طریقے منقول ہیں۔ مثلاً امام ابواللیث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شب قدر کی نماز تین قسم پر ہے۔ اقل، اوسط، اکثر: اقل دو رکعتیں اوسط سو رکعتیں، اکثر ایک ہزار رکعت۔ جو قسم چاہے اختیار کرے۔ ہر رکعت میں سورہ الحمد شریف کے بعد سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ ایک مرتبہ اور سورہ قل ھو اللہ تین مرتبہ پڑھے اور ہر رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد بارگاہ رسالت ﷺ میں ہدیہ درود پیش کرے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس شب میں چار رکعت اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورہ الحمد شریف کے بعد سورہ الھاکم التکاثر ایک مرتبہ اور سورہ قل ھو اللہ تین مرتبہ پڑھے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر میں نماز عشا سات مرتبہ سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بلاؤں سے محفوظ رکھے گا اور ستر ہزار فرشتے اس کیلئے جنت کی دعا کریں گے اور جو شخص جمعہ کے دن نماز سے پہلے اس کو تین مرتبہ پڑھے گا تو اس کے نامۂ اعمال سے ان لوگوں کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی۔ جنہوں نے اس دن نماز جمعہ ادا کی۔ اس سے مقصد ان بزرگان دین کا یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت اس رات میں ذکر الٰہی میں مشغول و مصروف رہے۔ خواہ مذکورہ بالا نماز ادا کرے خواہ درود شریف یا تسبیح یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ یا تہلیل یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا تکبیر یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرُ یا استغفار یعنی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ

الْعَظِیْمِ جب تک ممکن ہو پڑھتا رہے۔

۳) سورۂ قدر میں شب قدر کے مندرجہ ذیل خصائص کا بیان ہے۔

ا) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔

بیشک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا یعنی قرآن مجید کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف یکبارگی اس شب میں اتارا۔

ب) لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔

شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی شب قدر میں نیک عمل کرنا ہزار راتوں کے عمل سے بہتر ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جس نے اس رات میں ایمان و اخلاص کے ساتھ شب بیداری کی۔ اللہ تعالیٰ اس کے سال بھر کے گناہ بخش دیتا ہے۔ (مسلم شریف)

نیز حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُمت سابقہ کے ایک صالح شخص کا ذکر فرمایا جو تمام رات عبادت کرتا تھا اور تمام دن جہاد میں مصروف رہتا تھا۔ اس طرح اس نے ہزار مہینے گزارے تھے۔ مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو شب قدر عطا فرمائی اور یہ آیت نازل کی کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (ابن جریر عن طریق مجاہد) یہ حضور علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے امتی شب قدر کی ایک رات عبادت میں گزاریں تو ان کا ثواب پچھلی امت کے ہزار ماہ عبادت کرنے والوں سے زیادہ ہو۔

ج) تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا۔

اس میں فرشتے اور جبریل علیہ السلام اترتے ہیں۔ اپنے رب کے حکم سے ہر کام کیلئے اور سلامتی ہے صبح چمکنے تک۔ یعنی اس رات زمین پر جو بندہ کھڑا یا بیٹھا عبادت الٰہی میں مشغول ہو تو فرشتے اس کو سلام کرتے ہیں اور اس کے حق میں دعا و استغفار

کرتے ہیں۔ بیہقی شریف کی حدیث میں ہے کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل امین علیہ السلام ملائکہ کی جماعت کے ساتھ اترتے ہیں۔

یُصَلُّوْنَ عَلٰی كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ مُّذَكِّرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ (بیہقی)

تو ہر قیام وقعود کرنے والے بندے کیلئے جو ذکر و عبادت الٰہی میں مشغول ہو دعا کرتے ہیں۔

د) مِنْ كُلِّ اَمْرٍ یعنی اس شب میں سال بھر کے احکام نافذ کئے جاتے ہیں اور ملائکہ کو سال بھر کے وظائف وخدمات پر مامور کیا جاتا ہے۔

فَرُفِعَتْ وَعَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ خَیْرًا لَّكُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِی السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالْخَمْسِ۔ (بخاری)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ شب قدر کی اطلاع دینے کیلئے باہر تشریف لائے اتنے میں دو مسلمان جھگڑنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں شب قدر کی تاریخ بتانے آیا تھا لیکن فلاں فلاں جھگڑ رہے تھے۔ اس لئے وہ اٹھالی گئی اور شاید لیلۃ القدر کی تاریخ کا اٹھالیا جانا تمہارے لئے بہتر ہو۔ اب تم لیلۃ القدر کو رمضان کی ۲۵، ۲۷، ۲۹ تاریخ کو تلاش کرو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ جناب عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کے قرض دار تھے۔ اس قرض کے مطالبہ میں ان کے درمیان جھگڑا ہوا اور ان کی آوازیں حضور علیہ السلام کی موجودگی میں بلند ہوگئیں۔ جس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس لئے تشریف لایا تھا کہ تم کو شب قدر کی تاریخ بتاؤں مگر تمہارے جھگڑنے اور آواز بلند کرنے کی وجہ سے شب قدر اٹھالی گئی یعنی اب اس کی تاریخ کے بتانے سے مجھے روک دیا گیا۔ رُفِعَتْ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اب رمضان کے مہینے میں شب قدر کے وجود کو ہی ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا تو پھر حضور علیہ السلام یہ نہ فرماتے کہ اب تم رمضان کی

۲۵، ۲۷، ۲۹ تاریخ کو شب قدر تلاش کرو۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ اس کی صحیح تاریخ اٹھالی گئی۔

۴) حضرت کعب رضی اللہ عنہ اپنے قرض کے سلسلہ میں جھگڑے تھے اور ظاہر ہے کہ اپنے حق کی وصولی کیلئے جھگڑنا بلکہ مسجد میں جھگڑنا کوئی بری بات نہ تھی مگر چونکہ بحضور نبوی علیہ السلام وہ جھگڑے اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں جو اگر چہ بے اختیار بلند ہوئیں مگر پھر بھی یہ امر اللہ رب العزت کو ناگوار گزرا اور ان کے جھگڑنے کی وجہ سے شب قدر اٹھا لی گئی۔ مگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نے اس موقع پر بھی ساتھ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ گو تمہارے جھگڑنے کی وجہ سے تاریخ تو اٹھالی گئی ہے مگر شب قدر کی تاریخ کا اٹھ جانا یہ بھی تمہارے لئے خیر ہے اور خیر اس لئے ہے کہ اب جب کہ تمہیں اصل تاریخ معلوم نہیں ہے تو رمضان کی ان تاریخوں میں ضرور قیام کرو گے اور اس کی تلاش کی کوشش کرو گے پھر اگر واقعی شب قدر کو پالو گے تو اس نعمت عظمیٰ کو حاصل کر لو گے اور اس کے ساتھ ساتھ شب قدر کی تلاش میں جو وقت صرف ہوا ہے اور شب قدر کے پانے کیلئے ہر رات میں جو عبادتیں کی ہیں ان کا اجر علیحدہ مل جائے گا۔ (واللہ واسع علیم)

❀ حضرت معرور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور ان کا غلام دونوں ایک جیسا لباس پہنے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے عام طور پر غلام اور آقا کا لباس ایک جیسا نہیں ہوتا۔ اس پر میں نے اس کی وجہ پوچھی تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غلاموں سے اچھا سلوک کرو جو خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ جو خود پہنو ان کو بھی پہناؤ۔

❀ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ دیا "او کالی عورت کے بچے" جس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شکایت کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میں جاہلیت کی یہ خصلت اب تک باقی ہے یعنی اسلام میں

کالا گورا ہونا کوئی فضیلت کی بات نہیں۔ افضل و اعلیٰ وہ ہے جس میں تقویٰ پایا جاتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے دراصل یہ لفظ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس وقت کہے تھے جب کہ آپ رضی اللہ عنہ کو گالی دینے کی حرمت کا علم نہ تھا۔ ورنہ ان کا ورع و تقویٰ زہد و عبادت مسلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرمائی تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ میں اپنا رخسار زمین پر رکھتا ہوں اور اس وقت نہیں اٹھاؤں گا۔ جب تک تم میرے رخساروں کو اپنے قدموں سے نہ روند دو۔ ابن بلقن کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے منہ پر رکھ دیا۔ تب جا کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو تسکین ہوئی۔ (قسطلانی)





ماہ رمضان المبارک کی چند یادگار تاریخیں

۳ رمضان المبارک ۱۱ ہجری

خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے انتقال کی تاریخ ہے۔ آپ سرور عالم ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ ماں کا نام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نبوت سے ایک سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادوں میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما بہت بلند پایہ امام ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی اور فرماتے تھے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے گوشت کا ٹکڑا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ کی وفات کا بہت بڑا رنج تھا۔ آخر اسی غم میں بیمار رہنے لگیں اور پھر ۳ رمضان المبارک ۱۱ ہجری میں وفات پاگئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے غسل دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور عشاء کی نماز کے بعد جنت البقیع میں دفن کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے بعد جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ نیک اور سچا کسی کو نہیں پایا۔

۱۰ رمضان المبارک ۱۰ نبوت

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی تاریخ ہے۔ خاندان قریش کی بہت پارسا اور مالدار خاتون تھیں ۴۰ سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ سے شادی کی۔ اعلان نبوت کے پہلے دن مسلمان ہوگئیں اور دنیا میں سب سے پہلی مسلمان خاتون

ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد آپ رضی اللہ عنہا ہی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ صرف حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں اور مال کو بے دریغ اشاعت اسلام میں خرچ کرتی تھیں۔ نکاح ابو طالب رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا اور ۵۰۰ درہم مہر آنحضرت ﷺ کی طرف سے ادا کیے تھے۔ انتقال سے قبل وصیت کی تھی کہ آنحضرت ﷺ میرے کفن سے اپنا کرتہ لپیٹ دیں تاکہ آخرت میں سکون حاصل ہو۔ ۶۵ سال کی عمر میں ۱۰ رمضان المبارک ۱۰ نبوت میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے قبر میں اتارا۔ نماز جنازہ ابھی تک فرض نہیں ہوئی تھی۔

۱۷ رمضان المبارک غزوۂ بدر

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں ہر سال میلا ہوتا ہے۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے قریباً اسی میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضور سید عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے ہمراہیوں نے جب ہجرت فرمائی تو قریش نے ہجرت کے ساتھ ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ اسی اثناء میں یہ غلط خبر مکہ معظمہ میں پھیل گئی تھی کہ مسلمان قافلہ کو لوٹنے آرہے ہیں اور اس پر مزید کہ حضرمی قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آگیا جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔ حضور ﷺ کو جب ان حالات کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جمع کیا اور امر واقع کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں جان نثارانہ تقریریں کیں۔

حضرت سعد بن عباد رضی اللہ عنہ (سردار خزرج) نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم آپ اگر فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپ ﷺ کے داہنے سے بائیں سامنے سے پیچھے لڑیں گے۔ صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم اجمعین ان پرخلوص جملوں سے حضور سیّد عالم ﷺ کا چہرۂ اقدس چمک اٹھا۔

۱۲ رمضان المبارک ۲ ہجری

۱۲ رمضان المبارک کو آپ ﷺ تقریباً تین سو جاں نثاروں کے ساتھ شہر سے روانہ ہوئے۔ ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا تو جو کم عمر تھے انہیں واپس فرمایا۔ حضرت عمیر ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک کمسن بچہ تھے۔ ان سے واپسی کیلئے کہا گیا تو وہ رو پڑے حضور ﷺ نے یہ دیکھ کر انہیں شامل جہاد رہنے کی اجازت دے دی۔ عمیر رضی اللہ عنہ کے بعد سعد رضی اللہ عنہ نے کمسن سپاہی کے گلے میں تلوار حمائل کی اور اب فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے اور ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری سہ شنبہ کو اللہ تعالیٰ کے دین کے ان سپاہیوں نے بدر کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ ادھر مکہ معظمہ سے قریش بڑے ساز و سامان سے نکلے۔

۱) ہزار آدمیوں کی جمعیت تھی۔

۲) سو سواروں کا رسالہ تھا۔

۳) روسائے قریش سب شریک تھے۔

۴) امرائے قریش باری باری ہر روز دس اونٹ ذبح کرتے تھے اور عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔

۵) قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے اس لئے انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

اس کے خلاف

مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں نہ تھا۔ زمین ایسی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں دھنس جاتے تھے۔ اور تائید ایزدی سے مینہ برس گیا جس سے گرد جم گئی اور صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم اجمعین نے جا بجا پانی روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لئے تاکہ وضو اور غسل کے کام آ سکیں۔ قرآن کریم نے اس قدرتی احسان کا یوں ذکر فرمایا۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ۔

ترجمہ اور جب کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے۔

پانی پر اگرچہ قبضہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن ساقی کوثر ﷺ کا فیض عام تھا۔ اس لئے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی۔ یہ رات کا وقت تھا۔ تھکے ہوئے مسلمان فوجیوں نے کمریں کھول کر رات بھر آرام کیا۔ لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبی ﷺ) جو صبح تک بیدار اور مصروف دعا رہی۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز فجر کیلئے جگایا اور بعد از نماز جہاد پر خطبہ ارشاد فرمایا:

صبح ہوتے ہی آپ ﷺ نے صف آرائی شروع فرمائی۔ دست اقدس میں ایک تیر تھا اس کے اشارہ سے صفیں قائم فرماتے۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو۔ خزرج کے علمبردار حباب بن منذر رضی اللہ عنہ اور اوس کے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مقرر فرمائے۔ اب دو صفیں آمنے سامنے مقابل تھیں۔ حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام کی۔ قرآن کریم نے اعلان کیا۔

فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ۔

(جو لوگ باہم لڑے ان میں تمہارے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں) ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا منکر خدا تھا۔

یہ عجیب منظر تھا کہ اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے تھے۔

”خدایا اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا“۔

لڑائی کا منظر

یہ معرکۂ ایثار و جاں نثاری کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ دونوں فوجیں سامنے آئیں تو ان کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے ان کی تلواروں کے سامنے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جواب تک کافر تھے میدان جنگ میں بڑھے۔ تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر آگے نکلے۔

عتبہ میدان میں آیا تو عتبہ کے فرزند حذیفہ مقابلہ کو نکلے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی۔ سب سے پہلے عتبہ نے میدان جنگ میں مبارزطلبی کی تو حضرت حمزہ و عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میدان میں آئے۔ عتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے اور ولید رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابل ہوا۔

سعد بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبیدہ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ میں نکلے۔ تاک کر اس کی آنکھ میں برچھی ماری۔ وہ زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔

اب عام حملہ شروع ہوگیا۔ مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے لیکن حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سربسجدہ رب العزت پر بھروسہ فرمائے ہوئے تھے۔

ابوجہل۔ معاذ و معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں مارا گیا اور عتبہ ابوجہل کے مارے جانے پر قریش کا پائے ثبات اکھڑ گیا اور فوج مشرکین میں بے دلی چھا گئی۔ خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شخصوں نے شہادت پائی جن میں چھ مہاجر اور باقی انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی طاقت ٹوٹ گئی۔ روسا قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے۔

خصوصیات

یہ کفر و اسلام کی پہلی جنگ تھی اور اس کی اہمیت کا یہ عالم تھا کہ خود رب العزت

نے اس کا تذکرہ قرآن کریم میں فرمایا اور تین ہزار فرشتے آسمانوں سے مسلمانوں کی حمایت و نصرت کیلئے نازل فرمائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ فرشتے ہمیں نظر نہ آتے تھے مگر ان کے افعال نمایاں تھے۔ کہیں کسی مشرک کے منہ اور ناک پر کوڑے کی ضرب کا نشان پایا جاتا تھا اور کہیں بے تلوار سر کٹتا نظر آتا تھا۔ جنگ بدر دراصل یوم فرقان تھا کہ کفر و اسلام میں فرق ہوگیا اور اللہ عزوجل نے ضعف کے باوجود مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ چنانچہ اس نعمت کو یوں بیان فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔

اللہ نے بدر کی لڑائی میں تمہاری مدد کی حالانکہ تم کمزور تھے۔

اہل بدر کے فضائل میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جنت مقرر فرمادی ہے۔ (حدیث)

اس لڑائی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ خلوص وللّٰہیت کے ساتھ کلمۂ حق کی بلندی کیلئے میدان عمل میں نکلا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ نصرت حق ہمارے شامل حال نہ ہو۔

آج بھی ہو گر ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

۱۷ رمضان المبارک ۵۷ ہجری

یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی تاریخ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ تھیں۔ شوال ۲ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۹ سال رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا بڑی زبردست عالمۂ فقیہہ اور فاضلہ تھیں۔ اشعار سے بڑی دلچسپی رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بہت کثرت سے احادیث بیان کی ہیں۔ بڑے بڑے صحابی آپ رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ آپ

رضی اللہ عنہا نے منگل کی رات ۵۷ ہجری میں انتقال فرمایا۔ بقیع شریف میں مزار ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ تھا اور مروان مدینہ کا گورنر تھا۔

۱۸ رمضان المبارک ۴۰ ہجری

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے وصال کی تاریخ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ ۳۲ ولادت نبوی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے اور سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہ سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ بھی سچے جانثار تھے۔ ہجرت کی رات کو بستر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لیٹ کر آپ رضی اللہ عنہ نے عدیم المثال محبت کا ثبوت دیا۔ تمام جہادوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے جو یادگار رہیں گے۔ خیبر کی فتح کا سہرا آپ رضی اللہ عنہ ہی کے سر پر بندھا۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے والد محترم ہیں۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ ہوئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو دو مرتبہ ان سے جنگ کرنی پڑی۔ پہلی لڑائی جمل میں جو ۳۶ ہجری میں ہوئی۔ دوسری جنگ صفین سے جو ۳۷ ہجری میں ہوئی۔ خارجیوں کی مخالفت کو آپ رضی اللہ عنہ نے بہت دبایا اور پھر ایک خارجی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ کوفہ کو جامع مسجد میں ۱۸ رمضان کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے خنجر سے حملہ کر کے سخت زخمی کر دیا۔ ۲ دن کے بعد ۲۱ رمضان المبارک کو وفات پا گئے۔ صاحبزادوں نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی مدد سے غسل دیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور نجف اشرف میں سپرد خاک کیا۔



رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح ہی مسنون ہیں

"صحابہ وتابعین کرام وخلفائے راشدین وآئمہ اربعہ سیدنا امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی وحضور غوث اعظم امام نووی وشیخ عبدالحق محدث دہلوی ومحدثین ومفسرین رضی اللہ عنہم اجمعین سب کا یہی مذہب ہے کہ رمضان المبارک میں بیس تراویح ہی مسنون ہیں"۔

تراویح ترویحہ کی جمع ہے۔ ترویحہ ہر چار رکعت کے بعد آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ لفظ جمع کا اطلاق مافوق الاثنین پر ہوتا ہے۔ لفظ تراویح کی حیثیت الحدیث کے اصول آٹھ رکعت کو باطل کرتی ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ آٹھ رکعت کو ترویحتین کے لفظ تثنیہ سے استعمال کیا کریں۔ کیونکہ ترویحتین کے معنی آٹھ رکعت کے ہو سکتے ہیں۔ لفظ تراویح مذہب حقہ اہلسنت وجماعت کے اصول بیس رکعت کی تائید کرتا ہے۔ یہ لفظ تراویح کی تشریح تھی۔ اب وہ احادیث ملاحظہ فرمائیے جن سے بیس رکعت تراویح کا بصراحت ثبوت ملتا ہے۔

پہلی حدیث

عَنْ سَائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔ (الخ)

سائب صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان رمضان شریف میں بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔ (بیہقی سنن کبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶)

دوسری حدیث

عَنْ یَزِیْدِ بْنِ رُوْمَانَ اَنَّہٗ قَالَ کَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِیْ رَمَضَانَ بِثَلٰثٍ وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔ (رواہ مالک)

یزید ابن رومان فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ وتابعین) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیئیس رکعت، تراویح مع وتر پڑھتے تھے۔ اس کو امام مالک رضی اللہ عنہ نے موطا میں اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں بیان فرمایا ہے۔

تیسری حدیث

عَنْ یَحْیٰی بْنِ سَعِیْدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ رَجُلًا لِیُصَلِّیَ بِھِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔ (رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ)

یحییٰ ابن سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

چوتھی حدیث

عَنْ زَیْدِ بْنِ وَھْبٍ قَالَ کَانَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ یُصَلِّیْ لَنَا فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ فَیَنْصَرِفُ وَعَلَیْہِ لَیْلٌ قَالَ الْاَعْمَشُ کَانَ یُصَلِّیْ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَیُوْتِرُ بِثَلٰثٍ۔ (عینی شرح بخاری)

زید بن وہب کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان المبارک میں ہمیں نماز پڑھا کر نکلتے تو ابھی رات باقی ہوتی۔ اعمش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

پانچویں حدیث

قَالَ الْعَطَا تَابِعِیْ اَوْ رَکَعْتُ النَّاسَ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ ثَلٰثًا وَّعِشْرِیْنَ

رَکْعَۃً بِالْوِتْرِ۔ (رواہ ابن ابی شیبہ)

عطا تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیئیس رکعت تراویح مع وتر پڑھتے پایا۔

چھٹی حدیث

عَنْ عُمَرَ اَنَّہٗ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ فَکَانَ یُصَلِّیْ بِھِمْ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔ (مصابیح وغیرہ)

وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح رمضان شریف میں پڑھاتے تھے۔

ساتویں حدیث

دَعَا الْقُرَّاءَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ رَجُلًا مِّنْھُمْ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَکَانَ یُصَلِّیْ یُوْتِرُ بِھِمْ اَنَّا عَلِیًّا۔ (ابن تیمیہ منہاج السنۃ ج۲ ص۳۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ہر ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ان کو وتر پڑھاتے تھے۔

آٹھویں حدیث

رَوَی الْحَارِثُ بْنُ اَبِیْ ذُبَابٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کَانَ الْقِیَامُ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔ (عینی شرح بخاری ص۳۵۷ ج۵)

حضرت سائب صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قیام (تراویح) تیئیس رکعت ہوتا تھا۔ (بیس تراویح اور تین وتر)

نویں حدیث

عَنْ سَائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً مَاالْوِتْرِ۔ (معرفت السنن للبیہقی)

سائب صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہم بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔

دسویں حدیث

کَانَ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ فِیْ رَمَضَانَ بِالْمَدِیْنَۃِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَیُوْتِرُ بِثَلٰثٍ۔ (آثار السنن ص ۵۵)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو رمضان شریف میں بیس رکعت (تراویح) مدینہ منورہ میں پڑھایا کرتے تھے اور تین رکعت وتر۔

سرکار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی حکم

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ عَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ۔ (الخ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری سنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقۂ عمل کو لازم پکڑو اور اس پر دانتوں کے کیلے جمادو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اتباع اور پیروی میری اتباع اور پیروی ہے۔

چاروں امام بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

امام اعظم، امام شافعی، امام مالک و امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اگر آٹھ رکعت تراویح کا کہیں ثبوت ہوتا تو ان میں سے کوئی ایک ہی پڑھتا۔ نہ آٹھ تراویح کا کہیں ثبوت۔ ہے اور نہ ہی انہوں نے پڑھیں۔

چنانچہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَمِنْ ذٰلِکَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَالشَّافِعِیِّ وَاَحْمَدَ اِنَّ صَلٰوۃَ التَّرَاوِیْحِ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً وَاَنَّا فِی الْجَمَاعَۃِ اَفْضَلُ مَعَ قَوْلِ مَالِکٍ فِیْ اِحْدَی الرِّوَایَاتِ عَنْہُ سِتَّۃٌ وَّثَلَاثُوْنَ رَکْعَۃً۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بیس رکعت تراویح ادا فرماتے ہیں اور جماعت کے ساتھ افضل کہتے ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت میں چھتیس رکعت فرماتے ہیں۔

خلاصہ بیس رکعت تراویح سے کم کسی امام کا بھی مذہب نہ ہوا۔ بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھتیس ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح مسلم شریف کا فیصلہ

اِعْلَمْ اَنَّ صَلٰوۃَ التَّرَاوِیْحِ سُنَّۃٌ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ وَھِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً۔
(کتاب الاذکار ص ۸۳)

نماز تراویح عرب و عجم کے علماء کے اتفاق سے بیس رکعت ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

وَالَّذِیْ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلَیْہِ وَاشْتَھَرَ مِنَ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ وَمَنْ بَعْدَھُمْ اَجْمَعِیْنَ ھُوَ الْعِشْرُوْنَ رَکْعَۃً مِنَ الصَّدْرِ الْاَوَّلِ اِلَی الْاٰنَ۔
(ماثبت بالسنۃ)

صدر اول سے لے کر آج تک بیس رکعت تراویح پر ہی صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

اَلثَّالِثَۃُ التَّرَاوِیْحُ وَھِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً وَکَیْفِیَّتُھَا مَشْھُوْرَۃٌ وَھِیَ

سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ۔ (احیاء العلوم ج ا ص ۱۳۹)

بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہیں۔

حضرت پیر سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

صَلٰوةُ التَّرَاوِيحِ سُنَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً۔

نماز تراویح رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور وہ ہے بیس رکعت۔

(غنیۃ الطالبین)

مقام انصاف

حضرت امیر المومنین اور دیگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور آئمہ اربعہ امام غزالی، غوث الاعظم، امام نووی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان سب کے نزدیک بیس رکعت تراویح ہی مسنون ہیں۔

الغرض صحابہ وتابعین وخلفائے راشدین وآئمہ اربعہ امام شافعی، مالکی، حنبلی، حنفی، حضور غوث الاعظم امام نووی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ عنہم اجمعین ان سب کے نزدیک بیس رکعت تراویح ہی مسنون ہیں۔





عید کا شرعی پروگرام

عید کا چاند

جب آپ کو عید کا چاند نظر آئے تو پہلے تین بار اللہ اکبر کہیے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھیے۔

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ۔

ترجمہ: اے اللہ اس چاند کو ہم پر اس طرح طالع رکھیو کہ ہم آفات نفس اور حوادث دہر سے امن وامان میں رہیں اور سلامتی ایمان وقلب اور پابندی احکام الٰہی کے ساتھ زندہ رہیں۔ اے چاند تجھ کو وجود سے عدم میں لا کر زندہ رکھنے والا صرف اللہ ہے"۔

چاند دیکھنے کے بعد مغرب کی نماز اسی جذبہ اور اخلاص کے ساتھ ادا کیجئے۔ جس طرح کہ رمضان المبارک میں ادا کرتے تھے۔ پھر عشاء کی نماز پڑھ کر نبی اکرم ﷺ پر درود وصلوٰۃ پڑھتے ہوئے سو جائیے۔ صبح اٹھئے اور فجر کی نماز با جماعت ادا کیجئے۔

عید کی سنتیں

عید کے دن غسل، مسواک کرنا، عمدہ قسم کی خوشبو لگانا، نفیس ترین کپڑے پہننا۔ عید کو پا پیادہ جانا۔ ایک راستے سے جانا دوسرے راستے سے واپس آنا۔ عید الفطر میں عید گاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا سنت ہے۔ عید کے دن صدقہ کی کثرت کرنا، عزیز واقربا، دوست واحباب سے ملنا، مبارکباد دینا، خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا، مصافحہ

کرنا اور راستہ میں۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

جمعہ وعیدین دونوں کی صحت اور ادائیگی کی شرطیں ایک ہیں مگر فرق یہ ہے کہ جمعہ میں خطبہ فرض ہے اور نماز جمعہ سے قبل پڑھا جاتا ہے۔

عید کا خطبہ سنت اور نماز عید کا بعد پڑھا جاتا ہے۔ عید کا خطبہ تمام نمازیوں کو اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر سننا چاہیے اور جن کو خطبہ کی آواز نہ پہنچے وہ بھی خاموش بیٹھے رہیں۔ ان کو بھی خطبہ کا ثواب مل جائے گا۔

فائدہ

نماز عید واجب ہے اور اس کا حکم ۱ ہجری میں جاری ہوا تھا۔

عید کی نماز

عید کی ہر دو رکعت نماز عاقل بالغ مقیم تندرست پر شہر میں واجب ہے۔ گاؤں میں جمعہ اور عید کی نمازیں جائز نہیں لیکن وہ بڑے گاؤں یعنی قصبے جو شہر کا حکم رکھتے ہیں ان میں جمعہ وعیدین دونوں جائز ہیں۔

نماز عید کا وقت

عید کی نماز کا وقت آفتاب کے بقدر نیزہ بلند ہونے سے زوال تک ہے۔ اگر نماز پڑھنے میں زوال کا وقت آ گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز عید کے پڑھنے کا طریقہ

دو رکعت واجب عید الفطر کی نیت کر کے کانوں تک ہاتھ اٹھا لے اور اللہ اکبر

کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔ پھر سبحانک اللّٰھم پڑھے پھر کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر چھوڑ دے۔ پھر ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر چھوڑ دے۔ پھر ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر باندھ لے۔ یعنی پہلی تکبیر میں ہاتھ باندھے اس کے بعد دو تکبیروں میں ہاتھ لٹکائے۔ پھر چوتھی تکبیر میں ہاتھ باندھ لے۔ اس کو یوں یاد رکھے کہ جہاں تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا ہے وہاں ہاتھ باندھ لئے جائیں اور جہاں پڑھنا نہیں وہاں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں۔ پھر امام اعوذ اور بسم اللہ آہستہ پڑھ کر جہر کے ساتھ الحمد شریف اور کوئی سورۃ پڑھے۔ پھر رکوع کیا جائے۔

دوسری رکعت میں پہلے الحمد شریف اور سورۃ پڑھے پھر تین بار کان تک ہاتھ لے جا کر اللہ اکبر کہے اور ہاتھ نہ باندھے اور چوتھی بار بغیر ہاتھ اٹھائے اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ عید میں زائد تکبیریں چھ ہوئیں۔ تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور تکبیر تحریمہ کے بعد اور تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیر رکوع سے پہلے اور ان چھ تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان تین تسبیح کے برابر سکتہ کیا جائے۔

صدقہ فطر

ہر ایسے مسلمان پر جو حاجت اصلیہ سے فاضل نصاب کے برابر مال کا مالک ہے اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے جن کا نان ونفقہ اس کے ذمہ ہے دینا واجب ہے۔

صدقہ فطر کی مقدار ۲ سیر تین چھٹانک گندم ہے گندم کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ اس کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے۔ (۲) نابالغ اور مجنون مالک نصاب پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔ ان کا سرپرست ان کے مال سے ادا کرے۔ (۳) صدقہ فطر ادا کرنے سے روزہ میں جو خلل واقع ہوا اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ (۴) عورت مالک

نصاب ہو تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔ (۵) جس نے روزہ نہ رکھا یا جو بوجہ بیماری روزہ نہ رکھ سکے ان پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔ (۶) عید کے دن صبح صادق طلوع ہوتے ہی صدقہ فطر واجب ہو جاتا ہے۔ (۷) نماز عید سے قبل صدقہ فطر ادا کر دینا مستحب ہے۔ (۸) روز عید سے پہلے بھی صدقہ فطر دے سکتے ہیں۔

شوال کے روزے

ماہ شوال میں چھ دن روزے رکھے جاتے ہیں جن کو لوگ شش عید کے روزے رکھتے ہیں۔ ان روزوں کے متعلق سرور کائنات افضل موجودات ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے رمضان کے روزے رکھے۔ پھر اس کے بعد چھ دن شوال کے روزے رکھے تو وہ گناہوں سے ایسے نکل گیا جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ (معجم اوسط) بہتر یہ ہے کہ یہ روزے متفرق رکھے جائیں اور عید کے بعد لگا تار چھ دن میں ایک ساتھ رکھ لئے جب بھی حرج نہیں۔

ایک نیکی کا ثواب

آدمی جس قدر خلوص وللّٰہیت سے نیک کام کرتا ہے اللہ عزوجل اسی کے مطابق اس کا اجر عطا فرماتا ہے اور یہ بات صرف احادیث ہی سے ثابت نہیں بلکہ قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جو اللہ تعالیٰ کے حضور ایک نیکی لے کر آئے گا اس کیلئے دس گناہ جر ہے اور جو بدی لے کر آئے گا تو اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا ہے۔ (سورہ انعام) سورہ نساء میں فرمایا وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دو چند کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے ظاہر ہے کہ نیکی سے کوئی خاص نیکی مراد نہیں بلکہ اس کو مطلق رکھا

گیا ہے کہ کم سے کم درجہ کی نیکی کا ثواب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دگنا عطا فرماتا ہے بلکہ اتنا عطا فرماتا ہے کہ بندے کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر حیرانی کا اظہار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ رب کریم ہے اس کے اختیار میں ہے کہ اپنے بندوں کو جس نیکی کا چاہے ثواب عظیم عطا فرمائے۔

انہیں آیات کی توضیح میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمَائَةِ ضِعْفٍ۔ (بخاری)

ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں لکھی جائیں گی سات سو نیکیوں تک بلکہ اس سے بھی دو چند۔

امام لغت جوہری نے کہا کہ ضعف کے معنی مثل کے ہیں ضعف الشی مثله لیکن ازہری کہتے ہیں۔ ضعف کے معنی کم از کم دگنے کے ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے یعنی دگنا۔ سہ گنا۔ چار گنا۔ اسی لئے قرآن حکیم میں آیا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا یہاں ضعف سے مراد ضعاف ہے تو معلوم ہوا کہ کم از کم ضعف کے معنی دگنے کے ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔



عیدالضحیٰ کی قربانی

عیدالضحیٰ کی قربانی ایک ایسی عبادت ہے جو بلا کسی اختلاف کے تیرہ سو برس سے جاری ہے اور مسلمان ہر سال عید کے موقع پر اس فریضہ کو ادا کرتے چلے آئے ہیں مگر اب چند سالوں سے منکرین سنت نے یہ پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے کہ مروجہ قربانی خلاف قرآن کریم ہے اور اسلام میں اس کی ادائیگی کا سرے سے کوئی حکم ہی نہیں ہے۔ چنانچہ ان کے اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱) قرآن میں عیدالضحیٰ کی قربانی کا کہیں حکم نہیں ہے۔ اس لئے ہر جگہ عید کے دن قربانی کرنا خلاف قرآن ہے۔

۲) قرآن میں صرف حج کے موقع پر اور وہ بھی مکہ میں قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے ہر جگہ قربانی کرنا ایک ایسی رسم ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۳) قربانی ایک فضول رسم ہے جو روپیہ قربانی پر ضائع کیا جاتا ہے اس کو قومی کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔

چونکہ عوام کا ان کے پراپیگنڈا سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اس لئے آج کی مجلس میں ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کو بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

قربانی کا پس منظر

مسئلہ قربانی پر غور کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ظہور اسلام سے قبل یہ

دنیا شرک وکفر کی تاریکی میں گم تھی۔ حجر وشجر، چاند اور سورج گھر گھر خدائی کر رہے تھے اور پرستش وبندگی کے جتنے طریقے اللہ تعالیٰ کیلئے ہو سکتے ہیں۔ وہ سب معبودانِ باطل کیلئے مخصوص ہو گئے تھے۔ مشرکین نے مالی وبدنی عبادتیں بتوں کیلئے مقرر کر لی تھیں۔ جس میں سجدہ اور قربانی کو بڑی نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ مشرکین بتوں کو سجدہ کرتے تھے اور معبودانِ باطل کے اصنام اور ہیکلوں پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔

دین اسلام جس کی بناء خالص توحید پر ہے۔ جب وہ آیا تو اس نے شرک وکفر کو بیخ وبن سے اکھاڑ دینے کیلئے عبادت مالی وبدنی کی تمام صورتوں کا رخ غیر اللہ سے پھیر کر صرف ایک اللہ کی طرف کر دیا اور توحید خالص کے قیام کیلئے پرستش وبندگی کی جتنی صورتیں خدا کے شایانِ شان تھیں۔ ان کو صرف خدا کیلئے مخصوص کر دیا کیونکہ شرک کو مٹانے اور بت پرستی کو ختم کرنے کیلئے بہترین صورت یہی ہو سکتی تھی کہ جو عبادتیں مختلف شکلوں میں مشرک قوموں میں رائج ہوں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ کیلئے خاص کر دیا جائے۔ کیونکہ اگر ان عبادات کے طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کو بھی غیر اللہ کیلئے باقی رہنے دیا جاتا تو اس طرح توحید خالص کا قیام ناممکن تھا۔

چنانچہ اسلام نے اسی حکمت کے تحت نماز پنجگانہ مقرر کی جو عبادت بدنی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور متعدد شعائر دین کا مجموعہ ہے اور اسی حکمت کے مطابق عبادت مالی کے نمایاں پہلو (معبودانِ باطل کے نام پر جانور ذبح کرنا) کو بتوں سے ہٹا کر خدا کیلئے کر دیا اور ہدایت دی کہ مشرکوں کی نماز، عبادت اور قربانی بتوں کیلئے ہوتی ہے اور مسلمانوں کی ساری مالی وبدنی عبادت صرف خدا کیلئے۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قربانی شرک کی تباہی اور توحید کی بقا کیلئے کتنی ضروری ہے۔

قربانی وہ عظیم الشان عبادت ہے۔ جس کے ذریعہ شرک کی بیخ کنی ہوتی ہے اور

توحید خالص کو دوام حاصل ہوتا ہے اب اگر منکرین سنت کو قربانی کی یہ حکمت الٰہی سمجھ میں نہ آئے تو ان کو اپنے فہم ناقص کا ماتم کرنا چاہیے۔

قرآن میں قربانی کے متعلق ہدایات

دین اسلام کا مقصد وحید یہ ہی ہے کہ توحید خالص کا قیام ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن نے ہمیں جو ہدایات دی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کیلئے رکوع اور سجدہ اور قربانی کرتے ہیں اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سب کام صرف خدا کیلئے کریں۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ''مشرکین جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر نہ کسی کو اس پر سوار ہونے دیتے ہیں اور نہ ان کا گوشت کھانے دیتے ہیں۔ مسلمانوں کو حکم ہوا تم قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ''۔

فَکُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوْا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ''مشرکین اپنے جانوروں کو بتوں کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اور مسلمان ان پر صرف خدا کا نام لیں''۔

فَاذْکُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا۔

اس کے بعد قرآن کریم نے یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی کے گوشت کا محتاج نہیں اور اس کے حضور قربانی کا خون اور گوشت نہیں پہنچتا ہے بلکہ تمہاری خالص نیت پہنچتی ہے۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مشرکین بتوں پر قربانی کا گوشت نہیں کھاتے مگر تم کو اس کے استعمال کی اجازت دی جاتی ہے اور اس لئے کہ خدا کو قربانی کے گوشت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ اس عمل کی روح خلوص نیت کو دیکھتا ہے یعنی قربانی خدا کی ربوبیت و حاکمیت کو تسلیم کرنے کا عملی ثبوت ہے۔

ہر اُمت میں قربانی

قرآن کریم نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ قربانی تمام اُمتوں میں مشروع رہی ہے اور اللہ عزوجل نے ہر نبی کی امت کو قربانی کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَلِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ۔ (الحج)

ترجمہ ''ہم نے ہر امت کیلئے عبادت کا طریقہ مقرر کر دیا کہ وہ ان جانوروں کو اللہ کا نام لے کر ذبح کریں جو ان کو بخشے گئے ہیں''۔

اس آیت سے دو باتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

اول یہ کہ قربانی صرف امت محمدیہ ہی میں نہیں مشروع ہے بلکہ امم سابقہ میں بھی مشروع تھی۔ بلکہ کل کا لفظ تو یہ بتا رہا ہے کہ ہر نبی کی امت کو قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔

دوم قربانی عبادت ہے اور ایسی عبادت ہے جس کا طریقہ خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اب قرآن تو قربانی کو عبادت کہہ رہا ہے اور منکرین سنت اس کو ایک فضول رسم کہتے ہیں۔ یہ آپ فیصلہ کر لیں کہ آپ خدا کی مانیں گے یا ان لوگوں کی؟

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب قربانی کا عبادت ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر امت کو قربانی کرنے کا حکم دیا ہے تو کیا پھر کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ عبادت کا جو طریقہ خود اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔ اس میں تغیر و تبدل کر سکے اور قربانی کے روپوں کے متعلق یہ تجویز پیش کرے کہ اس سے غریبوں کیلئے ہسپتال بنا دیا جائے۔

اگر خدا کی مقرر کردہ حدود میں انسان کو دخل دینے کا حق ہے تو پھر ایک قربانی ہی کیوں نزلہ گرتا ہے۔ حج کو بھی یہ کہہ کر ختم کر دیجئے کہ یہ لاکھوں روپے مسلمان ہر سال ایک رسم کی ادائیگی پر فضول خرچ کر دیتے ہیں کیوں نہ اس رقم سے بھی محتاج خانے بنا

دیئے جائیں۔ اس سلسلہ کو اگر جاری کر دیا جائے تو پھر دین انسان کی لونڈی بن جائے گا اور خدا اور رسول اور قرآن تو صرف لیبل ہی کیلئے رہ جائیں گے۔

مگر! منکرین سنت کو اس کی کیا پرواہ ہے انہیں تو خدا سے زیادہ اپنی چودھراہٹ کا خیال ہے اور یہ ٹولی تو قائم ہی اس لئے ہوئی ہے کہ اسلام کی ایک ایک چیز کو بدل دے۔

قرآن مجید میں قربانی کا حکم

بہر حال قرآن مجید میں قربانی کے جو احکام دیئے گئے ہیں وہ بالکل واضح ہیں اور ان کو ہم تین اقسام پر منقسم کر سکتے ہیں۔ قرآن نے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ احکام بیان کئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

اوّل وہ قربانی جو مناسک حج میں سے ایک خاص منسک ہے جس کے متعلق ارشاد ہے کہ "جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کیلئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کی اور حکم دیا کہ میرا کوئی شریک نہ کر اور میرا گھر ستھرا رکھ طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع اور سجدہ والوں کیلئے اور لوگوں میں حج عام کی ندا کر دے۔ وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں تا کہ وہ اپنا فائدہ پائیں۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ۔

ترجمہ تا کہ ان مخصوص دنوں میں جو انہیں اللہ نے جانوروں کی روزی دی ہے ان پر اللہ کا نام لیں (یعنی ذبح کریں)۔

اس آیت میں حج کی قربانی کا ذکر ہے جو صرف مکہ میں ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنائے کعبہ کے ساتھ ہی اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج قائم کرنے کا حکم دیا تھا اور اس کی غرض یہ بیان کی کہ لوگ یہاں آ کر دین و دنیا کے منافع حاصل کریں اور خدا کے نام پر قربانی کریں۔

پھر یہی فرض انہیں مناسک کے ساتھ اُمت محمدیہ ﷺ کیلئے بھی فرض کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ ملت ابراہیمی علیہ السلام کی وارث ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

حج کو فرض کرنے کے بعد قربانی کو بھی اسی طرح فرض کر دیا جیسے ملت ابراہیمی میں تھی۔

چنانچہ سورۂ حج کے پانچویں رکوع میں امت محمدیہ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ۔

ترجمہ اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں کر دیا ہے"۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

مَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔

ترجمہ "اور اللہ کے شعائر کا جو شخص خیال رکھتا ہے تو یہ تقویٰ سے ہوتا ہے"۔

دوسری قربانی وہ ہے جو تمتع یا قرآن مجید کے فدیہ میں یا احصار کی صورت میں یا ان لغزشوں کی جزا میں واجب ہوتی ہیں، جو حاجی سے بحالت احرام سرزد ہوتی ہیں اس کے احکام مندرجہ ذیل آیات میں دیئے گئے ہیں۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّه۔

ترجمہ اگر حج اور عمرہ سے روک دیئے جاؤ تو جو کچھ قربانی میسر آئے بھیج دو اور نہ اپنے سر منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے"۔

مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ۔

ترجمہ "تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر شکار کرے وہ اس کے بدلے مویشوں میں سے اس کی قدر قربانی کرے"۔

اس قسم کی متعدد آیات ہیں جن میں حج وعمرہ اور اس کی جنایات کے متعلق احکام دیئے گئے ہیں۔ حج کی قربانی کو لفظ ہدی سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان آیات میں جس قربانی کا ذکر ہے وہ حج کی ہے اور مکہ میں ہوتی ہے۔

ان آیات کا عید الضحیٰ کی قربانی سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ عید الضحیٰ کی قربانی کے متعلق دوسری آیتوں میں حکم دیا گیا ہے۔ اب منکرین حدیث کی چالاکی دیکھئے کہ وہ عید الضحیٰ کی قربانی کو ختم کرنے کیلئے عوام کے سامنے مذکورہ بالا آیت پڑھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو قربانی تو صرف حج کے موقع پر مکہ میں کرنے کا حکم ہے' یہ جو ہر جگہ تم لوگ عید کے موقع پر قربانی دیتے ہو اس کا حکم تو قرآن میں سے ہی نہیں۔

اور ان آیتوں کو عوام سے چھپاتے ہیں جن میں اللہ نے عید الضحیٰ کی قربانی کا حکم دیا ہے۔

بہر حال یہ بات قارئین کو یاد رکھنی چاہیے کہ حج کے موقع پر مکہ میں جو قربانی ہوتی ہے۔ اس کا حکم علیحدہ آیتوں میں ہے اور عید الضحیٰ کی قربانی کا حکم علیحدہ آیات میں آیا ہے۔

عید الضحیٰ کی قربانی

اب لیجئے وہ آیات جن میں عید الضحیٰ کی قربانی کا حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔

ترجمہ اے رسول ﷺ! تم کہہ دو میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت صرف رب العلمین کیلئے ہے' جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمان ہوں۔

اس آیت میں صلوٰۃ یعنی نماز کے بعد نسک کا ذکر ہے۔ جس کے عام طور پر قربانی کے معنی ہیں۔ اب دیکھئے کہ صلوٰۃ کے ساتھ نسک کیلئے بھی بِذٰلِكَ اُمِرْتُ (مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے) کے الفاظ ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃ کے ساتھ قربانی بھی مشروع ہے۔ دوسری آیت یہ ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔

اپنے رب کیلئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔

اس سے بھی قربانی کرنے کا ثبوت ہوا۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ دونوں آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جب کہ حج فرض نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح نحر کے لفظ کا عام مفہوم بھی قربانی ہی ہے لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قربانی حج کیلئے خاص ہے بلکہ یہ ہی ماننا پڑے گا کہ حج کی قربانی کے علاوہ ایک دوسری قربانی کا حکم ہے۔

پھر یہ حکم صرف حضور اکرم ﷺ کیلئے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کیلئے ہے جن پر آیت اول المسلمین دلالت کرتی ہے پھر فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ تو ایسی صاف و صریح آیت ہے' جس میں مجال تاویل ہی نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اسی بنا پر قربانی کا حکم دیا اور اس کی تاکید فرمائی۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ حکم ٹھیک اس آیت پر مبنی ہے کہ پہلے نماز پڑھی جائے اور اس کے بعد قربانی کی جائے۔

قرآن کریم کے اس صاف وصریح حکم کے ہوتے ہوئے قربانی کو وحشی قوموں کی رسم کہنا قرآن کریم سے کھلا ہوا معارضہ ہے اور ایسا وہی کہہ سکتا ہے جو قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتا۔

قربانی کا حکم احادیث میں

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ دین کا ماخذ قرآن وحدیث دونوں میں

اگر بالفرض عید الضحیٰ کی قربانی کا حکم قرآن کریم میں نہ بھی ہوتا تو اس کی مشروعیت کیلئے صرف حضور اکرم ﷺ کا حکم ہی کافی تھا۔ کیونکہ اسلام میں حضور اکرم ﷺ کا حکم بھی وہ حیثیت رکھتا ہے۔ جو اللہ کے حکم کی حیثیت ہے۔

اب ہم اس مسئلہ سے متعلق چند احادیث کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

۱) حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عید کے دن سب سے پہلا کام نماز کے بعد قربانی ہے۔ جس نے نماز کے بعد قربانی کی۔ اس نے ہماری سنت کو پالیا۔ (بخاری)

۲) ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں قربانی کے جانور خوب کھلا پلا کر موٹا کرتے تھے اور عام مسلمانوں کا بھی یہی قاعدہ تھا۔

۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے اور میں بھی دو ہی مینڈھوں کی قربانی کیا کرتا تھا۔

۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ میں قربانی کے گوشت کو نمک لگا کر رکھ دیا کرتے تھے اور پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ مدینہ میں دس سال مقیم رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے ہر سال قربانی کی۔ (مشکوٰۃ، ترمذی)

۶) حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ بقر عید کے دن دو مینڈھے خریدتے تھے۔ خوب موٹے تازے بڑے سینگوں والے، چت کبرے، پھر جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکتے اور خطبہ سے فارغ ہو جاتے تو آپ ﷺ اس کو ذبح فرماتے تھے۔ (مسند احمد)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ

حج میں بقر عید کی نماز ہی سرے سے نہیں ہوتی۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ حضور اکرم ﷺ جو قربانی فرماتے تھے وہ بقر عید کی قربانی ہوتی تھی اور اس کا تعلق لازماً مکہ کے علاوہ دوسرے مقام سے تھا۔

۷) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: دسویں ذی الحجہ میں ابن آدم کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک قربانی سے زیادہ پیارا نہیں ہے۔ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل بارگاہ الٰہی میں قبول کو پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا قربانی خوش دلی سے کرو۔

۸) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا عید قربان کے دن جو روپیہ قربانی میں خرچ کیا گیا۔ اس سے زیادہ کوئی روپیہ پیارا نہیں ہے۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد)

۹) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس میں وسعت ہو اور قربانی نہ دے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

۱۰) قربانی کے جانور کے ہر بال کے عوض ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے۔

یہ اور اسی مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں جن سے بقر عید کی قربانی کی مشروعیت کا ثبوت ملتا ہے اور ایک مسلمان کیلئے تو حضور اکرم ﷺ کے حکم کے بعد کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اگر بقر عید کی قربانی کا اسلام میں کوئی ثبوت نہ ہوتا تو عہد رسالت سے لے کر آج تک کے مسلمان نسلاً بعد نسل اس کو کیسے اختیار کرتے چلے آتے۔ امت نبویہ کا اس پر متواتر عمل بھی قربانی کی مشروعیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

حضور سید عالم نور مجسم ﷺ سے سوال ہوا کہ حضور یہ قربانی کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا: سُنَّةُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ۔ (ابن ماجہ، ابن کثیر ص ۲۲۱)

تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

قربانی اوراس کے مسائل

عشرہ ذی الحجہ کے مسائل

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے عشرہ ذی الحجہ سے بہتر کوئی مہینہ نہیں۔ ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات میں عبادت کرنا شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

قرآن مجید میں سورۂ والفجر میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے۔ وہ دس راتیں جمہور کے قول میں یہی عشرہ ذی الحجہ کی راتیں ہیں۔ خصوصاً نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا۔ ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بہت بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

تکبیر تشریق

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ عرفہ یعنی نویں تاریخ کی صبح سے تیرھویں تاریخ کی عصر تک جماعت مسجد کے بعد ہر مکلف مرد پر ایک مرتبہ تکبیر مذکورہ پڑھنا واجب ہے۔ امام بھول جائے تو مقتدی یاد دلائیں۔

ترکیب نماز عید

عیدالاضحیٰ کے روز یہ چیزیں مسنون ہیں۔ صبح سویرے اٹھنا۔ غسل و مسواک کرنا،

پاک وصاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا، خوشبو لگانا، عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عیدگاہ کو جاتے ہوئے تکبیر مذکورۃ الصدر بآواز بلند پڑھنا۔ نماز عید دو رکعت ہیں مثل دوسری نمازوں کے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے اندر تین تکبیریں زائد ہیں۔ پہلی رکعت میں سبحانک اللھم پڑھنے کے بعد تکبیریں زائد ہیں۔ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانا چاہیے۔ پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں، دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں۔ چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں۔ نماز عید کے بعد خطبہ سننا چاہیے۔

قربانی

قربانی ایک اہم عبادت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے۔

حضور سیّد عالم ﷺ نے بعد ہجرت دس سال تک مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ ہر سال برابر قربانی کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظمہ کیلئے مخصوص نہیں۔ ہر شخص پر ہر شہر میں بعد تحقیق شرائط واجب ہے۔ (ترمذی)

اور مسلمانوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے۔ اسی لئے جمہور اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ (شامی)

قربانی کس پر واجب ہوتی ہے

ہر مسلمان عاقل بالغ۔ مقیم پر واجب ہوتی ہے۔ جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی حاجات اصلیہ سے زائد موجود ہو۔ یہ مال خواہ سونا چاندی یا اس کے زیورات ہوں یا مال تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان

یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان وغیرہ (شامی) قربانی کے معاملہ میں سال بھر گزرنا بھی شرط نہیں' بچہ اور مجنوں کا ملک میں اگر اتنا مال بھی ہو تو اس پر یا اس کی طرف سے اس کے ولی پر قربانی واجب نہیں۔ اسی طرح جو شخص شرعی قاعدہ کے مطابق مسافر ہو اس پر بھی قربانی لازم نہیں۔ (شامی)

مسئلہ جس شخص پر قربانی واجب نہ تھی اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اس پر قربانی واجب ہو گئی۔

قربانی کے دن

قربانی صرف تین دن کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے دنوں میں قربانی نہیں۔ قربانی کے دن ذی الحجہ کی دسویں گیارھویں اور بارھویں تاریخیں ہیں۔ ان میں جب چاہے قربانی کر سکتا ہے۔ البتہ پہلے دن کرنا افضل ہے۔

قربانی کے بدلے صدقہ وخیرات

اگر قربانی کے دن گزر گئے۔ ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہیں کر سکا تو قربانی کی قیمت کا فقرا و مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے لیکن قربانی کے دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کر دینے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا۔ ہمیشہ گناہ رہے گا کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے۔ جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا۔ ایسے ہی صدقہ وخیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی۔ رسول کریم ﷺ کے ارشادات اور تعامل اور پھر تعامل صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس پر شاہد ہیں۔

قربانی کا وقت

جن بستیوں' شہروں میں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے وہاں نماز عید سے پہلے

قربانی جائز نہیں۔ اگر کسی نے نماز عید سے پہلے قربانی کر دی تو اس کو دوبارہ قربانی کرنا لازم ہے۔ البتہ چھوٹے گاؤں جہاں جمعہ وعیدین کی نمازیں نہیں ہوتیں۔ یہ لوگ دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز عید پہلے دن نہ ہو سکے تو نماز عید کا وقت گزر جانے کے بعد قربانی درست ہے۔ (درمختار)

مسئلہ قربانی رات کو بھی جائز ہے مگر بہتر نہیں۔ (شامی)

قربانی کے جانور

بکرا' دنبہ' بھیڑ کی ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے۔ گائے' بھینس' بیل' اونٹ' سات آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے۔ بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو۔ کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی نہ ہو۔

مسئلہ بکرا' بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے اور چھ ماہ کا بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا فربہ اور تیار ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو وہ جائز ہے۔ گائے' بیل' بھینس دو سال کی۔ اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔ ان عمروں سے کم کے جانور قربانی کیلئے کافی نہیں۔

مسئلہ اگر جانوروں کو فروخت کرنے والا عمر پوری بتاتا ہے اور ظاہری حالات سے اس کے بیان کی تکذیب نہیں ہوتی تو اس پر اعتماد جائز ہے۔

مسئلہ جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں یا بیچ میں سے ٹوٹ گئے ہوں تو اس کی قربانی درست ہے۔ ہاں سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو جس کا اثر دماغ پر ہونا لازم ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (شامی)

مسئلہ خصی (بدھیا) بکرے کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے۔ (شامی)

مسئلہ اندھے' کانے' لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں' اسی طرح ایسا مریض اور

لاغر جانور جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں سے نہ جاسکے اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔ (شامی)

مسئلہ جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں۔ (شامی درمختار) اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور پر بالکل نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا پھر اس میں کوئی عیب مانع قربانی پیدا ہو گیا تو اگر خریدنے والا غنی صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کیلئے اسی عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے۔ اور اگر یہ شخص غنی صاحب نصاب ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس جانور کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی دے۔ (درمختار)

قربانی کا مسنون طریقہ

اپنی قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا۔ اگر نہیں جانتا تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے۔ مگر ذبح کے وقت وہاں خود بھی رہنا افضل ہے۔

مسئلہ قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے۔ زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں البتہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ سنت ہے کہ جب جانور کو ذبح کرنے کیلئے رو بقبلہ لٹائے تو یہ دعا پڑھے۔

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّموٰاتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمَا السَّلَامُ۔

قربانی کا گوشت

جس جانور میں کئی حصہ دار ہوں تو گوشت وزن کرکے تقسیم کیا جائے۔ اندازہ سے تقسیم نہ کریں۔ (۲) افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کرکے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کیلئے رکھے ایک حصہ احباب واعزا میں تقسیم کرے۔ جس کے عیال زیادہ ہوں وہ سارا گوشت خود بھی رکھ سکتا ہے۔ (۳) ذبح کرنے والے کی اجرت میں گوشت یا کھال دینا جائز نہیں اُجرت علیحدہ دینی چاہیے۔

قربانی کی کھال

(۱) قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لانا مثلاً مصلے بنالیا جائے یا چمڑے کی کوئی چیز ڈول وغیرہ بنوالیا جائے یہ جائز ہے لیکن اگر اس کو فروخت کیا تو اس کی قیمت اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور قربانی کی کھال کو فروخت کرنا بدوں نیت صدقہ کے جائز نہیں۔ (عالمگیری) (۲) کسی کام کی اُجرت میں قربانی کی کھال دینا درست نہیں۔ (۳) مدارس اسلامیہ کے نادار اور غریب طلباء ان کھالوں کا بہترین مصرف ہیں کہ اس میں صدقہ کا ثواب بھی ہے احیائے علم دین کی خدمت بھی۔

چند اہم مسائل

۱) مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ مگر نفل کے طور پر اگر دے تو ثواب پائے گا۔

۲) نابالغ پر نہ خود قربانی واجب ہے اور نہ اس کی طرف سے اس کے باپ یا رشتہ دار پر واجب ہے۔ بیوی اگر صاحب نصاب ہے تو اس پر علیحدہ قربانی واجب ہے۔

۳) اور شوہر اپنی بیوی سے اجازت لے کر اپنی قربانی کے علاوہ اس کی طرف سے بھی قربانی کردے تو جائز ہے۔

۴) شرکت میں گائے کی قربانی ہوئی تو ضروری ہے کہ گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے بغیر وزن کے اندازاً تقسیم کرنا اگرچہ سب شریکوں کی اجازت سے ہو ناجائز ہے۔

۵) شہریوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ نماز عید کے بعد قربانی کریں۔ بہتر یہ ہے کہ نماز اور خطبہ کے بعد قربانی دیں لیکن اگر کسی نے نماز کے بعد اور خطبہ سے پہلے قربانی دی تو یہ فعل مکروہ ہے۔

۶) شہر میں متعدد جگہ نماز ہوتی ہے تو پہلی جگہ نماز ہو چکنے کے بعد قربانی جائز ہے۔

۷) قربانی کرنے کے وقت اگر جانور اچھلا کودا اور اب جانور میں عیب پیدا ہو گیا تو اس کی قربانی جائز ہے۔

۸) قربانی کا جانور مر گیا تو غنی پر لازم ہے کہ دوسرے جانور کی قربانی کرے۔

۹) اگر قربانی کا جانور گم ہو گیا یا چوری ہو گیا اور اس کی جگہ دوسرا جانور خرید لیا۔ اب پہلا جانور بھی مل گیا تو غنی کو اختیار ہے وہ دونوں میں سے جس کو چاہے قربانی کر دے لیکن فقیر پر یہ واجب ہے کہ دونوں کی قربانی کر دے۔

۱۰) جس پر قربانی واجب ہے' اگر اس نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا اور وہ گم ہو گیا تو اس پر دوسرے جانور کی قربانی واجب نہیں ہے۔

۱۱) سات آدمیوں نے گائے کی قربانی میں حصہ لیا۔ ان میں ایک کا انتقال ہو گیا اور اس کے ورثاء نے شرکاء سے یہ کہہ دیا کہ تم اس گائے کو اپنی طرف سے اور مرحوم کی طرف سے قربانی کرو۔ انہوں نے کر دی تو سب کی جائز ہو گئی اور اگر اس کے ورثاء کی اجازت کے بغیر شرکاء نے قربانی کر دی تو کسی کی نہ ہوئی۔

۱۲) قربانی کا گوشت کافر اور بد مذہب کو نہ دیا جائے اسی طرح عیسائی اور بھنگی کو بھی نہ دیا جائے۔

۱۳) قربانی کا چمڑہ۔ اس کو اُجرت میں دینا جائز نہیں۔ گاؤں میں مولوی صاحب

کو ذبح کرائی کی اُجرت میں دل وغیرہ دیتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے۔

اسی طرح امام مسجد کو کھال امامت کے عوض دینا بھی ناجائز ہے۔ ہاں اگر امام مسجد کو امامت کی اُجرت میں نہیں بلکہ ویسے ہی اللہ واسطے کھال وغیرہ دے دے تو پھر جائز ہے۔

۱۴) ذبح سے پہلے قربانی کے جانور کے بال یا دودھ دوہنا مکروہ ممنوع ہے۔ اسی طرح قربانی کے جانور سے نفع حاصل کرنا مثلاً سواری کرنا' بوجھ لادنا یا اُجرت پر دینا منع ہے۔ اگر قربانی کے جانور کی اون کاٹ لی تو اس کو صدقہ کر دے۔

۱۵) قربانی کے جانور کے اگر بچہ پیدا ہو جائے تو اس کو بھی ذبح کر دے اور اگر مردہ ہے تو اس کو پھینک دے۔

۱۶) خواہ کیسا بھی گنہگار مسلمان ہو اگر اس کو شریک کر کے قربانی کی تو جائز ہو جائے گی۔

❀ سورہ کوثر اس وقت نازل ہوئی جبکہ حج فرض نہیں ہوا تھا۔ جس سے واضح ہوا کہ اس سورہ میں قربانی سے حج کی قربانی مراد نہیں ہے نیز اس سورہ مبارکہ میں قربانی ادا کرنے کا حکم نماز کے ساتھ دیا گیا ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس سورہ میں قربانی کی وہ قسم مراد ہے جو نماز کی طرح ہر جگہ ادا ہو سکتی ہے یعنی یہ قربانی مکہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اعجاز ہی اعجاز ہیں تیرے لب گفتار
حکمت کا خزینہ تری شیریں سخنی ہے
منظور مجھے عشقِ نبی ﷺ میں ہے تڑپنا
مطلوب مرا سوز اویسِ قرنی رضی اللہ عنہ ہے
اے گنج گہر بار ہے خالی مرا دامن
اے رحمتِ کونین ﷺ' تیری ذات غنی ہے

تیرا ہی کرم سینہ و بازوئے علی رضی اللہ عنہ ہیں
تیری ہی عطا جذبۂ خیبر شکنی ہے

اے سیّد و سلطانِ امم صلی اللہ علیہ وسلم! تیری دُہائی
آلام نے گھیرا ہے مری جاں پہ بنی ہے

مظہر کی تب و تاب سے کچھ ہم بھی ہیں واقف
جاں دانِ اندازِ اویسِ قرنی رضی اللہ عنہ ہے





ماہِ محرم کے فضائل واحکام

اسلام میں عربی سال معتبر ہے جس کا حساب قمری مہینوں سے ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ۔

اللہ تعالیٰ نے سورج کو ضیا چاند کو نور بنایا اور اس کے منازل مقرر فرمائے تاکہ تم سالوں کے عدد اور حساب معلوم کرلو۔

آیت شریفہ میں چاند کو تقریر منازل کے ساتھ سنین وحساب کی علت قرار دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سال کا تعلق چاند سے ہے سورج سے نہیں۔ ایک اور مقام پر بھی اس کی تائید موجود ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّةِ قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔

یہ لوگ چاند کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیجئے چاند سب کیلئے وقت کی علامت ہے اور حج کیلئے بھی۔

گویا اسلام میں قمری مہینے معتبر ہیں۔ حج اور روزے عید وغیرہ میں اسی کا اعتبار ہے۔ ہر مہینہ کی ابتدا اور چاند سے ہوتی ہے۔ مہینہ کی مدت کبھی ۳۰ دن اور کبھی ۲۹ دن ہوتی ہے۔ قمری سال ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے اور کبھی سال ۱/۴ ۳۶۵ دن کا۔ قمر سال شمسی سال سے دس دن کم ہوتا ہے۔

فلاسفہ کہتے ہیں۔ برج بارہ ہیں۔

حمل	ثور	جوزا	سرطان
اسد	سنبلہ	میزان	عقرب
قوس	جدی	دلو	حوت

آفتاب ان تمام برجوں میں ایک سال کے عرصہ میں سیر کرتا ہے اور مہتاب (چاند) کا دورہ ہر مہینہ میں پورا ہو جاتا ہے۔

جب مرکز آفتاب راس حمل کے نقطے میں پہنچتا ہے تو شمسی سال کی ابتداء ہوتی ہے اور اس وقت نباتات میں قوت نشو ونما ظاہر ہوتی ہے۔ موسم اعتدال کی طرف مائل ہوتا ہے۔ سردی کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ چونکہ قمری سال شمسی سال سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس لئے قمری مہینے مختلف فصلوں میں آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان کبھی سردی اور کبھی گرمی میں آتا ہے..... قمری سال کی ابتدا اسی مہینے سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

محرم الحرام

مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُم۔

ان بارہ مہینوں میں چار رجب، ذیقعد، ذی الحجہ، محرم حرمت والے مہینے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

لَاتَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَکُمْ۔

ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔

اس آیت میں ظلم سے مراد گناہ ہے کہ انسان کو خصوصیت کے ساتھ ان مہینوں میں گناہوں سے پرہیز کرنا چاہیے اگرچہ گناہ و معصیت ہر مہینہ اور دن میں جرم ہے۔ مگر ان مہینوں میں اس کی حرمت زیادہ سخت ہو جاتی ہے کیونکہ یہ مہینے برکت والے ہیں اور

بدی جب برکت والے ایام میں کی جائے تو ضرور سخت تر ہونی چاہیے۔ کیونکہ ان مہینوں میں گناہ کرنے والا ایک تو ان مہینوں کی برکت سے محروم رہے گا۔ دوسرے گناہ کر کے ان مہینوں کی بے حرمتی کرے گا۔

یوم عاشورہ

بہر حال ماہ محرم اشہر حرم سے ہے۔ اس کو شہر اللہ۔ شہر الانبیاء۔ راس السنہ بھی کہتے ہیں اور اسی محرم کی دسویں تاریخ کو یوم عاشورہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ یوم عاشورہ ایک خاص امتیاز کا مالک ہے اور بہت سے مقدس باب اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ چنانچہ

- زمین وآسمان کی پیدائش یوم عاشورہ میں ہوئی۔
- سب سے پہلے بارش اسی دن ہوئی۔
- حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اسی دن قبول ہوئی۔
- نوح علیہ السلام کی کشتی نے اسی دن طوفان سے نجات پائی۔
- حضرت ادریس علیہ السلام کو مکان علیاء کی رفعت اسی دن حاصل ہوئی۔
- حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار نمرود اسی دن گل وگلزار بنی۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت اسی دن عطا ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لشکرِ فرعون پر اسی دن فتح یابی ہوئی اور فرعون غرقِ نیل ہوا۔
- حتیٰ کہ صفحۂ قلب سے نہ مٹنے والا واقعۂ کربلا بھی اسی یومِ عاشورہ میں ہوا۔

یوم عاشورہ کا روزہ

مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔

صِیَامُ یَوْمِ عَاشُوْرَا اَحْتَسِبُ عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّکَفِّرَ السَّنَۃَ الَّتِیْ قَبْلَہٗ۔

یوم عاشورہ کا روزہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سال گذشتہ کے گناہوں کا کفارہ فرمائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کی دسویں تاریخ کے روزے کا بڑا ثواب ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک سال کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

عاشورہ کے روزہ کی وجہ

یہاں یہ چیز قابل غور ہے کہ آخر محرم کی دس تاریخ کو روزہ رکھنا کیوں مستحب ہے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ جب یہودیوں سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا۔ یہ دن عظمت والا ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو نجات دی۔ فرعون غرق ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ کا روزہ رکھا۔ ہم وہی روزہ رکھتے ہیں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰی بِمُوْسٰی مِنْکُمْ فَصَامَہٗ وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ۔ (بخاری شریف)

تمہاری نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم زیادہ حق دار ہیں چنانچہ حضور ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور روزہ کا حکم دیا۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا۔ یہ ۱۰ ہجری کا واقعہ ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ!

اِنَّہٗ یَوْمٌ یُعَظِّمُہُ الْیَہُوْدُ وَالنَّصَارٰی۔

یہ وہ دن ہے کہ یہود و نصاریٰ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَئِنْ بَقِیْتُ اِلٰی قَابِلٍ لَاصُوْمُ مِنَ التَّاسِعِ۔

اگر میں آئندہ سال باقی رہا تو محرم کی نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا۔

اگرچہ حضور سرور عالم ﷺ نے آئندہ سال میں اس عالم سے پردہ فرمالیا اور روزہ رکھنے کا موقع نہ ملا مگر عزم و ارادہ کے اظہار سے نویں محرم کے روزہ کا سنت ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

بخاری و مسلم کی دونوں حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دن کی یادگار قائم کرنا اور جس دن خدا کی طرف سے کسی بندے پر کوئی انعام ہوا ہو۔ اس دن شکر الٰہی بجالانا۔ رسول ﷺ کی سنت ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس میں کفار و مشرکین کے ساتھ کچھ مشابہت کا احتمال ہو تو اس فعل کو ترک نہ کیا جائے گا۔ بلکہ اس فعل کو جاری رکھ کر کوئی صورت مخالفت کی پیدا کی جائے گی۔ جیسا کہ حضور انور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عرض کے باوجود ترک صوم کا ارادہ نہ فرمایا۔ بلکہ اس کے ساتھ ایک اور روزے کو ملالینے کا عزم فرمایا۔

مقام غور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا دن تو معظم بنایا جائے اور اس کا روزہ دوسری امت کیلئے بھی سنت رہے اور اس طرح غلبۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یادگار قیامت تک قائم رہے اور حضور ﷺ کی یادگار قائم کرنا ولادت و معراج کی خوشی منانا۔ خدا کا شکر ادا کرنا بدعت ہو جائے کس قدر ناانصافی اور حدیث کی تعلیم سے بے خبری ہے۔

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ﷺ است

صدقات و خیرات

یوں تو ہر ماہ و یوم میں صدقات و خیرات کرنا باعث برکت و موجب رحمت ہے مگر خالص اس باب میں جو حدیث وارد ہے۔ وہ بھی پیش کرتا ہوں۔

بیہقی کی حدیث ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جس نے عاشورہ کے دن اپنے کنبہ والوں پر خرچ کرنے میں وسعت کی۔ اللہ تعالیٰ اس پر تمام سال فراخی و وسعت فرمائے گا۔

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اِنَّا قَدْ جَرَّبْنَاهُ فَوَجَدْنَاهُ كَذٰلِكَ۔

ہم نے بارہا اس کا تجربہ کیا اور حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق یہی ہوا۔

عاشورہ کے دن زیادہ خرچ کرو

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عاشورہ کے دن اگر اپنے کنبہ والوں پر روٹی، کپڑا اور ان کی ضروریات میں زیادہ خرچ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ تمام سال اسی طرح وسعت و فراخی عطا فرمائے گا۔

شربت کی سبیل

شربت کی سبیل لگانا شہداء کی ارواح کو ایصال ثواب کرنا اسی مذکورہ بالا حدیث سے ماخوذ ہے اور یہ سب امور جائز و مستحب ہیں۔ بلکہ اموات کو ان سے نفع پہنچتا ہے۔

چنانچہ شرح عقائد میں ہے کہ

وَفِیْ دُعَاءِ الْاَحْیَاءِ لِلْاَمْوَاتِ وَصَدَقَتِهِمْ عَنْهُمْ نَفْعٌ لَّهُمْ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ۔

زندوں کی دعائیں مردے کیلئے اور صدقہ و خیرات کا نفع مردوں کو پہنچتا ہے اور اس مسئلہ معتزلہ کا خلاف ہے۔

شرح عقائد کی عبارت سے معلوم ہوا کہ یوم عاشورہ میں شہداء کرام خصوصاً سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب صدقہ و خیرات کرنا جائز ہے اور

جو لوگ ایصال ثواب کے منکر ہیں وہ دراصل معتزلی ہیں۔

خلاف شرع مجالس

کربلائے معلےٰ کے صحیح نقشے مکانوں میں بہ نیت تبرک رکھنا اور ان کی زیارت کرنا جائز ہے لیکن اپنی عقل سے اختراعات کرنا اور ذی روح کی تصویریں بنانا حرام اور ناجائز ہے۔

ذکر شہادت کی مجالس جائز ہیں اور ان درد انگیز واقعات سے دل بھر آئے۔ آنکھوں سے اشک کا طوفان جاری ہو جائے اور بے اختیار رقت طاری ہو جائے تو یہ رونا بھی رحمت اور ایمان کی علامت ہے۔ خلاف شرع جلسوں میں شرکت جائز نہیں۔ کیونکہ یہ مجلسیں تبرا اور مقبولان بارگاہ کی جناب میں بے ادبی سے خالی نہیں ہوتیں۔ عوام سنی اس قدر واقفیت نہیں رکھتے کہ ان کی حرکات سے باخبر ہو جائیں وہ کنایہ کنایہ میں سب کچھ کہہ جاتے ہیں اور ان کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ بلکہ اگر وہ صراحت سے بھی کہہ گزریں تو انہیں خبر نہ ہو۔

ہمارے عام سنی برادران کی مذہبی معلومات کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے نام تک سے بےخبر ہیں۔ آپ سوال کر دیکھئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم شریف کیا ہے اور ابن ابی قحافہ کون صاحب ہیں پھر دیکھئے۔ کتنے بتا سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ابن ابی قحافہ کہہ کر کوئی کچھ کہہ جائے تو انہیں کیا معلوم ہو۔

سنیوں کی مجالس

سنیوں کی مجالس میں بھی بہت سی باتیں قابل لحاظ ہیں۔

اوّل یہ کہ واقعات شہادت کا صحیح بیان ہو۔ اکثر شہادت ناموں میں واقعات

رطب و یابس ہوتے ہیں۔

دوم یہ کہ مبالغوں سے اجتناب کیا جائے۔ بسا اوقات مبالغہ گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔ اہل بیت کی حرمت کے خلاف جو غلط باتیں گھڑ لی گئی ہیں اور رلانے کی نیت سے ان میں رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ ان سب سے پرہیز ضروری ہے۔ مثلاً اہل بیت کی نسبت جزع وفزع بے صبری۔ ناشکیبی۔ سر پیٹنے۔ بال نوچنے۔ منہ پر طمانچے مارنے۔ کپڑے پھاڑنے کی نسبت۔ اسی طرح اپنے ملک کے جاہلانہ رسم ورواج کو ان پاک سرشتوں کی طرف نسبت کرنا۔ یہ سب عادتیں قابل ترک ہیں۔ کپڑے رنگ کر امام کا فقیر بننا اور در بدر بھیک مانگتے پھرنا عجب لغویت ہے۔ ذکر شہادت کی کتابوں میں شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سر الشہادتین اور مولانا حسن رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آئینۂ قیامت اور حضرت صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کربلا سب سے بہتر ہیں۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا محرم نامہ اغلاط سے پر اور مفاسد سے لبریز ہے اور تاریخوں کے ہر بیان پر جزم کر لینا بھی غلطی ہے۔

مورخ واقعات کی صحت کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ اس کی مورخانہ حیثیت کا اقتضا یہی ہے کہ ایک امر کے متعلق جس قدر باتیں کہی گئی ہوں۔ اور جتنے اقوال مل سکیں سب جمع کر دے۔ عام اس سے کہ وہ صحیح ہوں یا غلط۔ مورخوں نے صحت وغلطی کی جانچ اور کھوٹے کھرے کا پرکھنا اپنے ذمہ نہیں لیا ہے۔ لہٰذا جو باتیں احادیث سے ثابت ہیں ان کے مقابلہ میں تاریخی واقعات کا پیش کرنا عبث ہے۔

گیسوئے محمد ﷺ ہیں کہ رحمت کی گھٹائیں
عارض کی صباحت ہے کہ صبح یمنی ہے

سیّد الشہداء سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

شہزادۂ کونین سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ۵ شعبان ۴ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ حضور سیّد عالم ﷺ نے آپ کا نام حسین اور شبیر رکھا۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ لقب سبط رسول ہے۔ آپ کے برادر معظم کی طرح آپ کو بھی حضور ﷺ نے جنتی جوانوں کا سردار اور اپنا فرزند فرمایا۔ حضور ﷺ کو آپ کے ساتھ کمال الفت و محبت تھی۔ حضور اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ حسین رضی اللہ عنہ سے محبت مجھ سے محبت ہے اور عداوت مجھ سے عداوت رکھتا ہے۔

حضور ﷺ نے دونوں فرزندوں کو اپنا پھول بھی فرمایا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر بھی مشہور ہو چکی تھی۔ اُم الفضل رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے امام حسین رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی گود میں دیا تو کیا دیکھتی ہوں چشم نبوت سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان یہ کیا حال ہے۔ فرمایا ابھی جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے خبر سنائی کہ میری امت میرے اس فرزند کو شہید کرے گی اور جبریل علیہ السلام میرے پاس حسین رضی اللہ عنہ کے مقتل کی مٹی بھی لائے تھے۔ (بیہقی)

اللہ اکبر! ولادت کے ساتھ خبرِ شہادت بھی مشہور ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ بھوکے پیاسے راہ خدا میں شہید کئے جائیں گے مگر اس کے باوجود نور مجسم ﷺ انہیں اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں۔ خاک کربلا پہ لوٹنے اور سوکھا حلق کٹوانے

کیلئے اپنی آغوش رحمت میں تربیت فرماتے ہیں۔ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا اپنے نونہال کو زمین کربلا میں خون بہانے کیلئے اپنا خون جگر پلاتی ہیں۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے نونہال کو راہ خدا میں قربان کرنے کیلئے پال رہے ہیں۔ چشم نبوی خبر شہادت سن کر اشک بار تو ہو جاتی ہے مگر شہادت کے التواء کی دعا نہیں کی جاتی حالانکہ ان کے جنبش لب سے شہادت کا التوا ہو سکتا تھا مگر یہ خواہش نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے نہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اور نہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو۔

دعا کی جاتی ہے تو صرف یہ۔ ”الٰہی! میدان امتحان میں حسین رضی اللہ عنہ کو ثابت قدم رکھنا اور راہ خدا میں گھر بار، فرزند و عیال لٹانے اور مصائب و آلام کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کا حوصلہ دینا۔

یزید بن معاویہ وہ بدنصیب شخص ہے جس کی پیشانی پر اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے بے گناہ قتل کا سیاہ داغ ہے جس پر ہر زمانہ میں دنیائے اسلام ملامت کرتی رہی ہے اور حشر تک اس کا نام تحقیق کے ساتھ لیا جائے گا۔ یہ بدباطن و سیاہ دل، ننگ خاندان ۲۵ ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر پیدا ہوا۔ نہایت بدصورت، بدخلق، فاسق، شرابی، بدکار، ظالم، بے ادب اور گستاخ تھا۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو یہ کور باطن باپ کی وصیتوں کو فراموش کر کے تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور جس اسلام نے جابرانہ بادشاہت اور ملوکیت کے تصور کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر کے خدا ترسی عبادت اور خدمت خلق کو ایک حکمران کا معیار قرار دیا تھا۔ یزید نے اسی اسلام کے نام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بجائے قیصر و کسریٰ کی سنت کو تازہ کر کے جابرانہ ملوکیت کو پھر سے زندہ کیا۔ اسلامی روح کو کچل کر اسے بادشاہیت کا کفن پہنایا۔ حریت و جمہوریت کا گلا گھونٹ کر ظلم و استبداد اور جبر و قہر کی بنیاد پر بدترین شخصی حکومت کی عمارت کھڑی کی اور اس پر ستم یہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی بیعت پر مجبور کیا۔

اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت فرما لیتے تو یزید آپ حسین رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت کرتا بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کو بہت سے دنیاوی فوائد بھی حاصل ہو جاتے۔ مگر دین کا نظام درہم برہم ہو جاتا اور یزید کی بدکاری کے جواز کیلئے امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت سند بن جاتی۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے جان کو خطرہ میں ڈال دیا۔ سر دے دیا مگر اسلام پر آنچ نہ آنے دی۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جب کہ جان کا خطرہ تھا تقیہ سے کام نہیں لیا۔ حالانکہ تقیہ کیلئے اس سے بہتر وقت اور کون سا ہو سکتا تھا۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ چاہتے تو بطور تقیہ وقتی طور پر بیعت کر کے سکھ چین کی زندگی بسر فرماتے۔ مگر آپ رضی اللہ عنہ کا وجود تو رہتی دنیا تک کیلئے روشنی کا مینار تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے یہ بتایا کہ جان دے دو مگر راہ حق میں بطور تقیہ باطل کے سامنے مت جھکو۔

کوفیوں کے خطوط

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا کیوں تشریف لے گئے؟ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ اقتدار کے خواہشمند تھے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل کوفہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں آپ کو درخواستیں بھیج رہے تھے لیکن اس وقت آپ نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات اور یزید کی جابرانہ تخت نشینی کے بعد اہل عراق کی جماعتوں نے متفق ہو کر عرضیاں بھیجیں جن میں اپنی نیازمندی اور جذبات و عقیدت کا اظہار تھا اور یزید کے ظلم و ستم کا تذکرہ جب التجا ناموں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب پہنچ گئی۔ تب جا کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا قصد فرمایا۔

یزید کی بادشاہت جبر و اکراہ پر مشتمل تھی۔ اس کی حکومت دین کیلئے خطرہ تھی

اور اس پر مزید یہ کہ قوم بھی فاسق وظالم کی بیعت پر راضی نہ تھی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ (جو خلافت کا استحقاق رکھتے تھے) کی خدمت میں درخواست بیعت پیش کر دی تو ایسی صورت میں امام حسین رضی اللہ عنہ اگر ان کی درخواست کو قبول نہ فرماتے تو امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بارگاہ الٰہی میں کوفیوں کے اس مطالبہ کا کیا جواب ہوتا کہ ہم نے تو یزید کے فسق سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کر لی ورنہ اگر امام حسین رضی اللہ عنہ ہماری دست گیری فرماتے تو ہم ان پر جانیں فدا کرنے کیلئے تیار تھے۔ یہ ہی مسئلہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو درپیش تھا جس کا حل بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ ان کی دعوت پر لبیک فرمائیں۔

روشنی کا مینار

دشت کربلا میں سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تاریخ اسلام کی وہ خونی داستان ہے جو بظاہر درد والم' بے کسی ومظلومی کا مجموعہ نظر آتی ہے مگر حقیقت میں عظمت وجلال کی آئینہ دار ہے اور اپنے اندر عبرت وموعظت کی ہزاروں دنیا میں لئے ہوئے ہے۔ کیونکہ سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ کی یہ قربانی اپنی ذات کیلئے نہ تھی بلکہ اصول وعقیدہ کیلئے ایک عظیم الشان ایثار تھا۔ استقامت حق کی مثال اور اسلام پر نثار ہونے کا ایک معیار تھا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا یہ جہاد انسانیت کیلئے دائمی اسوۂ حسنہ بن گیا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی روشنی کا مینار ہے۔

سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اسلام اپنے گھر ہی میں یتیم ہو رہا ہے اور اس پر فسق وفجور کا ابر غلیظ چھا رہا ہے حتیٰ کہ اسلام کا سب سے بڑا ادارہ اسلامی حکومت ہی دین سے بغاوت پر آمادہ ہے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے دین کی اس مظلومی پر احتجاج کیا اور ظلم وجور وفسق وفجور کی طاقتوں کو للکار کر فرمایا کہ سیدھے راستے پر چلو۔ اقتدار نے جب یہ آواز حق سنی تو اس کی پیشانی پر بل آ گئے اور باطل کے پرستاروں نے ظلم و

تشدد سے اس آواز حق کو دبانا چاہا۔

سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "چاہے کچھ بھی ہو۔ اہل وعیال' مال ومنال حتیٰ کہ اپنی جان کی قربانی منظور ہے مگر دین کی بربادی نامنظور"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

شہید حق رضی اللہ عنہ نے حق کی حمایت ونصرت کیلئے جان کی بازی لگا دی۔ آپ نے پھول کی بجائے کانٹوں پر چلنا پسند کیا مگر حق پر آنچ نہ آنے دی۔

پھر کیا ہوا؟

پرچم حق سربلند ہوا اور سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ نے اس شمع کو گل ہونے سے بچا لیا جسے فسق وفجور کی طاقت گل کر دینا چاہتی تھی۔

سر داد نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

آؤ! ہم بھی رفقائے حسین رضی اللہ عنہ کی طرح حق وصداقت کی خاطر سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ کا نقش قدم تلاش کریں۔ اس لئے کہ آج اسلام کو پھر انہیں زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے اور اسلام زندہ ہونے کیلئے ایک نئی کربلا کا طلب گار ہے۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اظہارِ غم کے طریقے

شک نہیں کہ سیّد الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے اہل بیت نے صبر و رضا کا وہ امتحان دیا جس نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ راہ حق میں وہ مصیبتیں اٹھائیں جن کے تصور سے نیاز مندوں کے دل کانپ جاتے ہیں۔ ہر آنکھ اس واقعہ پر خون کے آنسو بہاتی ہے اور ہر دل محرم کے آتے ہی مغموم ہو جاتا ہے۔ یہ تو ہم نیاز مندوں کی کیفیت ہے۔ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے

جوصدمہ پہنچا اور قلب مبارک کو جو رنج ہوا وہ اندازہ اور قیاس سے باہر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ایک روز دوپہر کو حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا۔ دیکھا کہ سنبل معنبر گیسوئے معطر کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں۔ دست اقدس میں ایک خون بھرا شیشہ ہے۔ یہ حال دیکھ کر دل بے چین ہو گیا۔ عرض کی آقا! قربانت شوم یہ کیا ہے؟ فرمایا: حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفیقوں کا خون۔ میں آج صبح سے اسے اٹھا رہا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ یہ تاریخ اور وقت یاد رکھا۔ جب خبر آئی تو معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اسی وقت شہید ہوئے تھے۔ (بیہقی)

حضرت ام سلمی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ میں نے سیّد دوعالم نور مجسم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ ریش مبارک پر گرد وغبار ہے عرض کیا۔ جان کنیزاں نثار تو باد۔ یارسول اللہ ﷺ کیا حال ہے۔ فرمایا: ابھی حسین رضی اللہ عنہ کے مقتل میں گیا تھا۔

پھر رنج کرنے والوں میں انسان ہی نہیں بلکہ سارا عالم اس حادثۂ جانکاہ سے متاثر ہے۔

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جس روز امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آسمان سے خون برسا۔ پانی کے مٹکے خون سے بھرے ہوئے پائے گئے۔ پتھروں کے نیچے تازہ خون پایا گیا۔ شہادت کے بعد تین روز کامل اندھیرا رہا۔ سات روز تک آسمان سے خون برسا جس کے اثر سے دیواریں، عمارتیں رنگین ہوگئیں اور جو کپڑا اس خون سے رنگین ہوا اس کی سرخی پرزے پرزے ہونے تک نہ گئی۔ (ابونعیم، بیہقی)

غرضیکہ تیرہ سو برس گزر گئے مگر خون حسین کی رنگینی میں فرق نہیں آیا ہے۔ وہ تو کوئی شقی ازلی ہی ہوگا۔ جو شہادت حسین رضی اللہ عنہ پر خوشی منائے گا اور یزید کے جبر واستبداد کی داستان سن کر اس کا دل مضطرب وپریشان نہ ہوگا۔ مگر اظہار غم کے کچھ قواعد وضوابط

ہیں اور یہ قواعد وہی ہیں جو سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ کی بے مثال قربانی، صبر واستقلال اور استقامت علی الحق سے اخذ ہوتے ہیں۔

ہم اہلسنّت محبت اہل بیت کو ایمان بلکہ ایمان کی جان سمجھتے ہیں۔ ہماری آنکھیں بھی واقعات شہادت کو سن کر روتی ہیں، دل بیقرار ہو جاتا ہے لیکن ہم اظہار رنج وغم کے ان طریقوں کو نہیں اختیار کرتے جو زمانہ جاہلیت میں مروج تھے اور جن سے خود سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا ہے۔ ہم شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ سے حق وصداقت اور استقامت علی الحق کا سبق حاصل کرتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ اسوۂ حسینی کو اپنائیں اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف آواز اٹھا کر سنت حسینی کو زندہ کریں۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور سرور دوعالم نور مجسم ﷺ باہر تشریف لائے اور دوش اقدس پر امام حسن رضی اللہ عنہ جلوہ فگن تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا۔

راکبِ دوشِ نبوت!

نِعْمَ الْمَرْكَبُ هٰذَا۔ سواری کیا اچھی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ بھی کہو کہ

نِعْمَ الرَّاكِبُ هٰذَا۔ سوار بھی بڑی عظمت والا ہے۔

جب گلشن سیّدہ میں پہلے پھول سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کھلے تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس پھول کو زرد کپڑے میں لپیٹ کر آغوش سرور عالم ﷺ میں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا زرد کپڑے میں ان کو نہ لپیٹا کرو۔ فوراً سفید کپڑا تبدیل کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ فرمایا علی رضی اللہ عنہ اس نونہال کا کیا نام رکھا۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ کے ہوتے ہوئے کیا نام رکھیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے بھی وحی کا انتظار ہے۔

اتنے میں ملکوتیوں کا سردار مقربین کا شہنشاہ جبریل علیہ السلام ایک پارچۂ ریشمی پر

آپ کا نام منقش لائے اور زمین ادب چوم کر عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ! گلشن فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس پھول کا نام سیدنا ہارون علیہ السلام کے صاحبزادوں کے نام پر رکھیے۔ چنانچہ اس مقدس پھول کا نام حسن (رضی اللہ عنہ) رکھا گیا۔

ہم شکل نبی!

یہ عجب خصوصیت تھی کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سینہ سے لے کر سر تک اور سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ پاؤں سے لے کر سینہ تک بالکل حضور سرور کائنات علیہ السلام کے مشابہ تھے۔ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیان ہے کہ جب آنکھیں سید المرسلین علیہ السلام کیلئے ترس جاتیں تو ہم حسن و حسین کو رضی اللہ عنہم اجمعین دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر لیتے تھے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے خوب فرمایا ہے۔

معدوم نہ تھا سایۂ شاہ ثقلین — تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے
اس نور کی جلوہ گاہ تھی ذات حسنین — آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین

شہزادۂ گلگوں قبا شہید خنجر جور وفا۔ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ۵ شعبان المعظم ۴ ہجری میں ہوئی۔ جب آپ نے برج فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نزول اجلال فرمایا تو جبریل امین علیہ السلام تہنیت ولادت کے ساتھ تعزیت بھی لائے اس وقت حضور سرور عالم ﷺ امام حسین رضی اللہ عنہ کے گلوئے نازنین کو چوم رہے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی۔ "یارسول اللہ ﷺ اسی بوسہ گاہ پر خنجر چلے گا اور یہ گل نبوت راہ خدا میں شہید ہوگا"۔

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک گلی سے گزرے۔ ملاحظہ فرمایا کہ بچے کھیل رہے ہیں۔ آپ نے ایک بچہ کو گود میں لے کر پیار کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کی۔ حضور اس بچہ میں کیا خصوصیت ہے۔ فرمایا ایک دن میں نے اس بچہ کو اپنے لخت جگر نور نظر حسین رضی اللہ عنہ کی خاک پاء کو آنکھوں سے لگاتے دیکھا تھا۔ اس لئے اس بچہ سے

مجھے خاص محبت ہے میں اس کی اور اس کے والدین کی شفاعت فرماؤں گا۔

ایک مرتبہ دونوں پھول باہم کشتی کر رہے تھے اور حضور ﷺ دونوں کی کشتی کا منظر دیکھ رہے تھے آپ بوقت ملاحظہ یہ فرماتے جا رہے تھے۔ حسین! حسن کو اس طرح پکڑو۔ سیدہ فاطمہ عفیفہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔

حضور ﷺ آپ حسین رضی اللہ عنہ سے فرما رہے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حسین رضی اللہ عنہ سے جبریل علیہ السلام یہی کہہ رہے ہیں۔

ایک بدوی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ایک ہرن کا بچہ نذر کیا۔ اتنے میں شہزادہ حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ہرن کا بچہ لے گئے۔ شہزادہ حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کہاں سے لائے ہو۔ کہا نانا جان نے دیا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ بھی ہرن کا بچہ لینے کیلئے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور ضد کرنے لگے۔ آپ نے بہت بہلایا مگر نہ مانے قریب تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آجائیں کہ ناگاہ ایک ہرنی اپنے ساتھ ایک بچہ لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! میرا ایک بچہ تو بدوی نے حاضر کر دیا ہے۔ دوسرا بچہ حسین کیلئے لائی ہوں۔ شہزادہ حسین رضی اللہ عنہ اس کو چاہتے تھے نا! اور حضور ﷺ اگر چشم حسین رضی اللہ عنہ سے ایک آنسو بھی ٹپک پڑتا تو کروبیان عرش کے دل دہل جاتے۔

❀ ایک دن چھوٹے شہزادے حسین رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز آئی۔ حضور ﷺ فوراً سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ فرمایا: بیٹی انہیں رُلایا نہ کرو۔ ان کے رونے سے میرے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔

❀ ایک دفعہ دونوں شہزادوں نے تختیاں لکھیں اور حضور اکرم ﷺ کے پاس آکے کہنے لگے۔

نانا جان بتایئے کس کا خط اچھا ہے۔ آپ ﷺ نے اس خیال سے کہ کسی کو

رنج نہ ہو۔ خود فیصلہ نہ فرمایا۔ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی خیال سے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا۔ سیّدہ نے فرمایا بیٹا میں خط کی بھلائی برائی کیا بتاؤں۔ یہ سات موتی ہیں۔ انہیں میں زمین پر رکھتی ہوں جو زیادہ اٹھا لے اسی کا خط اچھا ہے۔ دونوں نے تین تین موتی اٹھا لئے۔ قریب تھا کہ ایک بھائی چوتھا موتی بھی اٹھا لے کہ ناگاہ جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر موتی کے دو ٹکڑے کر دیئے اور آدھا آدھا موتی دونوں کے حصہ میں آ گیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو فرمایا۔

''اللہ اکبر! اللہ رب العزت کو آج ان پھولوں کی اتنی سی رنجیدگی بھی نامنظور ہے اور ایک دن وہ ہوگا کہ بھوکے پیاسے غریب الوطن زخموں سے چور میدان کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر حق کی خاطر اپنے حلقوم پر خنجر چلوائیں گے اور اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچائیں گے۔

رمضان المبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيرٍ وَاَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ۔

ترجمہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیدی کو چھوڑ دیتے اور ہر مانگنے والے کو دیتے ہر سائل کا سوال پورا فرماتے۔

رمضان شریف میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام دنوں سے زیادہ رحیم اور شفیق نظر آتے تھے۔ کوئی سائل اس زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس سے خالی نہ جاتا اور نہ کوئی قیدی اس زمانہ میں قید رہتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے اور لوگوں کو نفع پہنچانے کے اعتبار سے تمام لوگوں میں زیادہ سخی تھے۔ خصوصاً ماہ رمضان میں آپ کی سخاوت بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔



شہادت کے بعد

زمین کربلا میں سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے اور آپ نے اور آپ کے اہل بیت نے صبر و رضا کا جو امتحان دیا وہ دنیا کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ شک نہیں کہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے راہ حق میں وہ مصیبتیں اٹھائی ہیں جن کے تصور سے دل کانپ اٹھتا ہے مگر آپ کی یہ قربانی اور کمال جاں نثاری جہاں قوم مسلم کو حق و صداقت پر استقامت کی بہترین تعلیم دیتی ہے وہاں اس امر پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ ظلم و تشدد کا انجام برا ہی ہوتا ہے اور داعیان حق پر جب بھی ظلم کیا جاتا ہے اور حق کی آواز کو جس وقت بھی تشدد سے دبایا جاتا ہے تو کچھ عرصہ کیلئے بظاہر باطل کو فتح ہوتی ہے مگر حقیقی و سچی فتح بالآخر حق ہی کو ہوتی ہے اور باطل کے پرستار ذلت و نامرادی کی موت مرتے ہیں۔ چنانچہ واقعات مابعد شہادت جن کو میں نہایت اختصار کے ساتھ پیش کر رہا ہوں وہ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا وجود مبارک یزید کی بے قیدیوں کیلئے ایک زبردست محتسب تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک میں اس کو بے مہاری کا موقع میسر نہ آئے گا اور اس کی کسی کجروی اور گمراہی پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ صبر نہ فرمائیں گے۔ اس کو نظر آتا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے دیندار کا تازیانہ تعزیر ہر وقت اس کے سر پر گھوم رہا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اور بھی زیادہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جان کا دشمن تھا اور اسی لئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس کیلئے باعث

مسرت ہوگئی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سایہ اٹھنا تھا کہ یزید کھل کھیلا اور انواع و
اقسام کے معاصی کی گرم بازاری ہوگئی۔ زنا' لواطت' حرام کاری بھائی بہن کا بیاہ' سود'
شراب دھڑلے سے رائج ہوئی۔ نمازوں کی پابندی اٹھ گئی۔ نمرود سرکشی انتہا کو پہنچی
شیطنت نے یہاں تک زور کیا کہ مسلم ابن عقبہ کو بارہ ہزار یا بیس ہزار کا لشکرِ گراں
دے کر مدینہ طیبہ کی چڑھائی کیلئے بھیجا۔

۶۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس نامراد لشکر نے مدینہ طیبہ میں وہ طوفان برپا کیا کہ
العظمۃ للہ قتل وغارت اور طرح طرح کے مظالم' ہمسایگان رسول ﷺ پر کیے۔ وہاں
کے ساکنین کے گھر لوٹ لئے' سات سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا اور دوسرے عام
باشندے ملا کر دس ہزار سے زیادہ کو شہید کیا۔ لڑکوں کو قید کر لیا۔ ایسی ایسی بدتمیزیاں
کیں جن کا ذکر کرنا ناگوار ہے۔ مسجد نبوی کے ستونوں میں گھوڑے باندھے۔ تین دن
تک مسجد نبوی میں لوگ نماز سے مشرف نہ ہو سکے۔ صرف حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ
مجنون بن کر وہاں حاضر رہے۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یزیدیوں
کی ناشائستہ حرکات اس حد پر پہنچ گئیں کہ ہمیں اندیشہ ہونے لگا کہ ان کی بدکاریوں کی
وجہ سے کہیں آسمان سے پتھر نہ برسیں' پھر یہ لشکر شرارت اثر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ
ہوا۔ راستہ میں امیر لشکر مر گیا اور دوسرا شخص اس کا قائم مقام کیا گیا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر ان
بے دینوں نے منجنیق سے سنگ باری کی (منجنیق پھینکنے کا آلہ ہوتا ہے جس سے پتھر
پھینک کر مارا جاتا ہے۔ اس کی زد بڑی زبردست اور دور کی مار ہوتی ہے) اس سنگ
باری سے حرم شریف کا صحن مبارک پتھروں سے بھر گیا اور مسجد حرام کے ستون ٹوٹ
پڑے اور کعبۂ مقدسہ کے غلاف اور چھت کو ان بے دینوں نے جلا دیا۔ اسی چھت
میں اس دنبہ کے سینگ بھی تبرک کے طور پر محفوظ تھے جو سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
کے فدیہ میں قربانی کیا گیا تھا وہ بھی جل گئے۔ کعبۂ مقدسہ کئی روز بے لباس رہا اور

وہاں کے باشندے سخت مصیبت میں مبتلا رہے۔ آخرکار یزید پلید کو اللہ تعالیٰ نے
ہلاک فرمایا اور وہ بدنصیب تین برس سات مہینے تخت حکومت پر شیطنت کر کے پندرہ
ربیع الاول ۶۴ ہجری کو جس روز اس پلید کے حکم سے کعبۂ معظمہ کی بے حرمتی ہوئی تھی۔
شہر حمص ملک شام میں انتالیس برس کی عمر میں ہلاک ہوا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

ہنوز قتال جاری تھا کہ یزید ناپاک کی ہلاکت کی خبر پہنچی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ
نے ندا فرمائی کہ اے اہل شام تمہارا طاغوت ہلاک ہوگیا۔ یہ سن کر وہ لوگ ذلیل وخوار
ہوئے اور لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور وہ گروہ ناحق پژدہ خائب وخاسر ہوا۔ اہل مکہ کو ان
کے شر سے نجات ملی۔ اہل حجاز ویمن وعراق وخراسان نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
کے دست مبارک پر بیعت کی اور اہل مصر وشام نے معاویہ بن یزید کے ہاتھ پر۔

یہ معاویہ اگرچہ یزید پلید کی اولاد سے تھا مگر آدمی نیک اور صالح تھا۔ باپ کے
ناپاک افعال کو برا جانتا تھا۔ عنان حکومت ہاتھ میں لیتے وقت سے تا دم مرگ بیمار ہی
رہا اور کسی کام کی طرف اس نے نظر نہ ڈالی اور ۴۰ روز یا دو تین ماہ کی حکومت کے بعد
اکیس سال کی عمر میں مر گیا۔ آخر وقت میں اس سے کہا گیا کہ کسی کو خلیفہ کرے۔ اس کا
جواب اس نے یہ دیا کہ میں نے خلافت میں کوئی حلاوت نہیں پائی تو میں اس تلخی میں
کسی دوسرے کو کیوں مبتلا کروں۔

معاویہ بن یزید کے انتقال کے بعد اہل مصر وشام نے بھی حضرت عبداللہ بن
زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

مروان کا خروج

پھر مروان بن حکم نے خروج کیا اور اس کا شام ومصر پر قبضہ حاصل ہوا۔ ۶۵

ہجری میں اس کا انتقال ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا عبدالملک اس کا قائم مقام ہوا۔ عبدالملک کے عہد مختار بن عبید ثقفی نے عمرو بن سعد کو بلایا۔ ابن سعد کا بیٹا حفص حاضر ہوا۔ مختار نے دریافت کیا تیرا باپ کہاں ہے۔ کہنے لگا کہ وہ خلوت نشین ہو گیا ہے۔ گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اس پر مختار نے کہا کہ اب وہ یزید کی حکومت کہاں جس کی چاہت میں فرزند رسول سے بے وفائی کی تھی۔ اب کیوں اس سے دست بردار ہو کر گھر میں بیٹھا ہے۔ حضرت امام علیہ السلام کی شہادت کے روز کیوں خانہ نشین نہ ہوا۔

اس کے بعد مختار نے ابن سعد اس کے بیٹے اور شمر ناپاک کی گردن اُڑانے کا حکم دیا اور ان سب کے سر حضرت محمد بن حنفیہ برادر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے اور شمر کی لاش کو گھوڑوں کے پاؤں سے رندوا دیا جن سے اس کے سینہ اور پسلی کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں۔ شمر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے اور ابن سعد اس لشکر کا قافلہ سالار و کمان دار تھا' جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر مظالم کے طوفان توڑے تھے۔

آج ان ظالمانِ ستم شعار و مغروران نابکار کے سر تن سے جدا کر کے دشت بہ دشت پھرائے جا رہے ہیں اور دنیا میں کوئی ان کی بے کسی پر افسوس کرنے والا بھی نہیں۔ ہر شخص ملامت کرتا ہے اور نظر حقارت سے دیکھتا ہے' اور ان کی اس ذلت و رسوائی کی موت پر خوش ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے مختار کے اس کارنامہ پر اظہار فرح اور دشمنان امام حسین رضی اللہ عنہ سے بدلہ لینے پر مبارک باد دی۔

اس کے بعد

مختار نے ایک حکم عام دیا کہ کربلا میں جو جو شخص عمرو بن سعد کا شریک تھا۔ وہ جہاں پایا جائے مار ڈالا جائے۔ یہ سن کر کوفہ کے جفا شعار سورما بصرہ کو بھاگنا شروع ہوئے۔ مختار کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا۔ جس کو جہاں پایا مار دیا۔ لاشیں جلا ڈالیں'

گھر لوٹ لئے گئے۔

خولی بن یزید وہ خبیث ہے جس نے حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا سر مبارک تن اقدس سے جدا کیا تھا۔ یہ روسیاہ گرفتار کر کے مختار کے پاس لایا گیا۔ مختار نے پہلے اس کے چاروں ہاتھ پیر کٹوائے۔ پھر سولی چڑھایا۔ آخر میں آگ میں جھونک دیا۔ اسی طرح لشکر ابن سعد کے تمام اشرار کو طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ ہلاک کیا۔ چھ ہزار کوفی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے۔ ان کو مختار نے طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ ہلاک کیا۔

ابن زیاد کی ہلاکت

عبیداللہ بن زیاد یزید کی طرف سے کوفے کا والی (گورنر) مقرر کیا گیا تھا۔ اسی بدنہاد کے حکم سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کو یہ تمام ایذائیں پہنچائی گئیں۔ یہی ابن زیاد موصل میں تین ہزار فوج کے ساتھ اترا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو اس کے مقابلہ کیلئے ایک لشکر دے کر بھیجا۔ موصل سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا اور صبح سے شام تک خوب جنگ رہی۔ جب دن ختم ہونے والا تھا اور آفتاب قریب غروب تھا۔ اسی وقت ابراہیم کی فوج غالب آئی۔ ابن زیاد کو شکست ہوئی اور اس کے ہمراہی بھاگے ابراہیم نے حکم دیا کہ فوج مخالف میں سے جو ہاتھ آئے اس کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ بہت سے ہلاک کئے گئے۔ اسی ہنگامہ میں ابن زیاد بھی فرات کے کنارے محرم کی دسویں تاریخ کو ۶۷ ہجری میں مارا گیا اور اس کا سر کاٹ کر ابراہیم کے پاس بھیجا گیا۔ ابراہیم نے مختار کے پاس کوفہ بھجوایا۔ مختار نے دارالامارت کوفہ کو آراستہ کیا اور اہل کوفہ کو جمع کر کے ابن زیاد کا سر ناپاک اسی جگہ رکھوایا۔ جس جگہ اس مغرور حکومت و بندۂ دنیا نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک رکھا تھا۔ مختار نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے کہا

اے اہل کوفہ دیکھ لو۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون ناحق نے ابن زیاد کو نہ چھوڑا۔ آج اس نامراد کا سر اس ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں رکھا ہوا ہے۔ چھ سال ہو گئے ہیں وہی تاریخ ہے وہی جگہ ہے۔ خداوند عالم نے اس مغرور فرعون خصال کو ایسی ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا۔ اسی کوفہ اور اسی دارالحکومت میں اس بے دین کے قتل و ہلاک پر جشن منایا جا رہا ہے۔

ترمذی شریف میں ہے کہ جس وقت ابن زیاد اور اس کے سرداروں کے سر مختار کے سامنے لا کر رکھے گئے تو ایک بڑا سانپ نمودار ہوا۔ اس کی ہیبت سے لوگ ڈر گئے۔ وہ تمام سروں میں پھیرا۔ جب ابن زیاد کے سر کے پاس پہنچا تو اس کے نتھنوں میں گھس گیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اس کے منہ سے نکلا۔ اس طرح تین بار سانپ اس کے اندر داخل ہوا اور غائب ہو گیا۔ ابن زیاد' ابن سعد' شمر' قیس بن اشعث' کندی' خولی بن یزید' سنان ابن یزید' سنان ابن انس نخعی' عبداللہ بن قیس' یزید بن مالک اور باقی تمام اشقیا جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک اور شامل تھے۔ طرح طرح کی عقوبتوں سے قتل کئے گئے اور ان کی لاشیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرائی گئیں اور اس طرح حضور اکرم ﷺ کی وہ پیش گوئی سچی ہو گئی۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ خون امام حسین رضی اللہ عنہ کے بدلے ستر ہزار شقی مارے جائیں گے۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسین رضی اللہ عنہ کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

جلو میں رہِ عشق کے چند راہی' زرہ کی جگہ جن کا ملبوس سادہ
ترے عزمِ محکم کے قربان جاؤں یہ سامان اور کربلا کا ارادہ
ابھی تک وہی قبلۂ جان و دل ہے' ابھی تک وہیں عشق ہے سرنہادہ
ترے ذوق نے جو بنائی ہے منزل' ترے شوق نے جو تراشا ہے جادہ

شہادت کے نشے میں سرشار ہو کر' کیا تو نے جب کربلا کا ارادہ
ترے سامنے تھی اجل سرفگندہ' ترے سامنے تھی قضا سرنہادہ
وہ دشتِ بلاء وہ قیامت کا منظر' وہ لاشوں کے انبار اللہ اکبر
ادھر سائے میں شمر کا لاؤ لشکر' ادھر دھوپ میں ہاشمی خانوادہ
یہ تیرا کرم تھا کہ سر دے کے تو نے' کیا زندہ روحِ صداقت کو ورنہ
سیاست تھی خود بینی و خود نمائی' صداقت پہ تھا مصلحت کا لبادہ
محبت کی تفسیر ہے خون تیرا' ہے فطرت کو مطلوب مضمون تیرا
جو تیری زباں پر تھا حرفِ صداقت' جہاں کر رہا ہے اسی کا اعادہ



مشاہیر اسلام کے دن

عید میلادالنبی ﷺ ' یوم خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ' مجالس شہادت
اعراس بزرگان دین رحمہم اللہ ' فاتحہ ایصال ثواب

مسلمانوں کا یہ طریقہ ہے اور مفید بھی ہے کہ وہ مشاہیر اسلام یعنی ان بزرگان دین کی یاد مناتے ہیں جنہوں نے دین متین کی ترویج و اشاعت تبلیغ حق اور ملک وملت کی خدمت میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ اسی طرح اہم تاریخی واقعات کی یاد بھی منائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ تقریبات اور یادیں بامقصد ہوں اور حدود شریعت کے اندر رہ کر ان کا اہتمام کیا جائے تو یہ تقاریب دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اسی طرح بزرگان دین کے عرس فاتحہ سوئم گیارھویں شریف وغیرہ وفات شدہ مسلمانوں کو ایصال ثواب کی صورتیں اور ان کی یاد کی مجالس ہیں۔ بعض لوگ ان تقریبات کو بدعت و حرام و ناجائز قرار دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑی زیادتی ہے جب کہ کتاب وسنت سے یہ واضح ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور جب تک کتاب و سنت سے کسی فعل کی ممانعت ثابت نہ ہو۔ اس کو حرام یا بدعت قرار دینا اللہ و رسول ﷺ پر افتراء کے مترادف ہے۔

❀ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِیْ كِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِیْ كِتَابِهٖ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفٰى عَنْهُ۔ (ترمذی شریف ص ۲۰۶)

حلال وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن وحدیث) میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے سکوت کیا تو وہ ان سے ہے جس کی معافی دی گئی۔ (یعنی وہ چیز مباح ہے)

اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ایں دلیل است برآں کہ اصل در اشیاء اباحت است۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۰۶)

نیز فقہاء کرام اسی حدیث کی بناء پر تصریح فرماتے ہیں۔

بِاَنَّ الْاَصْلَ الْاِبَاحَةُ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ۔

(حموی ص ۸۷ در مختار ج ۱ ص ۴۷ رد المحتار ج ۱ ص ۸۷ میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۸)

تمام حنفیوں اور شافعیوں کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

ان حوالہ جات سے واضح ہوا کہ کسی فعل کو ناجائز حرام اور بدعت قرار دینے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے اور کسی فعل کو جائز ومباح قرار دینے کیلئے دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح وفات شدہ مسلمانوں کو ایصال ثواب کرنا کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ فقہ کی مشہور ومعروف کتاب میں یہ تصریح ہے کہ

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَهٗ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ صَلٰوةً اَوْ صَوْمًا اَوْ صَدَقَةً اَوْ غَيْرَهَا عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَيَصِلُ ذَالِكَ اِلَى الْمَيِّتِ وَيَنْفَعُهٗ اَلْاِجْمَاعُ عَلٰى اَنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ الْمَيِّتَ۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۲۹۶ طحطاوی ص ۳۴۳ شامی ج ۲ ص ۲۴۲ شرح فقہ اکبر ص ۱۱۸ شرح عقائد ص ۲۴۰ شرح الصدور ص ۱۲۷)

اہلسنت جماعت کے نزدیک آدمی اپنے نیک عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے۔ وہ نیک عمل خواہ نماز ہو یا روزہ حج یا صدقہ یا ان کے علاوہ کوئی نیک عمل (جیسے

قرآن، ذکر الٰہی، درود شریف، کلمہ طیبہ شریف وغیرہ) تو یہ نیک عمل میت کو پہنچے گا اور نفع دے گا۔ اس پر اجماع ہے کہ دعا میت کو نفع دیتی ہے۔

وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْئٌ۔ (ردالمحتار شامی ج ۲ ص ۳۰)

اور جو کوئی اپنے عمل کا ثواب کسی فوت شدہ کو پہنچائے گا وہ اس کا ثواب اس کو پہنچے گا مگر اس کے اپنے اجر سے کچھ کم نہ ہوگا۔

❀ حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ سے مروی ہے فرمایا جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ فاتحہ اور معوذتین اور قل ھو اللہ احد پڑھا کرو۔ اور اس کا ثواب

وَاجْعَلُوْا ذَالِكَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ فَاِنَّهٗ يَصِلُ اِلَيْهِمْ۔

(شرح الصدور ص ۱۳۰)

قبرستان والوں کو پہنچاؤ۔ بیشک وہ انہیں پہنچتا ہے۔

❀ جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم دو بکریاں ذبح کرتے اور

اَحَدَهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخِرُ عَنْ نَفْسِهٖ۔

(ترمذی ص ۸۴)

قربانی کیا کرتے ایک نبی ﷺ کی جانب سے اور ایک اپنی طرف سے۔

اسی طرح بعد از وفات بھی ایصال ثواب کے طور پر بزرگان دین کیلئے کسی چیز کا مقرر کرنا عہد رسالت مآب ﷺ میں پایا گیا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ

اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ. قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶۹، رواہ ابوداؤد والنسائی)

سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا کون سا صدقہ بہتر ہوگا۔ فرمایا پانی بہتر رہے گا تو انہوں نے ایک کنواں کھدوا دیا اور یہ کہہ دیا کہ یہ کنواں سعد کی ماں کا ہے۔

اگر کسی وصال یافتہ بزرگ کیلئے کسی چیز کا نامزد کرنا موجب حرمت قرار دیا جائے تو معاذ اللہ وہ کنواں جو حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا کے نام پر مشہور ہو گیا تھا حرام اور اس کا پانی نجس قرار پائے گا۔ العیاذ باللہ

❀ علامہ مُلا علی قاری علیہ الرحمہ شرح شفا میں ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عارف باللہ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث پہنچی۔

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَرَّةٍ غُفِرَ وَكُنْتُ ذَكَرْتُ هٰذَا الْعَدَدَ وَمَا عَيَّنْتُهٗ۔

کہ جس نے کلمہ طیبہ ستر ہزار بار پڑھا تو وہ بخش دیا جائے گا تو جس نے ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا لیکن اس کا ثواب کسی کو بخشا نہ تھا۔

تو میں ایک دعوت میں ایک جوان کے ساتھ شریک ہوا (جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ صاحب کشف ہے) جب کھانا سامنے آیا تو وہ جوان رونے لگا۔ میں نے اس جوان سے رونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ میں اپنے والدین کو عذاب میں مبتلا دیکھ رہا ہوں۔ یہ سن کر میں نے اپنے دل میں ستر ہزار بار کلمہ شریف کا ثواب اس نوجوان کے والدین کو بخش دیا۔ اب وہ نوجوان ہنسنے لگا میں نے اس سے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا۔

اُرْتُفِعَ عَنْهُمَا الْعَذَابُ۔

(اب) میرے والدین سے عذاب اٹھا لیا گیا ہے۔

❀ حضرت ابن عربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی مذکورہ بالا حدیث کا عملی مظاہرہ اس نوجوان کے کشف سے جانا اور مجھ پر اس نوجوان کا صاحب کشف ومشاہدہ ہونا۔ اس حدیث سے واضح ہوا۔ (شرح شفا ج ۲ ص ۳۹۹)



بالکل ایسا ہی واقعہ مولوی قاسم نانوتوی دیوبندی نے اپنی کتاب تحذیر الناس ص ۳۸ میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نقل کیا ہے۔

كَانَتِ الْاَنْصَارُ اِذَا مَاتَ لَهُمُ الْمَيِّتُ اجْتَمَعُوْا اِلٰى قَبْرِهٖ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ (شرح الصدور ص ۱۳۰)

انصار (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی فوت ہو جاتا تو وہ لوگ جمع ہو کر اس کی قبر کی طرف پہنچے اور اس کیلئے قرآن شریف (برائے ایصال ثواب) پڑھا کرتے تھے۔

❀ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کا سوم ہوا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

روز سوم کثرت ہجوم مردم آن قدر بود کہ بیرون از حساب است ہشتاد و یک ختم کلام اللہ بہ شمار آمد و زیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حصر نیست۔ (ملفوظات عزیزی ص ۸۰)

تیسرے روز آدمیوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ حساب سے باہر ہے اکیاسی ختم کلام اللہ تو شمار میں آئے اور اس سے زیادہ ہی ہوئے ہوں گے اور کلمہ طیبہ شریف کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔

❀ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَكْثِرُوْا فِی الْجَنَازَةِ قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (جامع صغیر ص ۸۰ ج ۱)

کہ جنازہ میں کلمہ طیبہ زیادہ پڑھا کرو۔

❀ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص قبرستان میں سورہ یٰسین پڑھے تو اللہ تعالیٰ

فَقَرَأَ يٰسٓ. خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَكَانَ لَهٗ بِعَدَدِ مَنْ فِيْهَا حَسَنَاتٌ۔

(شرح الصدور ص ۱۳۰)

ان اہل قبور سے تخفیف عذاب کر دے گا اور اس کو (سورہ یٰسین کے حروف)

کے مقدار نیکیاں ملیں گی۔

❀ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بحضور نبوی ﷺ حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر میں اپنی فوت شدہ والدہ کو ایصال ثواب کیلئے کوئی چیز صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع دے گی؟ قَالَ نَعَمْ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی تو میں آپ ﷺ کو اس پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ مخراف ان کے ایصال ثواب کیلئے صدقہ کر دیا۔ (بخاری شرح الصدور ص ۱۲۸)

❀ حضرت جابر صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے عید الضحیٰ کا خطبہ دیا اور منبر سے اترے تو ایک بکری (برائے قربانی عید الضحیٰ) بحضور نبوی پیش کی گئی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح فرمایا اور فرمایا: هٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ (ابوداؤد، ترمذی) یہ قربانی میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے جو (بوجہ غربت) قربانی نہ کر سکیں۔

ان حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ بزرگان دین اور وفات شدہ مسلمانوں کو ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ یہ تقاریب خلاف شرع امور سے پاک ہونی چاہئیں۔ عرس۔ مشاہیر کے دن۔ تاریخ اسلام کے اہم واقعات کی یاد منانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسلام کی ان مقتدر شخصیات کی سیرت و صورت، اخلاق و تعلیم سے عوام کو روشناس کرایا جائے تاکہ ان بزرگان دین کے اسوہ کو اختیار کرنے کی مسلمانوں میں تڑپ پیدا ہو۔ اسی طرح تاریخی واقعات کو منانے کا مدعا یہ ہونا چاہیے کہ افرادِ امت سبق حاصل کریں اور ان میں عمل کا جذبہ پیدا ہو۔ اس ضمن میں بزرگوں کو ایصالِ ثواب کیلئے قرآن خوانی، کلمہ شریف کا ورد، درود شریف، قرآن کریم کی تلاوت، حاضرین میں شرینی و کھانے وغیرہ کی تقسیم کا حسب توفیق اہتمام کیا جائے۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

یوم سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

۵ ربیع الاوّل

۱) سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے صاحبزادے اور حضور سیّد المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس نواسے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابومحمد ہے۔ رمضان المبارک کی ۱۵ تاریخ ۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور بعمر ۴۷ سال ۵۰ ہجری یا ۴۹ ہجری میں وصال فرمایا اور جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں دفن ہوئے۔

۲) آپ شکل و شباہت چال ڈھال اور رنگ و روپ میں حضور ﷺ کے بہت مشابہ تھے۔ بڑے عابد زاہد تھے۔ راہ خدا میں دو مرتبہ اپنا آدھا مال صدقہ کیا اور ۲۵ حج پیدل کئے۔ بہت ہی سخی حلیم ذی وقار اور صاحب حشمت تھے۔

۳) زندگی بھر فحش کلمہ زبان سے نہیں نکالا۔ لڑائی جھگڑا اور فتنہ وفساد کو بہت برا سمجھتے تھے اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد سات ماہ تک مسند خلافت پر متمکن رہے۔ جب اہل کوفہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی شکل پیدا ہوگئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی باہم لڑائی اور خونریزی کو پسند نہ کیا اور چند شرائط کے ساتھ خلافت جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی اور صلح ہوگئی اور حضور ﷺ کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرا بیٹا حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

۴) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے

ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ بیعت کرنے والے چالیس ہزار تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا کام جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ۱۵ جمادی الاولیٰ ۴۱ ہجری میں سپرد کیا تھا۔

۵) حضرت سیّدنا امام حسن علیہ السلام سے آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حسن بن حسن، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک بڑی جماعت نے حدیث روایت کی ہے اور آپ رضی اللہ عنہ سے ۱۳ حدیثیں مروی ہیں۔

۶) کرمانی شرح بخاری میں ہے آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب بے حد و بے شمار ہیں۔ حضور سیّد عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ وہ فرشتہ جو آج سے قبل زمین پر نازل نہیں ہوا اس نے مجھے منجانب اللہ بشارت دی ہے۔

اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ (ترمذی شریف)

حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

حضور ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کندھوں پر بٹھایا تو کسی نے کہا سواری بڑی شاندار ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔ (حاکم)

بوقت سجدہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی پیٹھ پر چلے جاتے تو حضور اکرم ﷺ اس وقت تک سر اقدس نہیں اٹھاتے تھے جب تک حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اتر نہ جاتے۔

۷) آپ کا نام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت جبرئیل علیہ السلام کی عرض پر رکھا گیا۔ سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ائمہ اثنا عشر میں امام دوم ہیں لقب تقی وسیّد عرف سبط رسول اور آخر الخلفاء بالنص بھی آپ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ (ترمذی) سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بہت عابد زاہد متقی، پرہیزگار سخی، فیاض نہایت حلیم اور صاحب وقار تھے۔ فتنہ وفساد اور خون ریزی سے آپ کو نفرت تھی۔ اسی بنا پر آپ نے

چند ماہ چند روز کوفہ میں امور خلافت انجام دے کر امیر خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ سالانہ جناب حسن رضی اللہ عنہ کیلئے مقرر تھا۔ آپ کی شہادت زہر کے اثر سے ہوئی آپ رضی اللہ عنہ کو کس نے زہر دیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق صرف یہ فرمایا جس پر میرا شبہ ہے اگر وہی ہے تو اللہ تعالیٰ سخت انتقام لینے والا ہے ورنہ میرے واسطے کوئی کیوں؟ ناحق قتل کیا جائے۔ ۵ ربیع الاوّل ۵۰ ہجری تاریخ وفات ہے۔





عید میلاد النبی ﷺ

۱۲ ربیع الاوّل

اللہ رب العزت جل مجدہ ' کا سب سے بڑا فضل اور سب سے بڑی نعمت حضور سرور عالم ﷺ کی ولادت مبارکہ اور بعثت طیبہ ہے اور آپ کی تشریف آوری پر مسرت وشادمانی کے اظہار آپ کے حالات وکمالات' فضائل ومعجزات بیان کرنے کا نام عید میلاد النبی ﷺ ہے جو مسلمانوں کی حقیقی عید ہے اور دنیا وآخرت کی تمام عیدیں اسی صبح امید کی مرہون منت ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ ماثبت بالسنہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

شب میلاد لیلۃ القدر سے افضل

شب میلاد مبارک لیلۃ القدر سے بلاشبہ افضل ہے اس لئے کہ میلاد کی رات خود حضور اکرم ﷺ کے ظہور کی رات ہے اور شب قدر حضور اکرم ﷺ کو عطا کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جس رات کو ذات مقدسہ سے شرف ملا وہ اس رات سے ضرور افضل قرار پائے گی جو حضور ﷺ کو دیئے جانے کی وجہ سے شرف والی ہے نیز لیلۃ القدر نزول ملائکہ کی وجہ سے مشرف ہوئی اور لیلۃ المیلاد بنفس نفیس حضور ﷺ کے ظہور مبارک سے شرف یاب ہوئی اور اس لئے بھی کہ لیلۃ القدر میں حضور اکرم ﷺ کی امت پر فضل واحسان ہے اور لیلۃ المیلاد میں تمام موجودات عالم پر اللہ تعالیٰ نے فضل واحسان فرمایا کیونکہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی

نعمتیں تمام خلائق اہل السمٰوات والارضین پر عام ہوگئیں"۔ (ماثبت بالسنہ ص ۷۸)

نیز امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مواہب اللدنیہ جلد اول ص ۲۶، ۲۷ پر لیلۃ القدر پر شب میلاد کے افضل ہونے پر بھی دلائل قائم فرمائے اور اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے وقت ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے آکر ابولہب کو خبر دی کہ تیرے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ کے گھر فرزند (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے ہیں۔ ابولہب سن کر اتنا خوش ہوا کہ انگلی کا اشارہ کر کے کہنے لگا ثویبہ! جا۔ آج سے تو آزاد ہے"۔

سب مسلمان جانتے ہیں کہ ابولہب کافر تھا۔ قرآن کریم میں پوری سورۃ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ اس کی مذمت میں موجود ہے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کرنے کا جو فائدہ اس کو ہوا وہ سنیے۔

فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْلَهَبٍ فَرَاٰهُ بَعْضُ اَهْلِهٖ بِشَرِّ حَسِيْبَةٍ قَالَ لَهٗ مَاذَا لَقِيْتَ؟ قَالَ اَبُوْلَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَكُمْ خَيْرًا اِلَّا اِنِّيْ سُقِيْتُ فِيْ هٰذِهٖ بِعِتَاقَتِيْ ثُوَيْبَةَ۔ (بخاری شریف)

کہ جب ابولہب مرا تو اس کے گھر والوں نے اس کو خواب میں بہت برے حال میں دیکھا۔ پوچھا۔ کیا گزری؟ ابولہب نے کہا تم سے علیحدہ ہو کر مجھے خیر نصیب نہیں ہوئی۔ ہاں مجھے اس (کلمے کی) انگلی سے پانی ملتا ہے (جس سے میرے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ میں نے اس انگلی کے اشارے سے) ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔

بخاری شریف میں ہے۔

قَالَ عُرْوَةُ ثُوَيْبَةُ مَوْلَاةٌ لِاَبِيْ لَهَبٍ كَانَ اَبُوْلَهَبٍ اَعْتَقَهَا فَاَرْضَعَتْ النَّبِيَّ صلی اللّٰه علیه وسلم فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْلَهَبٍ اُرِيَهٗ بَعْضُ اَهْلِهٖ بِشَرِّ حِيْبَةٍ قَالَ لَهٗ مَاذَا لَقِيْتَ قَالَ اَبُوْلَهَبٍ لَمْ الق بعدکم غیر فی سُقِيْتُ فِيْ

ھذہ لعتاقتی ثویبۃ۔ (بخاری شریف ج ا ص ۷۶۴)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ثویبہ ابولہب کی باندی تھی جسے اس نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی میں) آزاد کر دیا تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ بھی پلایا۔ ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے بعد اہل (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) نے اسے بہت بری حالت میں خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا مرنے کے بعد تیرا کیا حال رہا ابولہب نے کہا تم سے جدا ہو کر میں نے کوئی راحت نہیں پائی سوائے اس کے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی میں) ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔

ذکر السھیلی ان القیاس قال لما مات ابولھب رایتہ فی منامی بعد حول فی شر حال فقال ما بقت بعدکم راحتہ الا ان العذاب یخفف عنی فی کل یوم اثنین قال وذالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولد یوم الاثنین وکانت ثوبیۃ بشرت ابالھب بمولدہ فاعتقھا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۸)

سہیلی نے ذکر کیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابولہب جب مر گیا تو میں نے ایک سال بعد اسے خواب میں دیکھا کہ وہ بہت بُرے حال میں ہے اور کہہ رہا ہے کہ تمہارے بعد مجھے کوئی راحت نصیب نہیں ہوئی لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ہر پیر کے دن مجھ سے عذاب کی تخفیف کی جاتی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے اور ثویبہ نے ابولہب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوش خبر سنائی تو ابولہب نے اسے آزاد کر دیا تھا"۔

یہ حدیث عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری طبع جدید ج ۲۰ ص ۹۵ پر علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ارقام فرمائی۔

غور فرمایئے! ابولہب کافر تھا۔ ہم مومن، وہ دشمن خدا، ہم غلام، اس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی نہ کہ رسول اکرم ﷺ کے پیدا ہونے کی۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیدا ہونے کی خوشی کرتے ہیں۔ جب دشمن اور کافر کو خوشی کرنے کا اتنا فائدہ پہنچ رہا ہے تو غلاموں کو کتنا فائدہ پہنچے گا۔

دوستاں را کجا کنی محروم — کہ با دشمناں ہم نظر داری

شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

دریں جا سند است مر اہلِ موالید را کہ در شب میلاد آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم سرور کنند و بذلِ اموال نمایند یعنی ابولہب کہ کافر بود چوں بسرور میلاد آنحضرت و بذل شیر جاریہ دے بجہت آنحضرت جزا دادہ شد تا حال مسلماں کہ مملواست بمحبت و سرور و بذل مال در دے چہ باشد ولیکن باید کہ از بدعت ہا کہ عوام احداث کردہ انداز تغنی و آلات محرمہ، منکرات خالی باشد۔

اس واقعہ میں میلاد شریف کرنے والوں کیلئے روشن دلیل ہے جو سرور عالم نور مجسم ﷺ کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب کافر تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو حضور اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشی میں محبت سے بھرپور ہو کر مال خرچ کرتا ہے اور میلاد شریف کرتا ہے لیکن چاہیے کہ محفل میلاد شریف عوام کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں سے خالی ہو۔

عید میلاد النبی ﷺ کی خوشی منانا

بعض لوگ عید میلاد شریف کی محفل منعقد کرنے اور ربیع الاول میں خیرات و صدقات و اظہارِ فرحت و سرور کو بدعت سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ امام

قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری مواہب اللدنیہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

ولازال اهل الاسلام يحتفلون بشهر مولده صلى الله عليه وسلم ويعملون الولائم ويتصدقون فى لياليه بانواع الصدقات ويظهرون السرور ويزيدون فى المبرات ويعتنون بقرأة مولده الكريم ويظهر عليهم من بركاته كل فضل عميم ومما جرب من خواصه انه امان فى ذالك العام وبشرىٰ عاجلة بنيل البغية والمرام فرحم الله امرأً اتخذ ليالى شهر مولده المبارك اعياداً ليكون اشد علة على من فى قلبه مرض و عناد ولقد اطنب ابن الحاج فى المدخل فى الاذكار على ما احدثه الناس من البدع والاهواء والغناء بالالات المحرمة عند عمل المولد الشريف فان الله تعالىٰ يثيبه على قصده الجميل ويسلك بنا سبيل السنة فانه حسبنا ونعم الوكيل۔ (مواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۷ مطبوعہ مصر)

حضور اکرم ﷺ کی پیدائش کے مہینے میں اہل اسلام ہمیشہ سے محفلیں منعقد کرتے چلے آئے ہیں اور خوشی کے ساتھ کھانے پکاتے رہے اور دعوت طعام کرتے رہے ہیں اور ان راتوں میں انواع واقسام کی خیرات کرتے رہے اور سرور ظاہر کرتے چلے آئے ہیں اور نیک کاموں میں ہمیشہ زیادتی کرتے رہے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے مولد کریم کی قرأت کا اہتمام خاص کرتے رہے ہیں جس کی برکتوں سے ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل ظاہر ہوتا رہا ہے اور اس کے خواص سے یہ امر مجرب ہے کہ انعقاد محفل میلاد اس سال میں موجب امن وامان ہوتا ہے اور ہر مقصود ومراد پانے کیلئے جلدی آنے والی خوشخبری ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر بہت رحمتیں فرمائے جس نے ماہ میلاد مبارک کی ہر رات کو عید بنا لیا تاکہ یہ عید میلاد سخت ترین علت ومصیبت ہو جائے۔ اس شخص پر جس کے دل میں مرض وعناد ہے اور علامہ ابن الحاج نے مدخل میں طویل کلام کیا ہے۔

ان چیزوں پر انکار کرتے ہیں جو لوگوں نے بدعتیں اور نفسانی خواہشیں پیدا کر دی ہیں اور آلات محرمہ کے ساتھ عمل مولود شریف میں غنا کو شامل کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے قصد جمیل پر ثواب دے اور ہمیں سنت کی راہ پر چلائے۔ بیشک وہ ہمیں کافی ہے اور بہت ہی اچھا وکیل ہے''۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱) ماہ میلاد (ربیع الاوّل) میں انعقاد محفل میلاد اہل اسلام کا طریقہ رہا ہے۔

۲) کھانے پکانے کا اہتمام انواع واقسام کے خیرات وصدقات ماہ میلاد کی راتوں میں اہل اسلام ہمیشہ کرتے رہے ہیں۔

۳) ماہ ربیع الاوّل میں خوشی ومسرت وسرور کا اظہار شعار مسلمین ہے۔

۴) ماہ میلاد کی راتوں میں زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنا مسلمانوں کا پسندیدہ طریقہ چلا آیا ہے۔

۵) ماہ ربیع الاوّل میں میلاد شریف پڑھنا اور قرأت میلاد پاک کا اہتمام خاص کرنا مسلمانوں کا محبوب طرز عمل رہا ہے۔

۶) میلاد کی برکتوں سے میلاد کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل عمیم ہمیشہ سے ظاہر ہوتا چلا آیا ہے۔

۷) محفلِ میلاد کے خواص سے یہ مجرب خاصہ ہے کہ جس سال میں محافل میلاد منعقد کی جائیں وہ تمام سال امن وامان سے گزرتا ہے۔

۸) انعقاد محافلِ میلاد مقصود ومطلب پانے کیلئے بشریٰ عاجلہ (جلد آنے والی خوشخبری) ہے۔

۹) میلاد مبارک کی راتوں کو عید منانے والے مسلمان اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے اہل ہیں۔

یوم حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ

۱۱ ربیع الثانی

حضرت سیّدنا غوث الاعظم حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی رحمۃ اللہ علیہ حسنی حسینی سیّد ہیں روئے زمین پر کوئی ملک ایسا نہیں جہاں آپ کے مرید موجود نہ ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے پہلے اکثر بزرگان دین نے لوگوں کو غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کی بشارت سنا کر مشتاق زیارت بنا دیا تھا۔

۱) شیخ ابو محمد بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک ۴۳۸ ہجری میں وعظ کرتے ہوئے ایک جلسہ میں ارشاد فرمایا وہ دن دور نہیں جب کہ عراق میں ایک غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوگا جس کا اسم گرامی عبدالقادر اور لقب محی الدین ہوگا اور وہ اپنے کارناموں سے ایک انقلاب عظیم پیدا کرے گا۔ (اذکار الاسرار)

۲) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا پانچویں صدی میں گیلان میں ایک غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوگا جس کا نام نامی عبدالقادر اور لقب محی الدین ہوگا۔ سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کے والد ماجد سید ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک ولی کامل تھے۔ آپ کا لقب دوست تھا۔ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ بھی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں اور انہیں تقرب الی اللہ حاصل تھا۔ ان ہر دو کے (یعنی غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے والدین) عقد نکاح کے حالات ہر طرح ایمان افروز ہیں۔

دریا کے کنارے

روایت ہے کہ سیّد ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ دریا کے کنارے عبادت میں مشغول تھے۔

تین دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ناگہانی ایک سیب دریا میں بہتا نظر آیا۔ بسم اللہ کہہ کر اٹھایا اور کھالیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ضمیر نے اس عمل کو خیانت پر مبنی سمجھا۔ چنانچہ مالک سیب کی تلاش اور حصول اجازت کی خاطر دریا کے کنارے کنارے سفر کر کے ایک وسیع باغ کا پتہ چلایا۔ جہاں ایک تناور درخت تھا۔ اس کی شاخوں سے پکے ہوئے سیب لگے تھے۔ باغ کے مالک حضرت سیّد عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ رئیس جیلان کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا سنایا اور خواستگار معافی ہوئے۔ چونکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان کی سعادت اور منزلت سے مطلع ہو گئے تھے اس لئے آپ کے جی میں آیا کہ انہیں اپنے پاس رکھ کر قرب الٰہی کی اعلیٰ منازل طے کراؤں۔ چنانچہ فرمادیا کہ دس سال تک اس باغ کی رکھوالی کرو تب بلا اجازت سیب کھانے پر معافی کے بارے میں سوچوں گا۔ حضرت ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ نے رضاء الٰہی کی خاطر یہ شرط فوراً منظور کر لی اور دس سال تک حضرت عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر اعلیٰ مدارج سلوک طے کرتے رہے پھر معافی چاہی تو دو سال کا اضافہ فرمادیا گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بارہ سال بڑی خوش خرمی کے ساتھ گزار دیئے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ خود ایک مرد کامل اور رہبر صحیح کے متلاشی تھے۔ بارہ سال گزرنے پر جناب عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ نے خود طلب کر کے ارشاد فرمایا کہ ماشاء اللہ تم آزمائش کی کسوٹی پر پورے اترے۔ اب ایک خدمت اور باقی ہے وہ یہ کہ میری ایک لڑکی ہے جو پاؤں سے لنگڑی' ہاتھوں سے لنجی' کانوں سے بہری اور آنکھوں سے اندھی ہے۔ اس بیچاری کو تم اپنے نکاح میں قبول کر لو۔ چنانچہ حضرت ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ نے بلا اجازت سیب کھا لینے کی معافی کی خاطر یہ بات بھی بخوشی منظور کر لی اور اس طرح سیّدہ فاطمہ بنت عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا نکاح ہو گیا۔ شادی کے بعد بیوی کو دیکھا کہ چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے۔ اعضاء صحیح اور درست ہیں۔ دل میں وسوسہ آیا کہ مبادا یہ کوئی اور لڑکی ہو۔ فوراً پریشان حال باہر

نکل آئے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اپنی فراست باطنی سے سب کچھ جان گئے۔ فرمایا اے بیٹے میں نے جو صفات اپنی لڑکی کی تم سے بیان کی تھیں وہ سب صحیح ہیں۔ آج تک اس نے کسی نامحرم پر نظر نہیں ڈالی اس لئے اندھی ہے۔ نہ خلاف حق کوئی بات سنی ہے اس لئے بہری ہے۔ نہ خلاف شرع کوئی کام کیا اس لئے لنگڑی لنجی ہے۔ شیخ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ سب کچھ سمجھ گئے اور ان کے دل میں اپنی بیوی کیلئے کمال درجہ محبت اور عزت پیدا ہو گئی۔ اس طرح ان دونوں پاکباز ہستیوں کی رفاقت حیات کا آغاز ہوا۔

(۳) حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت اپنا سجادہ ایک مرید خاص کے سپرد کر کے وصیت کی کہ اس کو بحفاظت تمام رکھنا اگر زندگی وفا کرے تو خود اصالتاً حاضر ہو کر یہ سجادہ سیّد عبدالقادر جیلانی کے سپرد کرنا۔ اگر زندگی وفا نہ کرے تو اپنے کسی معتمد مرید کو دے کر ہدایت کرنا کہ وہ حق دار کو حق پہنچا دے چنانچہ شوال ۴۹۷ ہجری میں ایک عارف باللہ نے حاضر خدمت ہو کر یہ سجادہ آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔

پیدائش

مناقب غوثیہ میں لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد محترم نے پیدائش کی رات کو خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ مع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین و اولیائے کبار تشریف فرما ہیں۔ ان کے انوار و تجلیات سے تمام گھر بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ تمہیں بشارت ہو کہ آج اللہ رب العزت تمہیں وہ جلیل القدر فرزند عطا کرنے والا ہے جو غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور سرتاج اولیاء ہوگا۔ آپ یہ مبارک خواب دیکھ اٹھے اور سجدۂ شکر بجالائے۔

حضور سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ یکم رمضان المبارک ۴۷۱ ہجری کو کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے' کہتے ہیں اس رات جیلان میں جتنے لڑکے پیدا ہوئے آگے

چل کر سب کے سب ولی اللہ ہوئے۔ رمضان کے مہینہ میں آپ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ محترمہ کا دودھ نہ پیتے تھے۔ گویا یہ مادرزاد ولی روزہ دار پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت

ابھی اچھی طرح ہوش بھی سنبھالنے نہ پائے تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی تربیت سیّد عبداللہ صومعی رضی اللہ عنہ نے کی۔ ماں کی دیکھا دیکھی نماز بھی پڑھنے لگے بے حد مؤدب خلیق واقع ہوئے تھے۔ بچپن ہی میں آپ کو حق گوئی حق نوازی، راستبازی ایثار وخلوص، جدوجہد غربا پروری، صبر وتوکل، زہد وتواضع کی تعلیم وتربیت دی گئی تھی۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل علیہ السلام کو آداب فرزندی

جب آپ رضی اللہ عنہ تحصیل علم کیلئے بغداد جانے لگے تو والدہ محترمہ نے رخصت کرتے ہوئے نصیحت کی ''براستی باش جمیع احوال'' اور بطور زادراہ چالیس دینار بھی بغل میں سی دیئے۔ ہمدان سے آگے بڑھے تو قافلہ کو ڈاکوؤں نے روک لیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ اتفاقاً ایک ڈاکو نے آپ سے پوچھا۔ لڑکے تیرے پاس کیا ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس دینار۔ پوچھا کہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا بغل میں سیئے ہوئے ہیں۔ اتنے میں دوسرا ڈاکو آ گیا اس کے پوچھنے پر بھی وہی جواب دیا انہوں نے سردار کو جا کر خبر کر دی تو اس نے حکم دیا کہ لڑکے کو فوراً حاضر کیا جائے۔ جب آپ حاضر ہوئے تو کہا ''با خود چہ داری'' جواب دیا۔ چہل دینار۔ سردار نے پوچھا۔ کجا است؟ درجامۂ من دوختہ است، زیر بغل من ...... سردار کے حکم پر تلاشی لی گئی تو دینار برآمد ہو گئے۔ ڈاکو اور ان کا سردار حیران ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ کچھ دیر تک تحیر کا عالم طاری رہا۔ آپ کی امانت وصداقت سے متاثر ہو کر تمام ڈاکوؤں نے آپ کے

دست حق پرست پر توبہ وبیعت کی اور ان کا شمار اولیاء کاملین میں ہوا۔

تمام علوم عالیہ اسلامیہ فقہ، تفسیر اصول وغیرہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مجاہدات وریاضات کا دور شروع ہو گیا اور تقریباً ۲۵ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد ۵۲۱ ہجری میں درس وتدریس وعظ ونصائح اور پند وموعظت کا کام شروع کر دیا اور پانچ برس کے اندر اندر ہی عالمگیر شہرت حاصل کر لی۔

آپ کا وعظ صرف مسلمانوں کیلئے ہی مسحور کن نہیں ہوتا تھا بلکہ غیر مسلم بھی اس سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ معان نامی راہب نے مجلس وعظ ہی میں مجمع عام کے روبرو آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ آپ کا مشہور مقولہ قَدَمِیْ هٰذِهٖ علٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيِّ اللّٰهِ۔

بہجۃ الاسرار کی روایت کے مطابق تقریر کرتے ہوئے یکا یک آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے۔ اس وقت جو مشائخ وہاں موجود تھے انہوں نے بھی سر جھکا دیئے۔ نیز عراق وعجم وعرب کے تمام اولیاء اللہ نے اپنی اپنی گردنیں جھکا دیں۔ سب سے پہلے حضرت شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے منبر کے پاس حاضر ہو کر آپ کا قدم اپنی گردن پر رکھا۔ اس کے بعد تمام حاضرین مجلس نے بھی اپنی اپنی گردنیں خم کر دیں۔ شیخ ابوسعید قیلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ اس وقت آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا۔ جبکہ باری تعالٰی عزاسمہٗ نے آپ کے قلب پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے دست مبارک پر تجلی فرمائی تھی۔ فرش سے عرش تک ملائکہ کی صفیں آراستہ دکھائی دے رہی تھیں۔

حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہزاروں اولیاء اللہ گزرے ہیں لیکن وہ سب کے سب عاشق الٰہی تھے۔ ان سب میں دو شخص ایسے ہیں جو محبوب الٰہی ہیں ان میں سے ایک حضرت محبوب سبحانی سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور دوسرے خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے علاوہ

اور کسی کو یہ شانِ محبوبیت عطا نہیں ہوئی۔

اخلاقی زندگی

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے مجھے دو باتیں بہت مرغوب ہیں۔ ایک حُسنِ خُلق اور دوسرے بھوکوں کو کھانا کھلانا اگر پوری دنیا کی دولت میرے ہاتھ آ جائے تو میں اسے بھوکوں کو کھلانے کیلئے وقف کر دوں اور سب سے حُسنِ اخلاق سے پیش آؤں۔ آپ کے دل میں غریب پروری اور یتیم نوازی کا ایک جذبہ اور ایک تڑپ موجزن تھی۔ روزانہ ہزاروں کی آمدنی تھی۔ لیکن رقم ادھر آئی ادھر آپ نے مسکینوں' یتیموں' غریبوں' ضعیفوں میں تقسیم کر دی۔ کوئی سوالی کبھی دروازے سے خالی نہ پھرا۔ چور چوری کے ارادے سے آیا اور خالی ہاتھ جاتے ہوئے دیکھا تو اسے قطب بنا کر بھیجا۔

حلقہ بگوشوں اور حاضر باشوں سے جو شخص بھی بیمار ہوتا اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے اپنے حلقہ بگوشوں میں تحفہ تحائف بھی تقسیم کرتے۔ ہدیہ قبول کر لیتے۔ اس میں سے خود بھی کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے منکسر المزاج اور رقیق القلب واقع ہوئے تھے گھر کا چھوٹا موٹا کام خود ہی کر لیا کرتے۔

حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جب تک میرے مرید جنت میں داخل نہیں ہوں گے اس وقت تک بہشت میں قدم نہیں رکھوں گا اور میرا مرید مشرق میں ہو اور وہاں اس کا ستر کھل جائے تو میں اسے ڈھک دوں گا۔

میں اپنے مریدوں پر اس طرح چھایا ہوا ہوں جس طرح آسمان زمین پر چھایا ہوا ہے۔ اور قسم ہے رب قدیر کے عزت و جلال کی میں اس وقت تک اپنے آپ کے سامنے سے قدم نہ اٹھاؤں گا۔ جب تک جنت کی طرف تم سب کے ساتھ جانے کا حکم نہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر وہ فاسق جو آپ کا مرید ہو ضروری بخش دیا جائے

گا۔ کرمِ خاص کی بات دوسری ہے ورنہ آپ کے مرید بھی وہی شمار ہوں گے جو اپنے پیر کے قدم بقدم چلیں اور آپ کی تعلیمات پر عمل کریں۔

حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ خاصانِ خدا کے سرخیل اور امام اور صبر و استقامت کے پہاڑ تھے۔ ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

''آپ خلفاء وزراء' سلاطین' خواص اور عوام سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے اور بڑی صفائی اور جرأت کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں برسرِ منبر ٹوک دیتے جو کسی ظالم کو حاکم بناتا' اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروانہ کرتے''۔

آپ کے مواعظ سے مردہ دل زندگی حاصل کرتے۔ علامہ ابن تیمیہ کا قول ہے کہ حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ''گلستان'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''شیخ عبدالقادر گیلانی رضی اللہ عنہ را دیدم در حرم کعبہ روئے بر حصار نہادہ بود و مے گفت' اے خداوند بہ بخشائے و اگر مستوجب عقوبتم مرا روز قیامت نابینا برانگیز تا در روئے نیکاں شرمسار نہ باشم۔

آپ ہر رات کو دو سو رکعت پڑھتے اور پورا قرآن کریم پڑھا کرتے۔ رات کا ایک حصہ ذکر و شغل میں تیسرے میں نماز چوتھے میں مراقبے و مشاہدے' خضوع و خشوع' مناجات' استغفار آہ و زاری کیا کرتے' زندگی میں کئی حج کئے۔ ہمیشہ روزہ دار رہتے۔ آپ نے ۹۱ سال کی عمر میں ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ ہجری میں وصال فرمایا۔





یوم سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

۲۲ جمادی الاخریٰ

امیر المومنین سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ابی قحافہ نام ابوبکر کنیت، صدیق لقب، خاندانِ بنی تمیم کے چشم و چراغ قریش کے سادات کبار میں آپ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ممتاز تھی۔ اسلام سے قبل بھی آپ رضی اللہ عنہ کو قریش میں سیادت حاصل تھی۔ دیات و غرامات کے فیصلہ کرنے کا اہم کام آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ حضور ﷺ سے آپ رضی اللہ عنہ کا نسب مرہ میں مل جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سلمٰی کنیت ام الخیر ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے دو برس چند مہینے بعد پیدا ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار مالدار صحابہ میں ہوتا۔ آپ رضی اللہ عنہ قریش میں نیک نام اور باعزت تاجر تھے۔

حضور ﷺ نے فرمایا جس کو عتیق من النار کا دیکھنا اچھا معلوم ہو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔ (حاکم) اس روز سے آپ کا لقب عتیق ہوا۔ جب حضور ﷺ نے واقعۂ معراج سنایا تو کفار نے جناب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا اب حضور ﷺ کی نسبت کیا کہتے ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اِنِّیْ لَاُصَدِّقُهٗ۔ (مستدرک)

حضور ﷺ نے یقیناً سچ فرمایا میں حضور ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں۔

اسی وجہ سے آپ کا لقب صدیق ہوا۔

حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آپ ہی کی تبلیغ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

جناب علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام کو ظاہر کیا اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ آپ حضور ﷺ کے رفیق خاص ہیں۔ سفر و حضر کسی وقت بھی ہمرکابی کے شرف سے محروم نہ رہے ہجرت، جنگ بدر، غزوہ احد اور حنین میں حضور ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ حضور ﷺ ہی کے ساتھ ہجرت کی اور غار ثور میں شرف صحبت نبوی سے مشرف ہوئے۔ حتیٰ کہ وفات کے بعد بھی پہلوئے مصطفیٰ ﷺ میں جگہ پائی۔

حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بڑے فیاض، سخی صحابہ میں سب سے اعلم و اذکی۔ قرأت قرآن علم انساب علم تعبیر میں فضل جلی کے مالک تھے۔ قرآن حکیم کے حافظ جامع اور ناشر ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ہی صحابہ کی ایک جماعت کو جمع قرآن کریم کا حکم دیا اور مصاحف مرتب کرائے۔

حضور ﷺ نے فرمایا جس کسی نے ہمارے ساتھ احسان اور نیکی کی

اِلَّا وَقَدْ کَافَیْنَاهُ مَاخَلَا اَبَابَکْرٍ۔ (ترمذی)

ہم نے اس کا عوض اس کو دے دیا سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے۔

ان کا بدلہ اللہ عزوجل روز قیامت عطا فرمائے گا۔

آں امن الناس بر مولائے ما ۔۔۔ آں کلیم اولِ سینائے ما

آپ جس وقت اسلام لائے۔ آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے جو سب کے سب رضائے خدا اور رسول ﷺ میں خرچ کر دیئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا۔ یہ سن کر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رو کر عرض کی۔

هَلْ اَنَا وَمَا لِیَ اِلَّا بِلَکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ۔

میں اور میرا مال تو آپ ﷺ کی ملکیت ہے۔ یارسول اللہ ﷺ!

غلاموں کو آزاد کرانا۔ مسلمان قیدیوں کو چھڑانا۔ مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنا۔ تیموں اور بیواؤں کی امداد کرنا آپ رضی اللہ عنہ کا پیارا شغل تھا۔

❀ اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد تمام عالم سے افضل امیر المومنین سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جناب سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امت میں نبی ﷺ کے بعد سب سے بہتر ابوبکر وعمر ہیں (احمد) آپ ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے مرض وفات میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے گروہ میں سے اپنے مصلےٰ پر اپنی جگہ امامت کیلئے حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کو مقرر فرمایا اور آپ رضی اللہ عنہ نے حیات نبوی ﷺ میں سترہ وقت کی نمازیں پڑھائی۔ (بخاری)

❀ امیر المومنین سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم ﷺ کی ذات وصفات کے مظہر اتم تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے علم وفضل کی عظمت کا اندازہ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے جس میں آپ نے فرمایا:

لَمْ يَفْضُلْكُمْ اَبُوْبَكْرٍ بِكَثْرَةِ صَلٰوتِهٖ وَلَا بِكَثْرَةِ صِيَامِهٖ وَاِنَّمَا هُوَا شَيْئٌ وُتِّرَ فِيْ قَلْبِهٖ۔ (تمہید ابوشکور سلمی ص ۱۶۵)

کثرت صوم وصلوٰۃ کے باعث سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تم پر فضیلت نہیں لیکن ایک چیز ہے جو خاص طور پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں ڈالی گئی ہے۔

❀ حضور سیّد المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں پہنچایا۔ میں نے ابن ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے سینہ میں پہنچادیا۔ جناب فرید الدین قدس سرہٗ نے اس حدیث کو یوں نظم فرمایا۔

ہر چہ حق از بارگاہ کبریا — ریخت درصدر شریف مصطفیٰ ﷺ

آں ہمہ در سینۂ صدیق ریخت — لا جرم لابد از و تحقیق ریخت

واضح ہوا کہ سینۂ صدیقی۔ علم وعرفان نبوی ﷺ کا خزینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے سینۂ اقدس کو علوم اولین وآخرین کا مخزن بنایا اور حضور ﷺ نے اپنے تمام علوم ومعارف سینۂ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں ودیعت فرمادیئے اور یہی وہ چیز ہے جس نے حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل الخلائق بعد الانبیاء کردیا۔

❀ جناب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کا عہد اگرچہ بہت تھوڑا ہے لیکن اس قلیل زمانہ میں حضور ﷺ کے بعد اسلام کے امین اوّل نے اسلام کی سرسبزی وشادابی اور دشمنان اسلام کی سرکوبی سنت نبوی ﷺ کی حفاظت اور دین اسلام کے بنیادی امور کی صیانت کیلئے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تاریخ اسلام میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

آپ کی فراست اور رائے کی صحت کا سب سے اہم نشان جیش اسامہ کی تنفیذ کا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی حیات مبارک میں رومیوں کی سرکوبی کیلئے ایک لشکر شام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ ابھی یہ لشکر مدینہ طیبہ کے قریب مقام ذی خشب ہی میں تھا کہ حضور ﷺ کا وصال ہوگیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اصرار تھا کہ ایسے نازک موقع پر اس کی روانگی ملتوی کر دی جائے۔ حتیٰ کہ لشکر کے سردار حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی تھی۔ قبائل عرب آمادۂ جنگ ہیں۔ وصال نبوی ﷺ کے بعد کفار کے حوصلے بڑھ گئے ہیں اور وہ در پئے تخریب اسلام ہیں۔ کار آزما بہادر میرے لشکر میں ایسے نازک وقت میں انہیں روم بھیجنا اور ملک کو ایسے دلاور مردان جنگ سے خالی کردینا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ لیکن اللہ اکبر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہ ہوئی۔ آپ

نے فرمایا:

''اگر پرند میری بوٹیاں بھی نوچ دیں مجھے یہ گوارا ہے مگر حضور سرور عالم ﷺ کی مرضی مبارک میں اپنی رائے کو دخل دینا اور حضور ﷺ کے روانہ کئے ہوئے لشکر کو واپس کرنا مجھے ہرگز گوارا نہیں ہے''۔ چنانچہ ایسی حالت میں آپ نے لشکر روانہ کر دیا۔ لشکر کی روانگی کا یہ اثر ہوا کہ دشمنان اسلام جو یہ سمجھ چکے تھے کہ حضور سرور عالم ﷺ کی وفات کے بعد اسلام کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ لشکر اسلام رومیوں کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوگیا۔ ان کے خیالی منصوبے غلط ہوگئے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب قائم ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ لشکر ظفر پیکر فتح یاب ہوا۔ رومیوں کو شکست ہوئی اور اس فاتح لشکر کی واپسی پر قبائل عرب جو مرتد ہونے کیلئے پر تول رہے تھے۔ اسلام پر صدق دل سے قائم ہوئے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اس لشکر کی روانگی کے وقت نہایت شدت سے اختلاف فرما رہے تھے اپنی فکر کی خطا اور سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے مبارک کے صائب اور ان کے علم کی وسعت کے معترف ہوئے۔

آپ کی خلافتِ مبارکہ کا ایک واقعہ مانعینِ زکوٰۃ کے ساتھ عزمِ قتال ہے۔

جب حضور اقدس نبی کریم ﷺ کی وفات کی خبر مدینہ طیبہ کے حوالی و اطراف میں مشہور ہوئی تو عرب کے بہت سے گروہ مرتد ہوگئے اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان سے قتال کرنے کیلئے اٹھے۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے وقت کی نزاکت' اسلام کی نوعمری' دشمنوں کی قوت' مسلمانوں کی پریشانی' پراگندہ خاطری کا لحاظ فرما کر مشورہ دیا کہ اس وقت جنگ کیلئے ہتھیار نہ اٹھائے جائیں مگر حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے ارادہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور آپ نے فرمایا کہ قسم بخدا جو لوگ زمانۂ اقدس میں ایک تسمہ کی

قدر بھی ادا کرتے تھے اگر آج انکار کریں گے تو میں ضرور ان سے قتال کروں گا آخر کار آپ قتال کیلئے اٹھے اور مہاجرین و انصار کو ساتھ لیا اور اعراب اپنی ذریتوں کو لے کر بھاگے پھر آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح دی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خصوصاً حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحت تدبیر و اصابت رائے کا اعتراف کیا اور کہا خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا جو انہوں نے کیا حق تھا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر اس وقت کمزوری دکھائی جاتی تو ہر قوم اور ہر قبیلہ کو احکام اسلام کی بے حرمتی اور ان کی مخالفت کی جرأت ہوتی اور دین حق کا نظم باقی نہ رہتا۔

یہاں سے مسلمانوں کو حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس طریق عمل سے سبق لینا چاہیے کہ آپ نے ایسے نازک وقت میں بھی باطل کی سرکشی میں توقف نہ فرمایا جو فرقے اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔ ان سے غفلت کرنا یقیناً اسلام کی نقصان رسانی ہے۔

منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی طرف توجہ کی۔ یمامہ میں مسیلمہ کذاب یمن میں اسود عنسی بنی اسد کے ایک شخص طلیحہ اور ایک عورت سجاح نے علم نبوت بلند کیا۔ سرکش منافقین نے اسلام کو ختم کرنے کیلئے منصوبے بنائے۔ ارتداد کا فتنہ پورے شباب پر تھا۔ طاغوتی طاقتیں مجتمع ہو کر سفینۂ اسلام کو ڈبونا چاہتی تھیں۔ مسلمان سخت پریشان تھے۔ لیکن اس نازک اور خطرناک موقع پر بھی جناب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شجاعت' ثابت قدمی' اولوالعزمی اور فراست و حقانیت نے ان کالی گھٹاؤں کو جو آسمانِ اسلام پر چھا گئی تھیں چھانٹ دیا۔ اسلام کے اس بطلِ جلیل کے حکم سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ لشکر لے کر یمامہ کی طرف مسیلمہ کذاب کے قتال کیلئے روانہ ہوئے' دونوں طرف

سے لشکر مقابل ہوئے۔ چند روز جنگ جاری رہی۔ آخر الامر مسیلمہ کذاب' وحشی
(قاتل حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مسیلمہ کی عمر قتل کے وقت ڈیڑھ سو
برس کی تھی۔ ۱۲ ہجری میں حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے علاء ابن حضرمی کو بحرین کی
طرف روانہ کیا وہاں کے لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ جواثی میں ان سے مقابلہ ہوا اور بکرمہ
تعالیٰ مسلمان فتحیاب ہوئے۔ عمان میں بھی لوگ مرتد ہو گئے تھے وہاں حضرت عکرمہ
ابن ابی جہل کو روانہ فرمایا۔ بجیرہ کے مرتدین پر مہاجرین ابی امیہ کو بھیجا۔ مرتدین کی ایک
اور جماعت پر زیاد بن لبید انصاری کو روانہ کیا۔ اسی سال مرتدین کے قتال سے فارغ ہو
کر حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سرزمین بصرہ کی
طرف روانہ کیا۔ آپ نے اہل ایلہ پر جہاد کیا اور ایلہ فتح ہوا اور کسریٰ کے شہر جو عراق میں
تھے فتح ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے عمرو بن عاص اور اسلامی لشکروں کو شام کی طرف
بھیجا اور جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری میں واقعہ اجنادین پیش آیا اور بفضلہٖ تعالیٰ مسلمانوں کو
فتح ہوئی۔ اسی سال واقع مروج الصفر ہوا اور مشرکین کو ہزیمت ہوئی۔

حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے تھوڑے سے زمانہ میں
شب و روز کی پیہم سعی سے بدخواہانِ اسلام کے حوصلے پست کر دیئے اور ارتداد کا سیلاب
روک دیا۔ کفار کے قلوب میں اسلام کا وقار راسخ ہو گیا اور مسلمانوں کو شوکت و اقبال
کے پھریرے عرب و عجم اور بحر و بر میں اڑنے لگے۔

حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات

آپ کی وفات کا سبب حضور انور سیّد عالم ﷺ کی وفات ہے جس کا صدمہ
دم آخر تک آپ کے قلب مبارک سے کم نہ ہوا اور اس روز سے برابر آپ کا جسم شریف
گھلتا اور دبلا ہوتا گیا۔ ۷ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری روز دوشنبہ کو آپ نے غسل فرمایا۔
دن سرد تھا بخار آ گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین عیادت کیلئے آئے۔ عرض کرنے لگے۔ اے

خلیفۂ رسول ﷺ اجازت ہو تو ہم طبیب کو بلائیں جو آپ کو دیکھے۔ فرمایا کہ طبیب
نے تو مجھے دیکھ لیا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ پھر طبیب نے کیا کہا۔ فرمایا کہ اس نے
فرمایا اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا اُرِیْدُ یعنی میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں مراد یہ تھی کہ حکیم اللہ تعالیٰ
ہے اس کی مرضی کو کوئی ٹال نہیں سکتا جو مشیت ہے ضرور ہو گا یہ حضرت کا توکل صادق
تھا اور رضائے حق پر راضی تھے۔ اسی بیماری میں آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے
مشورے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلافت کیلئے نامزد فرمایا۔ اسلام کے اس
بطل جلیل نے جس نے اسلامی ریاست کے نہایت ہی قلیل عرصہ میں جڑیں مضبوط کی
تھیں اور اقدار اسلامیہ کی کی حفاظت فرمائی تھی۔ پندرہ روز کی علالت کے بعد ۲۲
جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری شب سہ شنبہ کو تریسٹھ سال کی عمر میں اس دار ناپائدار سے
رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے جنازہ کی نماز
پڑھائی اور آپ اپنی وصیت کے مطابق پہلوئے مصطفیٰ ﷺ میں مدفون ہوئے۔
آپ نے دو سال اور سات ماہ کے قریب خلافت کی۔ آپ کی وفات سے مدینہ طیبہ
میں ایک شور برپا ہو گیا۔ آپ کے والد ابوقحافہ نے جن کی عمر اس وقت ستانوے برس
کی تھی۔ دریافت کیا کہ کیسا غوغا ہے لوگوں نے کہا کہ آپ کے فرزند نے رحلت
فرمائی۔ کہا بڑی مصیبت ہے ان کے بعد کارِ خلافت کون انجام دے گا۔ کہا گیا حضرت
عمر رضی اللہ عنہ آپ کی وفات سے چھ ماہ بعد آپ کے والد ابوقحافہ نے بھی رحلت فرمائی۔ کیا
خوش نصیب ہیں خود صحابی والد صحابی۔ پوتے صحابی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نسبی اور صہری تعلقات

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قریشی تھے۔ فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی
اولاد سب قریشی کہلاتی ہے۔ انہی میں رسول کریم ﷺ حضرات عشرہ مبشرہ اور دیگر

قریشی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

کعب بن لوی بن غالب بن فہر

مرہ — عدی

حضرت عمر فاروق اعظم خسرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور حضرت سعید بن زید وغیرہ کے مورثِ اعلیٰ

کلاب — تیم

قصی — سعد

عبد مناف — کعب

عبد شمس — ہاشم — عمرو

حضرت ام حبیبہ — عبدالمطلب — عامر — صخر — عثمان

زوجۂ نبی بنت حضرت
ابو سفیان بن حرب

سیدنا عبداللہ — ابو قحافہ عثمان — ام الخیر — عبید اللہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
داماد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت صدیق اکبر — حضرت طلحہ

ہندہ والدہ
حضرت معاویہ

سیدہ عائشہ صدیقہ
زوجہ رسول علیہ السلام

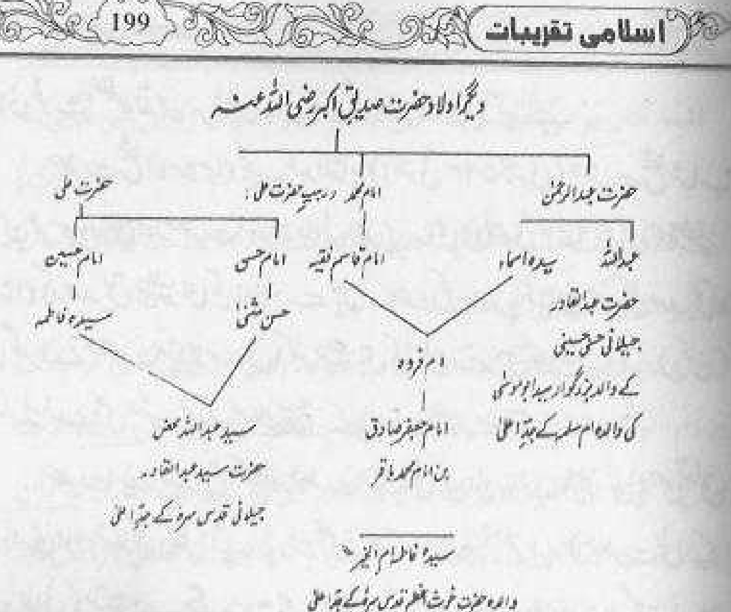
سیدہ اسماء
ذات النطاقین

ام کلثوم

حضرت عثمان ذوالنورین داماد رسول علیہ السلام
ابو العاص وغیرہ کے
جدِ اعلیٰ

عائشہ — زکریا
والدہ طلحہ بن عبداللہ
عبدالرحمن بن ابوبکر

زوجہ حضرت زبیر بن عوام جو سیدہ
خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے تھے اور حضرت عبداللہ وغیرہ کے والد



ان شجروں سے واضح ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی سیدہ اسماء ام المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حضرت زبیر بن عوام سے بیاہی گئی اور نسل باقی ہے اور دوسری صاحبزادی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا اور تیسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم۔ سیدنا طلحہ کے حبالۂ نکاح میں آئی۔ گویا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وساطت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں باہم ہم زلف ہوئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اولاد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رشتہ یہ قائم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک رشتہ سے پوتی کی اور دوسرے رشتہ سے پوتے کی بیٹی اُم فروہ ان (حضرت علی) کے پڑپوتے امام محمد باقر بن امام زین العابدین رضی اللہ عنہما کے عقد مناکحت میں آئی اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ بنی اسی نسبت سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فخریہ طور پر فرمایا کرتے تھے کہ وَلَدَنِیَ الصِّدِّیْقُ مَرَّتَیْنِ (مجھے صدیق نے دو دفعہ جنا) پھر ان تعلقات صہری کا خوشگوار اور بہترین نتیجہ سیدنا عبدالقادر

جیلانی غوث اعظم قدس سرہٗ ہیں۔ جیسا کہ شجرہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام ابونجیب عبدالقاہر (المتوفی ۵۶۳ ہجری) حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور حضرت مولانا جلال الدین رومی (المتوفی ۶۷۲ ہجری) رحمہم اللہ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی اولاد سے ہیں۔ ہندو دکن اور پاکستان میں کئی صدیقی و عتیقی گھرانے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کی نسل سے ہیں نظام حیدر آباد (دکن) کا سلسلۂ نسب بھی حضور نبی کریم ﷺ کے یارِ غار رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی باہمی تعلق رشتہ داری اور اتحاد کی دلیل ایک یہ رشتہ بھی ہے کہ حضرت جعفر طیار (حضرت علی کے بڑے بھائی) رضی اللہ عنہ جب جنگ موتہ میں شہید ہوگئے تو ان کی بیوہ اسماء بنت عمیس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔ جس سے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے پھر جب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رحلت فرما گئے تو اسماء سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے شادی کر لی اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو جو ماں کی گود میں تھے اپنا "ربیب" بنایا اور اپنے عہد خلافت میں انہیں مصر کی حکومت پر فائز فرمایا۔

یہ رشتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے باہمی دینی اور قومی اتحاد کی دلیل ہیں اور جو لوگ بغض سے ان کی باہمی دشمنی اور مذہبی منافرت کی باتیں کرتے ہیں وہ کذب و افتراء ہے۔

حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام اور القاب

زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالکعبہ رکھا گیا۔ حضور سرور کونین ﷺ نے آپ کو باسم عبداللہ موسوم فرمایا۔ لقب عتیق اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا اَنْتَ عَتِیْقٌ مِّنَ النَّارِ یعنی تم آتش دوزخ سے آزاد ہو اور صدیق لقب کی وجہ یہ ہے کہ سب سے اوّل آپ نے رسول اللہ ﷺ کے معراج جسمانی کی

فَلَمَّا کَانَ یَوْمِیْ قَبَضَهُ اللّٰهُ بَیْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ وَدُفِنَ فِیْ بَیْتِیْ۔

(بخاری)

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا لیا۔ آپ نے میرے پہلو اور سینہ کے بیچ میں وصال فرمایا اور میرے ہی گھر میں دفن ہوئے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضور سرور دو عالم نور مجسم ﷺ کی قبر مبارک حضرت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بنی۔ اس سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ثابت ہوئی کہ حضور ﷺ نے اپنے آخری ایام ان کے پاس گزارے اور انہیں کے پہلو میں وصال فرمایا اور انہیں کے مقدس حجرہ میں بعد وصال جلوہ فرما ہیں۔ (۲) جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے زمین کا وہ حصہ جو حضور سیّد عالم ﷺ کے جسم اقدس سے ملا ہوا ہے وہ تمام زمینوں آسمانوں بلکہ عرش اور کعبہ سے بھی افضل ہے۔ (۳) حضور ﷺ کا قلبی رجحان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا اسی لئے آپ بار بار فرماتے تھے کہ آج کس کی باری ہے اور کل کس کی۔ دوسری ازواج مطہرات نے جب یہ کیفیت دیکھی تو بخوشی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہنے کی اجازت دے دی اور حضور ﷺ نے حیات مبارکہ کے آخری ایام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ہی گزارے۔

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کی قبر مبارک اونٹ کے کوہان کی طرح بنی ہوئی دیکھی۔ (بخاری)

یعنی حضور ﷺ کی قبر اقدس مسنم تھی۔ معلوم ہوا کہ قبر کو اونٹ کے کوہان کی طرح بنانا مسنون ہے اور اس کی اونچائی ایک بالشت ہو یا کچھ "خفیف زیادہ" جیسا کہ اونٹ کے کوہان کی اونچائی ہوتی ہے اور اس سے زیادہ اونچی بنانا اچھا نہیں۔

ہشام بن عروہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ولید

تصدیق کی تھی۔ بکر اس اونٹ کو کہتے ہیں جو سب اونٹوں سے آگے رہنما ہو۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کو ہادیٔ سبل مولائے کل سرور کائنات ﷺ کا خلیفہ اول بن کر امت کی رہنمائی کرنا تھا۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو ''ابوبکر'' فرمایا۔

حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو یہ شرف حاصل ہیں کہ آپ مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور آپ کی چار پشتیں مشرف باسلام ہوئیں۔ آپ کو ثانی اثنین فی الغار اور صاحب رسول اللہ ﷺ کا خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا اور بدر و قبر میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ دوسرے آپ ہی ہیں، وہ کسی صحابی کو نہیں۔

علامہ اقبال نے دو شعروں میں آپ کے لاثانی شرف کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔

آں امن الناس بر مولائے ما — آں کلیم اولِ سینائے ما
ہمتِ او کشتِ مِلت را چو ابر — ثانیٔ اثنین غار و بدر و قبر

یعنی مطابق ارشادِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ حضور اکرم ﷺ کے سب سے زیادہ محسن ہیں۔ خلیفۂ بلافصل ہیں۔ آپ کی ہمت سے وہ تمام فتنے جو آنحضرت ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد اٹھے تھے۔ موت کی نیند سو گئے اور آپ رضی اللہ عنہ امت محمدیہ ﷺ کیلئے ابرِ رحمت ثابت ہوئے۔ ''ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی'' آپ ہی اسلام کی غار، بدر، اور لحد میں ثانی اثنین ہیں۔ اللہ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت جانیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت حاصل کریں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

پہلوئے مصطفیٰ ﷺ میں آپ رضی اللہ عنہ کا مزار

جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیماری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ بطور معذرت یہ فرماتے تھے آج میں کس کے ہاں رہوں گا اور کل کس زوجہ کے گھر ہوں گا کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا تو جب میرے گھر قیام کا دن آیا

بن عبدالملک کے عہد حکومت میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی دیوار گری۔ لوگوں نے اس کو بنانا شروع کیا۔

فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوْا وَظَنُّوْا اَنَّهَا قَدَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا وَجَدُوْا اَحَدًا يَعْلَمُ ذٰلِكَ حَتّٰى قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ لَا وَاللّٰهِ مَا هِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هِيَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ۔ (بخاری)

تو انہیں ایک قدم دکھائی دیا۔ لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا قدم مبارک ہے اور کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جو اس کو پہچانتا ہو۔ یہاں تک کہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا نہیں خدا کی قسم یہ نبی کریم ﷺ کا قدم نہیں ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم ہے۔

حضور سیّد عالم ﷺ اور حضرت سیّدنا صدیق اکبر و سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی قبور ہائے مبارکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں واقع تھیں۔ ولید بن عبدالملک رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو جو مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ یہ لکھا کہ ازواج مطہرات کے حجروں (جو کہ ولید نے خرید لئے تھے) کو گروا کر مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کرو۔ چنانچہ جب حجرے گروائے گئے تو تینوں قبریں ظاہر ہو گئیں اور ایک طرف سے جو مٹی ہٹی تو ایک قدم نظر آیا۔ خیال کیا گیا کہ یہ حضور اکرم ﷺ کا قدم مبارک ہو گا مگر عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پہچان کر بتایا کہ یہ حضور اکرم ﷺ کا نہیں بلکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قدم مبارک ہے۔

ازواج مطہرات کے حجرے

1) حضور سیّد عالم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں ازواج مطہرات کیلئے مسجد نبوی ﷺ کے ارد گرد حجرے بنوا دیئے تھے۔ ان حجروں پر ازواج مطہرات کا قبضہ تھا اور یہ ان کی ملک تھے۔

۲) قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ حجرے ازواج مطہرات کی ملکیت تھے۔ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اسی لئے فرمایا گیا ورنہ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِ الرَّسُوْلِ فرمایا جاتا۔

۳) ولید بن عبدالملک رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کرنی چاہی تو اس نے یہ حجرے خرید لئے۔

۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے تین چاند ان کے حجرے میں اترے ہیں۔ اس کی تعبیر یہی قرار پائی کہ وہ تین چاند حضور ﷺ حضرت سیّدنا صدیق اکبر اور حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما تھے۔

۵) شواہد النبوت میں حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ نے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے میرے رسول ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے اور انہوں نے یہ تاکید کی تھی کہ میرا جنازہ تیار کر کے بحضور نبوی ﷺ پیش کر دینا اور یہ عرض کرنا ''کہ ابوبکر حاضر ہے اجازت ہو تو آپ کے پہلو میں دفن کر دیا جائے''۔

اگر حضور اکرم ﷺ کی اجازت ہو تو دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔ جب یہ کلمات بحضور نبوی ﷺ عرض کئے گئے تو روضۂ پاک سے آواز آئی۔

اَدْخِلُوْا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ۔

''دوست کو اس کے دوست کے پاس بھیج دو''۔

چنانچہ حضور سرور عالم نور مجسم ﷺ کی اجازت کے بعد جناب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ کے پہلو میں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ نوری میں دفن کیا گیا اور اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی اسی حجرۂ مبارکہ میں دفن ہوئے۔

حضراتِ شیخین کی عظیم و جلیل فضیلت

یہ حضرات شیخین سیدنا ابوبکر صدیق و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی عظیم و جلیل فضیلت ہے کہ یہ دونوں حضرات بھی اسی حجرۂ نوری میں آرام فرما ہیں۔ جہاں آج حضور سیّد المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ فرما ہیں۔ اس فضیلت کا انکار کر دینا دوسری بات ہے مگر جو حقیقت ہے وہ حقیقت ہی رہتی ہے۔ وہ بناوٹی اور خطابی باتوں سے ختم نہیں ہوا کرتی۔ متعدد حدیثوں کا مضمون ہے کہ آدمی جس مٹی سے پیدا ہوتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے۔ ترجمہ مقبول ص ۶۲۷ پر اصول کافی کی یہ روایت درج ہے کہ

''سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب رحم مادر میں نطفہ قرار پاتا ہے تو اللہ رب العزت اس شخص کے مدفن کی زمین کی مٹی اس نطفہ میں ملا دینے کا حکم فرماتا ہے پھر اس شخص کا دل ہمیشہ اس جگہ کی طرف مائل رہتا ہے جب تک کہ اس میں دفن نہ ہو جائے''۔

اور سیّدہ عفیفہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ نوری کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں یہاں حضور سیّد عالم نور مجسم ﷺ جلوہ فرما ہیں۔ وہاں سیّدنا صدیق اکبر اور سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بھی موجود ہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس مقدس مٹی سے حضور اکرم ﷺ کے جسم پاک کو بنایا اسی کے قریب کی مٹی سے حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو بنایا اور جناب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قریب والی مٹی سے جناب سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو مرکب فرمایا اور یہ وہ فضیلت عظمیٰ ہے جو تمام امت میں سوائے ان دونوں حضرات کے اور کسی کو حاصل نہیں۔

۱) حضور سیّد عالم ﷺ
۲) سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
۳) سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
۴) یہ جگہ ابھی خالی ہے اس میں حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام دفن ہوں گے۔

پہلوئے مصطفےٰ ﷺ میں بنا آپ کا مزار
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اَنَّھَا اَوْصَتْ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ الزُّبَیْرِ لَاتَدْفِنِّیْ مَعَھُمْ وَادْفِنِّیْ مَعَ صَوَاحِبِیْ بِالْبَقِیْعِ لَا اُزَکّٰی بِہٖ اَبَدًا۔ (بخاری شریف)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ مجھے حضور ﷺ کے ہمراہ نہ دفن کرنا بلکہ بقیع میں میری سوکنوں کے پاس دفن کر دینا میں یہ نہیں چاہتی کہ ان کے ساتھ میری بھی تعریف ہو۔

یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کسرِ نفسی تھی کہ آپ نے فرمایا۔ مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف کے ساتھ میری بھی تعریف ہو۔ یہ ان کا حضور ﷺ کے حق میں کمالِ ادب واحترام کا اظہار ہے مگر آپ کو حیرت ہوگی کہ بعض لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے کسرِ نفسی پر مشتمل اقوال کو لے کر ہر واقعہ کے طور پر پیش کرتے پھرتے ہیں اور پھر اپنے خبثِ باطنی کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ تم مسلمان تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین اور حضور اکرم ﷺ کا نائب اور بہت ہی مقتدر اور مقدس ہستی سمجھتے ہو لیکن خود حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو یہ فرماتے ہیں۔

کہ ''اے کاش میں ایک پرندہ ہوتا جس کو جزا وسزا کا کوئی فکر لاحق نہیں ہے''۔

عمرو بن میمون الاودی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا سلام کہو پھر ان سے میرے ساتھیوں کے ہمراہ میرے دفن ہونے کی اجازت مانگنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا میرا خود یہاں دفن ہونے کا ارادہ تھا لیکن میں اپنے نفس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت کی خبر پا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کہ جتنا اپنے مدفن کے متعلق فکر تھا کسی اور چیز کے متعلق نہ تھا۔

فَاِذَا قُبِضْتُ فَاحْمِلُوْنِیْ ثُمَّ سَلِّمُوْا ثُمَّ قُلْ یَسْتَاْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاِنْ اَذِنَتْ لِیْ فَادْفِنُوْنِیْ وَاِلَّا فَرُدُّوْنِیْ اِلٰی مَقَابِرِ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (بخاری شریف)

جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے اٹھا کر لے جانا پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سلام عرض کرنا اور کہنا عمر بن الخطاب آپ سے یہاں دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے دفن کر دینا ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں واپس لے آنا۔

اگرچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پہلے ہی اجازت دے دی تھی لیکن یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تقویٰ تھا کہ آپ نے پھر دوبارہ یہ وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد ایک دفعہ پھر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے ان کے حجرہ میں دفن ہونے کی اجازت لے لینا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا یہ حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت تھا ورنہ خاص ان سے اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی۔ حضرت علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری اور دیگر شارحین نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی تمنا کی تو اس سے واضح ہوا کہ جوارِ صالحین میں دفن ہونے کی اسی امید پر کوشش فرمانا کہ جو رحمت ان بزرگوں پر نازل ہوگی اس سے ہمیں بھی حصہ ملے گا جائز ہے۔

فائدہ

کہتے ہیں جو شخص شہزادۂ کونین امام حسین رضی اللہ عنہ کے حریم میں دفن ہو جائے اس کی بخشش ہو جاتی ہے تو جب امام حسین رضی اللہ عنہ کے حریم میں دفن ہونے والا جنت میں مقام پاتا ہے تو وہ ہستی جو حضور سید عالم ﷺ کے پہلو میں دفن ہو جائے یعنی صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما ان کا کیا مرتبہ ومقام ہوگا۔





یوم سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

۱۵ رجب المرجب

امام الفقہاء والمحدثین مجتہد مطلق حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ اسم مبارک نعمان، کنیت ابوحنیفہ، لقب امام اعظم، آپ ۸۰ ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔

آپ کے دادا، آپ کے والد ثابت کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ نے بچے اور اس کی اولاد کیلئے دعا فرمائی تھی۔ اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اتنی مقبولیت ہوئی کہ آج اسلامیان عالم کا نوے فیصد طبقہ آپ کا پیرو مقلد ہے۔ آپ کی اس قدر سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی بڑے سے بڑے بزرگ کی بھی نہیں لکھی گئی اور نامورانِ اسلام نے آپ کی سوانح لکھیں جو خود اس قابل تھے کہ سوانح قلم بند ہوں۔

کوفہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مولد و مسکن ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو دار الخلافہ بنایا حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیشتر فیصلے کوفہ سے صادر ہوئے۔ حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے گئے تو آپ کے وہاں آنے سے پیشتر حضرت سعد بن وقاص، عبداللہ بن مسعود، حذیفہ، عمار، ابوموسیٰ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے کوفہ والے علم دین حاصل کر چکے تھے۔ ابن قیم نے لکھا ہے۔ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین مراکز تھے مکہ، مدینہ، اور کوفہ۔

مکہ معظمہ کے صدر معلم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، مدینہ منورہ کے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور کوفہ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ اس طرح وہ مقام حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مولد و مسکن ہے جو دین اسلام کے علوم و معارف کا مرکز تھا۔

تحصیلِ علم

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ بیس سال کی عمر میں تحصیلِ علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ادب اور علم کلام حاصل کرنے کے بعد فقیہہ وقت حضرتِ حماد علیہ الرحمہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ حضرت حماد علیہ الرحمہ مشہور امام اور استاد وقت تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو سلسلۂ علم و تفقہ چلا آ رہا تھا۔ اس کا مدار حضرت حماد علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۲۰ ہجری) پر رہ گیا تھا۔

علامہ نووی علیہ الرحمہ کوفہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ دار الفضل ومحل الفضلاء بناها عمر بن الخطاب۔ (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۵۸) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے فرماتے ہیں۔ الکوفة قبة الاسلام۔ (مستدرک، حاکم ج ۳ ص ۸۹) عجلی کی روایت کے مطابق کوفہ میں پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا قیام تھا۔ جن میں سے ستر بدری تھے۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔ لااحصی ما دخلت الکوفة فی طلب الحدیث۔ (مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۹۴) یعنی میں شمار نہیں کر سکتا کہ کتنی دفعہ طلب حدیث کیلئے کوفہ گیا ہوں۔ حضرت انس بن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ اور چار سو فقہا تھے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی جائے پیدائش ان کا علمی گہوارہ اور ان کی درس گاہ یہی کوفہ ہے۔ آپ کا دعویٰ تھا کہ کوفہ کا سارا علم میرے پاس موجود ہے۔

کوفہ میں کوئی محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے زانوئے شاگردی تہہ نہ کیا ہو۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے امام صاحب رضی اللہ عنہ کے

شیوخ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تمام شیوخ فقہ وحدیث دونوں کے جامع تھے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ کی ایک خصوصیت علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے اس کو خیار تابعین سے حاصل کیا ہے جس کی سند میں کوئی بھی راوی متہم بالکذب نہیں ہے۔ امام ابوالحسن مرغینائی نے بسند نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے پچپن حج کئے تھے۔ حرمین کے شیوخ میں سے عطا بن ابی رباح سے مکہ معظمہ میں اور سالم بن عبداللہ اور سلیمان سے مدینہ طیبہ میں خصوصیت سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

چونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ساری دنیا کیلئے ایک زندۂ جاوید اسلامی دستور مرتب کرنا چاہتے تھے جس کیلئے روایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے آپ نے باوجودیکہ کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث وروایت کی درس گاہ بن چکا تھا۔ (فتح المغیث ص ۳۲۸) دوسرے اسلامی شہروں کی طرف سفر کئے۔ بصرہ کے علاوہ تکمیل کی سند حاصل کرنے کیلئے حرمین جانا ضروری تھا جو اسلام کے اصلی مرکز تھے۔ مکہ میں عطا بن ابی رباح کے درس حدیث میں شامل رہے۔ (مختصر تاریخ بغداد لابن جزالہ) ان کے علاوہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بھی مکہ معظمہ میں حدیث کی سند لی۔ اسی سلسلہ میں مدینہ پہنچے اور حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم رضی اللہ عنہ اور ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ (جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں علم وفضل کے اعتبار سے دوسرے درجہ پر تھے) سے حدیث سنی۔ حج کی تقریب پر ممالک اسلامیہ کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ میں آ کر جمع ہوتے تھے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اس موقع پر ان سب سے جا ملتے اور استفادہ کرتے۔ چنانچہ امام اوزاعی اور شام کے امام حضرت مکحول سے آپ نے مکہ میں ہی حدیث کی سند لی۔ اسی طرح حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سیّدنا امام محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مدت تک استفادہ کی غرض

سے حاضر رہے۔ علاوہ ازیں ۱۳۰ ہجری سے لے کر منصور عباسی کے زمانہ خلافت تک جو چھ سال کا عرصہ ہوتا ہے آپ کا مستقل طور پر قیام مکہ معظمہ ہی میں رہا۔ بیس مرتبہ سے زیادہ بصرہ کا سفر کیا اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ، مدینہ، بصرہ غرضیکہ عراق وحجاز دونوں جگہوں کی روایت کو حاصل کیا۔

امیر المومنین امام محمد بن علی بن باقر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ آپ نے کن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم حاصل کیا ہے تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے شاگردوں سے علم حاصل کیا ہے۔

زہد وتقویٰ

امام اعظم رضی اللہ عنہ جس طرح دوسری صفات میں بےنظیر تھے۔ اسی طرح زہد وتقویٰ میں آپ کی مثل کوئی نہیں تھا۔ آپ نے چالیس سال تک عشاء کی نماز سے فجر ادا کی۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ اکثر رات کے وقت نماز میں پہلی رکعت میں پورا قرآن کریم ختم فرماتے اور اس قدر گریہ فرماتے کہ محلے والے آپ پر ترس کھاتے۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ جب میں کوفہ میں آیا تو میں نے کوفے والوں سے سب متورع اور پارسا شخص کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اجتہاد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

اجتہاد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وآئمہ کے امام ہونے کی وجہ سے آپ کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں میں کتاب اللہ کو دیکھتا ہوں جب اس سے کوئی مسئلہ نہ ملے تو پھر حدیث پاک سے تلاش کرتا ہوں اگر حدیث پاک میں بھی نہ ملے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اقوال کی طرف رجوع کرتا ہوں لیکن میں ان سے باہر

نہیں جاتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذہب حنفی کی بنیاد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قضا و فتاویٰ اور قاضی شریح وغیرہ قضاۃِ کوفہ کے فتاویٰ پر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے آثار کو سامنے رکھ کر استنباط و استخراج مسائل کیا نیز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ' ابراہیم نخعی اور ان کے تلامذہ کے مذہب سے بہت کم انحراف کیا کرتے تھے ابراہیم نخعی کے مذہب پر تخریج مسائل میں امام صاحب کو بڑا ملکہ حاصل تھا۔ فروعی مسائل کے وجوہ تخریج میں بہت ہی دقیق النظر واقع ہوئے تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر تم ہمارے قول کی حقیقت سمجھنا چاہتے ہو تو ابراہیم نخعی کے اقوال' کتاب الآثار محمد اور جامع عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ سے نکال کر اور ملا کر دیکھو تو شاید ہی کسی جگہ اختلاف پاؤ گے اور اگر کسی جگہ اختلاف ہے تو فقہائے کوفہ کے خلاف نہ پاؤ گے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین میں جو عظیم الشان مجددانہ خدمات انجام دی ہیں۔ وہ محتاج بیان نہیں ہیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس قدر مسائل مدون کئے ہیں ان کی تعداد بارہ لاکھ ستر ہزار سے زائد ہے۔

ائمۂ کرام و محدثین کی آراء

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت مسائل میں غوطہ زن رہنے والے شخص تھے۔

حضرت محمد بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت سفیان کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آئے ہو۔ میں جواب دیتا۔ امام صاحب کے پاس سے آیا ہوں تو وہ فرماتے تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو تمام زمین میں سب سے بڑا فقیہ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ سب لوگ فقہ میں امام صاحب کی فرزندی میں ہیں۔

یحیٰی بن سعید القطان (جو کہ حافظ الحدیث تھے) کا امام صاحب کے اکثر اقوال کو اپنا

مذہب مختار سمجھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت یحیٰی آپ کو سب سے بڑھ کر فقیہ سمجھتے تھے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ کان فی اذکیاء بنی آدم امام ابوحنیفہ کا شمار دنیا کے منتخب اذکیا میں ہے۔

علی بن عاصم کا قول ہے کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلہ میں اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جائے تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پلہ بھاری رہے گا۔

علامہ ذہبی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے جن کی بابت لکھا ہے کہ ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو علم نبوی ﷺ کے حامل ہیں اور جن کے اجتہاد پر تحقیق احادیث میں اعتماد کیا جاتا ہے۔ (تذکرہ) علامہ ابن خلدون مقدمۂ تاریخ میں لکھتے ہیں۔ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کبار مجتہدین میں سے ہونا اس سے ثابت ہے کہ آپ کا مذہب محدثین میں معتبر سمجھا جاتا ہے۔ حافظ ابوالمحاسن دمشقی شافعی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کثیر الحدیث اور حفاظ محدثین میں سے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کا مجتہد مطلق ہونا۔ جس کا انکار غالباً ساری امت میں سے کسی نے نہیں کیا۔ خود اس بات کی شہادت ہے کہ آپ علوم قرآنیہ' حدیث' مذاہب سلف' لغت و عربیت اور قیاس پر کافی دسترس رکھتے تھے۔ کیونکہ ان پانچ چیزوں کے بغیر کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا۔ (عقد الجید شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ص ۸)

تلامذہ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کا شمار دشوار ہے۔ آئمہ اسلام میں اتنے شاگرد و تلامذہ کسی اور امام کے نہیں ہوئے علامہ کردری نے آٹھ سو فقہا اور محدثین کو آپ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس طرح فقہاء میں امام ابو یوسف و امام محمد و امام زفر اور امام حسن بن زیاد رحمہم اللہ وغیرہ ہیں اسی طرح محدثین میں عبداللہ بن مبارک لیث بن سعد' امام مالک اور مسعر

بن کدام اور صوفیاء میں فضیل بن عیاض اور داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہم جیسے ائمہ کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصحاب وتلامذہ کی ایک مجلس مرتب کی تھی جو چالیس ارکان پر مشتمل تھی جو مسائل حاضرہ پر غور وفکر کرتے تھے۔

آپ کے متعلق بشارتیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً ایک صدی قبل ہی حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق بشارت دی تھی۔

بخاری ومسلم اور ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا لو کان العلم بالثریا لتناولہ انس من ابناء فارس اگر علم ثریا کے پاس ہوتو فارس کے کچھ لوگ اس کو حاصل کرلیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشن گوئی کے اولیں مصداق علامہ سیوطی ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہم اور عام علماء نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتب میں لکھتے ہیں۔

فقیر گفت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دریں حکم داخل است

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مرتبہ

امام وکیع فرماتے ہیں کہ میں کسی عالم سے نہیں ملا جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہہ ہو اور ان سے بہتر نماز پڑھتا ہو۔

نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ فقہ سے لوگ غافل تھے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیدار کیا۔ اس کو مرتب وملخص کیا۔ سفیان ثوری نے ایک شخص سے جو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے واپس آیا تھا کہ فرمایا "روئے زمین کے سب سے بڑے فقیہہ کے پاس آرہے ہو"۔ خارجہ بن مسیب اور عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ علم وعقل

میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظیر نہیں (علم سے مراد اس دور میں علم حدیث بھی ہوتا ہے)

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے عالم تھے اور اس کے بعد امام شعبی رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے عالم ہوئے اور اس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یعنی یہ تینوں اپنے اپنے دور میں بے مثال تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظیر میری آنکھوں نے نہیں دیکھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس کو فقہ کی معرفت منظور ہو۔ وہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا دامن پکڑے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تابعیت

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آغاز شباب تک چند صحابہ حیات تھے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے ۹۳ ہجری میں وفات پائی۔ ابوطفیل عامر بن واثلہ نے ۱۰۲ ہجری عبداللہ بن بسر المازنی نے ۹۶ ہجری میں وفات پائی۔ بہرحال جمہور محدثین ومحققین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ امام صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال پیغمبری دیکھنے والوں کے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کی تھیں۔ جمہور محدثین ومحققین کا اس پر اتفاق ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بار بار دیکھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفہ میں کئی صحابہ کرام جمع تھے۔ لہٰذا امام صاحب کا طبقۂ تابعین میں ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے۔ یہ فضیلت دیگر ائمہ میں کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ امام مالک وامام اوزاعی نے فرمایا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۶ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو دیکھا ہے۔ اس لئے تمام محدثین کبار مثلاً حافظ ابن حجر، علامہ ذہبی، علامہ نووی، زین الدین عراقی، ابن جوزی، دارقطنی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تابعیت کو تسلیم کیا ہے اور حضرت امام کا متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے سماع ثابت ہے۔

حمایت حق

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ زہد وتقویٰ، علم وعمل، فہم وفراست کا سرچشمہ تھے۔ حق کی حمایت اور باطل سے عملی طور پر ٹکرانے میں بھی جھجک محسوس نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ خاندان نبوت میں واقعۂ کربلا کے بعد متعدد افراد نے انقلاب حکومت کی کوشش کی۔ حضرت محمد ذوالنفس الزکیہ نے مدینہ میں اور ان کے مشورہ سے ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے کوفہ میں منصور کے خلاف علم حریت بلند کیا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے برملا ان کی تائید کی۔

حضرت سیّدنا امام باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب امیر المومنین حضرت سیّدنا امام باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تعارف کے بعد سیّدنا امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تم ہی قیاس کی بناء پر ہمارے نانا کی حدیثوں کی مخالفت کرتے ہو“۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ! ”عیاذاً باللہ۔ حدیث کی مخالفت کون کرسکتا ہے۔ آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں“۔ سیّدنا امام باقر رضی اللہ عنہ آرام سے تشریف فرما ہوگئے تو یوں گفتگو ہوئی۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ: ”مرد ضعیف ہے یا عورت“

امام باقر رضی اللہ عنہ: ”عورت“

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ: ”وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا“

امام باقر رضی اللہ عنہ: ”مرد کا“

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ: ”میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ دیا جائے کیونکہ وہ ضعیف ہے“

پھر پوچھا: نماز افضل ہے یا روزہ“

”نماز“

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ: اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیے نہ کہ روزہ کی لیکن میں روزہ ہی کی قضا کا قائل ہوں“ سیّدنا امام باقر اٹھے اور امام اعظم کی پیشانی چوم لی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے اور فقہ اور حدیث کا علم حاصل کیا اور سیّدنا امام باقر کی رفاقت کے بعد امام جعفر صادق سے بھی یہ تعلق قائم رہا۔

مروان کے دور حکومت میں جب یزید بن عمرو کوفہ کا گورنر مقرر ہوکر آیا تو اس نے امام صاحب کو افسر خزانہ اور میر منشی مقرر کرنا چاہا امام صاحب نے انکار کیا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ منظور کرنا ہوگا مگر یہ انکار پر قائم رہے۔ یزید نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ دس کوڑے ہر روز لگائے جائیں۔ حکم کی تعمیل ہوتی رہی لیکن یہ سزا مرد آہن کو اپنا فیصلہ بدلنے پر آمادہ نہ کرسکی۔ بالآخر ظالم ہی کو جھکنا پڑا اور یہ حکم واپس لے لیا گیا۔ اس وقت امام صاحب کی والدہ زندہ تھیں۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے مجھے اپنی تکلیف کا چنداں خیال نہ تھا۔ یہ رنج ضرور تھا کہ اس سے والدہ کو صدمہ ہوتا ہے۔

۱۴۶ ہجری میں خلیفہ منصور نے بغداد کو پایۂ تخت قرار دیا اور امام صاحب کو طلب کیا۔ حاجب نے اس تعارف کے ساتھ دربار میں پیش کیا۔ دنیا میں آج یہ سب سے بڑا عالم ہے۔ آپ کیلئے قضاوقدر کا عہدہ تجویز ہو۔ آپ نے فرمایا ”میں قابلیت نہیں رکھتا“ منصور نے غصہ میں کہا۔ ”تم جھوٹے ہو“۔

امام صاحب نے فرمایا: ”اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ بلاشبہ سچا ہے کہ میں عہدۂ قضا کا اہل نہیں کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں ہوسکتا“۔

منصور نے قسم کھا کر کہا کہ قبول کرنا پڑے گا۔ آپ نے قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہ کروں گا۔ ''حجابہ نے کہا''۔ ابوحنیفہ! تم خلیفہ کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔

فرمایا: ہاں! کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت آسان ہے''۔

حکم ہوا قید خانے بھیجے جائیں۔ چار سال کی قید و بند نے امام صاحب کے قبولِ عام کو کم کرنے کی بجائے زیادہ کیا تو جلال بادشاہی کے عجز نے مکر و دغا کے دامن میں پناہ ڈھونڈی اور ان کو بے خبری میں زہر دلوا دیا۔ زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی عالم میں جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ تاریخ وفات رجب ۱۵۰ ہجری ہے۔

پہلی بار نمازِ جنازہ میں تقریباً پچاس ہزار افراد شریک ہوئے۔ چھ بار نماز جنازہ پڑھائی گئی اور عصر کے قریب دفن ہوئے۔ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔



ضروری نوٹ: حضرات خلفاء اربعہ کے متعلق موضوع کے لحاظ سے یہاں بہت ہی مختصر گفتگو کی گئی ہے اگر آپ صحابہ کرام وخلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی اور ان کے دینی وملی کارناموں کے احوال۔ اسلام میں ان کا مرتبہ ومقام اور ان کی شان کے متعلق مفصل ومدلل پڑھنا چاہیں تو مصنف کتاب ہذا کی تالیف ''شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' کا مطالعہ کیجئے۔ ایمان تازہ ہو جائے گا۔ کتاب ''شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' رضوان کتب خانہ نزد دار العلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور سے مل سکتی ہے۔

عید معراج النبی ﷺ

۲۷ رجب المرجب

یہ وہ مبارک ومقدس مہینہ ہے۔ جس میں حضور سرور کائنات ﷺ حریم حق میں حاضری سے مشرف ہوئے۔ اس ماہ مبارک کی ستائیسویں شب میں جبریل امین علیہ السلام بہشتی پوشاک اور جنتی براق لے کر ہمارے آقائے نامدار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواب راحت میں پایا بیدار کرنے کیلئے ادباً اپنا کافوری پَر آپ کے مبارک تلوؤں پر ملا۔ آنکھ کھلی عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یاد فرمایا ہے آپ نے جنتی لباس پہنا اور براق پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ راستے کی چیزوں کو ملاحظہ فرماتے بیت المقدس پہنچے وہاں تمام انبیائے کرام علیہم السلام حاضر تھے۔ آپ نے امامت فرمائی۔ سب نے اقتدا کی۔ اس طرح دو رکعت نماز با جماعت ادا ہوئی، پھر زمین و آسمان کی درمیانی کائنات کا تفصیلاً مشاہدہ فرماتے ناری وہوائی کروں کو عبور کرتے ہوئے آسمان اوّل پر پہنچے۔ آسمان اوّل میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ دوسرے میں حضرت یحییٰ وعیسیٰ تیسرے میں حضرت یوسف علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ اسی طرح ساتویں آسمانوں کی سیر کرتے قدسی نفوس انبیائے کرام سے ملاقاتیں فرماتے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی۔ حضور ﷺ! آگے بڑھنے کی نہ تاب ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت۔ جبریل امین علیہ السلام نے اجازت چاہی۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

کوئی حاجت ہو تو بیان کرو تا کہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کر دی جائے۔ عرض کیا یہ درخواست ہے کہ روزِ قیامت مجھ کو اجازت ملے اپنے بازوؤں کو پل صراط پر بچھا دوں تا کہ ان کے اوپر سے حضور ﷺ کی امت گزرے اور پل صراط کی تکلیف سے محفوظ رہے۔ بالآخر رف رف یعنی ایک ابر حاضر ہوا۔ اس نے عرش پر پہنچایا۔ شرف ہم کلامی بے حجاب پایا۔ ذاتِ الٰہی ظاہری آنکھوں سے ملاحظہ فرمائی۔ یہ وہ دولت ہے کہ تا قیامت نہ کسی کو ملے اور نہ آج تک کسی نے پائی۔ جبریل امین علیہ السلام کی درخواست بھی منظور ہوئی۔ مخصوص انعامات ملے اور رات ہی رات میں واپس ہوئے۔

شب میں بیت المقدس جانے کا تذکرہ واپسی پر بیان فرمایا۔ کفار مکہ نے باور نہ کیا۔ بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کیں تو مفصل بیان فرمائیں مگر کفار نے اس بایں خیال یقین نہ کیا کہ ممکن ہے کسی دیکھنے والے سے یہ نشانات سنے ہوں اور بیان کر دیا۔ اس لئے راستے کے حالات معلوم کئے۔ ارشاد فرمایا جاتے میں ایک قافلہ پر گزرے۔ براق کی چمک دمک سے اس کے اونٹ بدکے۔ ان میں ایک بھاگ کر غائب ہو گیا۔ قافلے والوں کو میں نے ہی اس کا پتہ دیا۔ واپسی میں ایک دوسرے قافلے پر گزر رہا جو سو رہا تھا وہاں پانی کا ایک برتن دیکھا جو کسی چیز سے ڈھکا تھا ڈھکنا علیحدہ کیا اور پانی پیا۔ یہ قافلہ اس وقت فلاں راستے سے گزر رہا ہے۔ اس کے آگے آگے ایک مائل بہ سیاہی سفید اونٹ ہے اس پر دو خورجیاں ہیں ایک سیاہ دوسری سفید مگر مائل بہ سفیدی۔ فوراً لوگ اس راستے کی طرف دوڑ پڑے۔ ارشادِ والا کے مطابق ایک قافلہ ملا۔ جس کے آگے آگے ویسا ہی ایک اونٹ ملا۔ پہلے قافلے کے متعلق بیان کردہ امور بھی ان سے دریافت کئے۔ کیونکہ ان کے علم میں آ چکے تھے اس لئے ان کی تصدیق کی لیکن کفارِ مکہ کی قسمت میں دولتِ ایمان نہ تھی۔ اس لئے ایمان لانے کے بجائے کہنے لگے ولید بن مغیرہ سچ کہتا تھا کہ یہ جادوگر ہیں۔ (معاذ اللہ)

بیت المقدس

بیت المقدس جاتے وقت ایک مقام میں جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ یہاں اتریئے اور نماز ادا فرمایئے آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو عرض کی کہ حضور ﷺ جانتے ہیں یہ کون سی جگہ ہے؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا یہ طیبہ یعنی مدینہ منورہ ہے۔ جہاں آپ ہجرت فرما کر تشریف لے جائیں گے۔ پھر ایک مقام پر سواری رکی۔ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی۔ آپ نے نماز ادا فرمائی۔ بعد فراغت عرض کیا کہ حضور واقف ہیں یہ کون سی جگہ ہے؟ فرمایا نہیں' عرض کیا یہ شہر مدین ہے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ پھر ایک مقام پر عرض کیا کہ سواری سے نیچے تشریف لا کر نماز ادا فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے نماز ادا فرمائی۔ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی کہ حضور جانتے ہیں یہ کون سا مقام ہے؟ فرمایا نہیں' عرض کیا اس موضع کا نام "بیت لحم" ہے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (بخاری شریف)

اس سفر میں بعض گناہوں کی سزا بھی آپ کو دکھائی گئی۔

زکوٰۃ نہ ادا کرنے کی سزا

حضور سرور عالم نور مجسم ﷺ نے کچھ ایسے لوگ ملاحظہ فرمائے جن کی صرف شرم گاہیں چھپی ہوئی تھیں اور جانوروں کی طرح چر رہے تھے۔ کانٹے جہنم کے گرم پتھر کھا رہے تھے۔ فرمایا یہ کون ہیں؟ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ ادا نہ کرتے تھے۔

زناکاری کی سزا

کچھ ایسے مرد اور عورت ملاحظہ فرمائے جن کے دیگچوں میں عمدہ پکا ہوا گوشت موجود ہے اور کچھ کچا بدبودار گوشت بھی سامنے رکھا ہوا ہے۔ عمدہ کو چھوڑ کر کچے بدبودار

گوشت کو کھا رہے ہیں۔ فرمایا یہ کون ہیں؟ عرض کیا یہ وہ مرد ہیں جنہوں نے اپنی حلال بیویوں کو چھوڑ کر غیر عورتوں سے ناجائز تعلق پیدا کیا تھا اور یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے شوہر کے سوا غیر مردوں سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا تھا۔

سود خور کی سزا

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک خون کی نہر ہے اس کے بیچ میں ایک آدمی ہے۔ جب کنارے کے قریب آتا ہے تو کنارے سے ایک شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے جس سے وہ بیچ نہر میں پہنچ جاتا ہے پھر کنارے کے قریب آتا ہے۔ کنارے والا شخص پھر پتھر مارتا ہے جس سے وہ بیچ نہر میں پہنچ جاتا ہے۔ طرفین سے یہ ہی عمل ہو رہا ہے۔ فرمایا یہ کون ہے؟ عرض کیا یہ وہ شخص ہے جو دنیا میں سود لیتا تھا۔

غیبت کی سزا

آپ نے کچھ ایسے لوگ بھی ملاحظہ فرمائے جن کے ناخن تانبے کے ہیں۔ ان سے اپنے منہ اور سینوں کو کھسوٹ رہے ہیں۔ فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا "یہ غیبت کرنے والے ہیں"۔

بے عمل واعظین کی سزا

آپ نے کچھ ایسے بھی ملاحظہ فرمائے جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی "یہ آپ کی امت کے بے عمل واعظ ہیں"۔ اللہ اکبر اور جو بد عمل ہوں ان کا کیا حشر ہوگا۔ (العیاذ باللہ)

جھوٹ کی سزا

انبیاء کرام علیہم السلام کے تو خواب وحی ہوتے ہیں۔ اسی واسطے ان میں شک وشبہ

نہیں۔ سید عالم ﷺ کو جھوٹ بولنے والے کا مشاہدہ کرایا گیا۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے پاس آ کر کہا کھڑے ہو جائیے۔ میں اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ پھر میں نے دو آدمیوں کو دیکھا کہ ایک کھڑا ہے دوسرا بیٹھا کھڑے ہونے والے کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا ہے جس کو بیٹھے ہوئے کے جبڑے میں اس طرح داخل کرتا ہے کہ کاندھے تک پہنچ جاتا ہے پھر کھینچ کر اسی طرح دوسرے جبڑے میں داخل کرتا ہے۔ جب دوسرے جبڑے سے نکالتا ہے تو اس وقت تک پہلا جبڑا اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے یہی عمل مسلسل جاری ہے۔ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے مجھے اٹھایا تھا۔ اس سے میں نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ جواب دیا یہ جھوٹ بولنے والا ہے اسی طرح قبر میں قیامت تک اس عذاب میں مبتلا رہے گا۔

عید میلاد النبی ﷺ، شب برأت، شب معراج اور لیلۃ القدر کے مواقع پر محض چراغاں کر دینا عبادت نہیں ہے۔ آتش بازی ایک نہایت ہی مکروہ رسم ہے اس کا ترک لازم ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر مجالس ذکر و وعظ اور خوشی و مسرت اور شوکت اسلام کے اظہار کیلئے چراغاں کرنا جائز ہے شرک و بدعت نہیں ہے۔

اصل یہ ہے کہ جلوس یا چراغاں کسی مقصد صحیح کیلئے ہونے چاہئیں۔ محض جلوس نکال دیا یا چراغاں کر دیا اور فرض نماز کی پرواہ نہ کی تو یہ نمائشی انداز جیسا کہ عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس میں لوگ نماز کی پرواہ نہیں کرتے۔ کیونکہ درست قرار پائے گا۔ افسوس عید میلاد النبی ﷺ کے پاکیزہ اور مقدس جلوس کو اب عوام نے کھیل تماشا اور فحاشی و عریانی کا رنگ دے دیا ہے جو اس مقدس جلوس کے ساتھ بدترین قسم کا ظلم ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس کو ان خرافات اور غیر شرعی حرکات سے پاک ہونا چاہیے جلوس نکالئے، عید میلاد النبی ﷺ کی خوشی منائیے مگر دائرہ شریعت کے اندر رہ کر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

شب معراج

تلاوت قرآن کریم، ذکر الٰہی اور حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ عالی میں ہدیۂ درود وسلام بھیجنا چاہیے اور اگر توفیق ہو تو حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کیلئے عمدہ قسم کا کھانا غرباء میں تقسیم کیجئے اور حاجت مندوں کی امداد واعانت کیجئے۔

۲۲ رجب

۲۲ رجب المرجب کو حضور سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی فاتحہ کا رواج بھی ہے۔ جنہیں کونڈوں کی نیاز کہتے ہیں۔ یہ بھی ایصال ثواب کی ایک شکل ہے جو مسلمان ایصال ثواب کرنا چاہیں کر سکتے ہیں جائز ہے لیکن ایسی قیود جن کی کوئی اصل نہ ہو اس سے بچنا چاہیے۔



ضروری نوٹ: یہاں ہم نے معراج شریف کے متعلق نہایت ہی مختصر تذکرہ کیا ہے۔ تفصیل کیلئے کتاب "معراج النبی" کا مطالعہ کیجئے۔ جس میں معراج کے موضوع پر ایمان افروز باطل سوز تبصرہ ہے۔ اہل ذوق حضرات کیلئے یہ کتاب رضوان کتب خانہ نزد دار العلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور سے مل سکتی ہے۔

یوم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

۱۰ رمضان المبارک

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں ایک بلند درجہ رکھتی ہیں کیونکہ یہی حضور سرور عالم نور مجسم ﷺ کی اوّل محرم راز ہیں اور ابتدائے وحی کے موقع پر آپ ہی حضور ﷺ کو ورقہ کے پاس لے گئی تھیں آپ کا نام خدیجہ اور لقب طاہرہ ہے۔ آپ حضور ﷺ کی پہلی مقدس بی بی ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائد ہے والد کا نام عامر بن لوی ہے۔

جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا تاجرہ تھیں۔ آپ نے بحضور نبوی یہ پیشکش کی کہ اگر آپ میرا مال تجارت شام تک لے جایا کریں تو میں اپنا غلام میسرہ آپ کے ساتھ کر دوں۔ حضور ﷺ نے منظور فرمایا اور آپ اشیاء تجارت لے کر بصرہ تشریف لے گئے۔ خدا کی شان تمام مال فروخت ہو گیا اور مکہ میں واپسی پر جب نفع کا حساب کیا گیا تو جتنا نفع پہلے ہوا کرتا تھا اس سے دگنا ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت خوش ہوئیں اور جتنی رقم حضور ﷺ کیلئے مقرر کی گئی تھی اس سے المضاعف نذر کی۔ اس کے بعد آپ حرم نبوت میں داخل ہوئیں۔ پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔

عفیف کندی کہتے ہیں۔ میں زمانہ جاہلیت میں مکہ آیا۔ اپنی بیوی کیلئے عطر اور کپڑا خریدنے کیلئے میں عباس بن عبد المطلب کے پاس ٹھہر گیا۔ میری نظر کعبہ کی طرف تھی میں نے دیکھا کہ ایک جوان آیا اور قبلہ رُخ کھڑا ہو گیا پھر ایک لڑکا آیا وہ اس جوان

کے دائیں کھڑا ہو گیا پھر ایک عورت آئی وہ بھی ان کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ میں نے عباس سے کہا میرا خیال ہے کوئی انقلاب آنے والا ہے عباس نے کہا ہاں تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جن کو تم نے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ یہ جوان میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ ہیں۔ یہ لڑکا علی ابوطالب کے بیٹے ہیں۔ یہ عورت محمد ﷺ کی زوجۂ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ میرے بھتیجے کا خیال ہے کہ اس کا دین الہامی ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں جہاں تک مجھے معلوم ہے روئے زمین پر ان تینوں کے سوا اس دین کا کوئی پابند نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۱ ج ۸) اس واقعہ سے اس وقت کے اسلام کی کیفیت واضح ہوتی ہے ایسے وقت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی ہم خیال اور غمگسار تھیں۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا خدیجہ رضی اللہ عنہا جبرئیل علیہ السلام مجھ سے کہہ گئے ہیں کہ تم کو ان کا سلام پہنچا دوں اور جنت میں موتیوں سے بنے ہوئے گھر کی بشارت دوں۔ جس میں شور و شغب، محنت و تکلیف کا گذر نہ ہو گا۔ (اصابہ ص ۵۴)

دوسری روایت جناب انس رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا خدیجہ رضی اللہ عنہا میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر سلام بھیجتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا اِنَّ اللّٰہ ھو السلام و علیٰ جبرئیل السلام و علیک یا رسول اللہ السلام علامہ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جواب ان اللہ ھو السلام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فہم و فراست پر دلالت کرتا ہے۔ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہ کہا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے منع کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہی سلام ہے اس کی جگہ التحیات للہ کہو) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی فراست سے سمجھ لیا اللہ تعالیٰ پر سلام بھیجنا مناسب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو سلامتی مانگی جاتی ہے۔ گویا اس دور میں

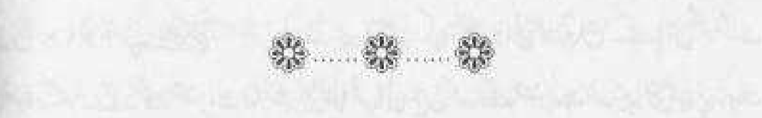
بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خالق کی عظمت اور بندے کی عبدیت کو واضح فرما دیا۔ اس کے ساتھ آپ نے جبرئیل علیہ السلام اور حضور علیہ السلام پر سلام کہا جس سے واضح ہوا سلام کہنے اور سلام پہنچانے والے دونوں کی سلامتی کی دعا مانگنا چاہیے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ہافہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی اور دو لڑکے ہند اور حارث پیدا ہوئے۔ ابوہافہ کے انتقال کے بعد آپ عتیق بن عائذ مخزومی کے عقد میں آئیں ان میں سے ایک لڑکی بنام ہند پیدا ہوئی۔ اسی لئے آپ اُمِ ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سیّد المرسلین ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ برس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ۴۰ سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد ۲۴ برس تک زندہ رہیں۔ ان کی زندگی میں حضور اکرم ﷺ نے دوسری شادی نہیں فرمائی۔ حضور ﷺ سے چھ اولادیں ہوئیں۔ دو صاحبزادے جو کہ بچپن ہی میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ، زینب، رقیہ اور کلثوم رضی اللہ عنہن۔

حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے حضور سرورِ عالم نورِ مجسم ﷺ کو بے انتہا محبت تھی۔ ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ملنے والی عورتوں کے پاس گوشت ضرور بھجواتے۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر بہت رشک آتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ کو کچھ کہا تو حضور ﷺ نے فرمایا: خدا نے مجھے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی محبت دی ہے۔ (مسلم شریف فضل خدیجہ) ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں جو کہ مرچکی ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا:

جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میری تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی معین نہ تھا انہوں نے میری مدد کی۔

الغرض حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شان بہت ارفع واعلیٰ ہے اور جو نسبت آپ کو حضور ﷺ سے ہے وہ کسی کو نہیں ہے۔ حضور ﷺ جو کچھ فرماتے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس کی تصدیق کرتی تھیں۔ یہ حالت آپ کی ہر زمانہ میں رہی۔ بعثت سے قبل بھی اور بعثت کے بعد بھی اور نبوت کے آٹھویں سال ہجرت سے تین برس قبل ماہ رمضان میں دس محرم اسرار نبوت نے بعمر ۶۵ سال وفات پائی حجون آپ کا مدفن ہے۔





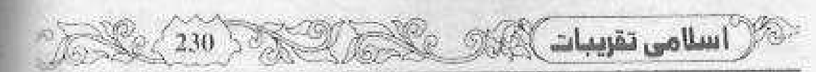
یوم بدر

۱۷ رمضان المبارک

بدر کے میدان میں ایک طرف کفار کا لشکرِ جرار تھا اور دوسری طرف صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) شمع نبوت کے پروانے تھے۔ جن کیلئے سامان حرب اور افرادی کثرت وقلت سے قطع نظر سخت آزمائش اور امتحان کا وقت تھا کہ مقابلے پر ان کے قریبی اعزا حتیٰ کہ باپ کے مقابلے پر بیٹا اور بھائی کے مقابلہ پر بھائی تھا مگر اسلام کی عظمت وسر بلندی اور خدا اور رسول کی محبت تمام رشتوں سے بالاتر تھی۔

۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری جمعۃ المبارک فیصلہ کن اور تاریخی دن تھا۔ جنگ کی شب سرکار مدینہ ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریزی اور تضرع وزاری میں گزاری۔ استغراق اور محویت کی یہ کیفیت تھی کہ کائنات عالم کا بوجھ اٹھانے والے شانوں سے اکثر ردائے مبارک گرتی رہی۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ حضور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی۔

نماز فجر کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنے جانثاروں کی صف بندی فرمائی۔ دنیائے انسانیت کے یہ عظیم ومنفرد سپہ سالار مجاہدین کی صفوں کو آراستہ کرتے جاتے تھے اور ساتھ دشمن کے نامور سرداروں کی موت کی پیش گوئی کرتے جاتے تھے کہ ابوجہل، عتبہ وامیہ وغیرہ اس مقام پر مارے جائیں گے۔ جنگ ختم ہوئی تو تمام سرداران قریش



ٹھیک انہی مقامات پر ڈھیر تھے جن کی حضور ﷺ نے نشاندہی فرمائی تھی۔

آغاز جنگ پر طرفین کے سردار مقابلے پر آئے۔ قریش کے سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ کے مقابلہ پر حضرت عبید رضی اللہ عنہ عتبہ کے بھائی شیبہ کے مقابلے پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ولید کے مقابلے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں اپنے اپنے مدمقابل کو ختم کر دیا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو شدید زخمی کیا اور خود بھی زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی۔

قرآن کریم نے سورۂ آل عمران پارہ ۴ اور سورہ انفال پارہ ۹ میں معرکۂ بدر میں نزول ملائکہ رحمت خداوندی اور عظمت رسول ﷺ کا پرشکوہ تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ میدان کارزار گرم ہونے پر حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے مٹھی بھر کنکریاں پھینکیں تھیں۔ حق باطل پر غالب آیا کفار شکست کھا کر حواس باختہ الٹے پاؤں بھاگے۔ مسلمانوں کو خدا نے نصرت و کامرانی سے سرفراز فرمایا۔ قلت کثرت پر غالب آئی۔

معرکۂ بدر میں کل چودہ مسلمان (پانچ مہاجر اور نو انصار) شہید ہوئے۔ جنگ بدر میں شریک ہونے والے مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی کل تعداد چھیاسی تھی۔ ان میں اکابر صحابہ صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ عثمان غنیؓ علی المرتضیٰؓ حضرت حمزہؓ زید ابن حارثہؓ عبیدہ ابن الحارثؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ عمار بن یاسرؓ زبیر ابن العوامؓ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین سرفہرست ہیں۔

انصار کے اکابر صحابہ کرام میں سعد بن معاذؓ عمر بن معاذؓ حارس بن اوسؓ سعد بن زیدؓ سالم بن عمیرؓ نوفل بن عبداللہؓ معاذ بن جبلؓ عبداللہ بن عامرؓ مالک بن مسعودؓ عبداللہ بن قیسؓ سعد بن عثمانؓ اور جابر بن خالد رضی اللہ عنہم اجمعین نمایاں نظر آتے ہیں۔

روسائے مکہ اپنے ہمسروں کے ہاتھوں زخمی ہوئے اور مارے گئے لیکن کفار کے سب سے بڑے سردار کو دو معصوم مجاہدین معاذ رضی اللہ عنہ و معوذ رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا۔

میدان کارزار میں جبریل امین علیہ السلام کی قیادت میں فرشتوں کا نزول کفار کا مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھنا۔ حضور ﷺ کے دست مبارک سے پھینکی ہوئی کنکریوں کا کفار کو مجروح کرنا۔ سرداران قریش کا قتل ہو جانا۔ مسلمانوں کی فتح و کامرانی اور کفار کی شکست پر منتج ہوا۔ کفار مکہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے، ستر مارے گئے، ستر گرفتار کر لئے گئے۔

مجاہدین میں سب سے پہلے جس خوش قسمت صحابی کو شہادت ملی وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔

معرکۂ بدر اسلام کیلئے نقطۂ عروج ثابت ہوا اور اس سے مذہبی و ملکی حالات پر دور رس نتائج مرتب ہوئے۔ بعثت نبوی ﷺ کے بعد حقیقتاً یہ اسلام کی اشاعت و سربلندی کی جانب پہلا قدم تھا جس نے کفر کی قوت کو ختم اور کفار کے زعم باطل کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔

نصرت خداوندی نے مسلمانوں کو سرفراز کیا اور مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ وہ راہ حق میں اعداد و شمار کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ دنیا کی بڑی طاقت جادۂ حق سے نہیں ہٹا سکتی وہ فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر اس طرح لڑتے ہیں کہ فتح و کامرانی ان کے قدم چومنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اصحاب بدر کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کیجئے اور غرباء کی حسب توفیق امداد و اعانت فرمایئے۔





یومِ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

۱۷ رمضان المبارک

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور سیّد عالم ﷺ کی دوسری مقدس بی بی ہیں۔ آپ کا نام عائشہ اور کنیت اُم عبداللہ ہے۔ آپ کی کنیت اُم عبداللہ حضور سیّد عالم ﷺ نے ہی رکھی تھی جب کہ آپ کے بھانجے عبداللہ بن زبیر کو بغرض تحنیک بحضور نبوی پیش کیا گیا تو حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا یہ عبداللہ ہے اور تم اُم عبداللہ۔ (فتح الباری)

والد کا نام امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے اور والدہ کا نام اُم رومان زینب بنت عامر ہے۔ جن کا انتقال ۶ ہجری میں ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔ ۱۰ ہجری بعثت میں حضور ﷺ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ آپ کی عمر شریف اس وقت ۶ سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکم کی وساطت سے نکاح ہوا۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے بعد حضور سیّد عالم ﷺ تین سال مکہ میں مقیم رہے۔ ۱ ہجری میں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ اہل و عیال مکہ چھوڑ آئے تھے۔ جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عیال کو مدینہ بلا لیا۔ حضور ﷺ نے بھی حضرت فاطمہ، اُم کلثوم اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے لانے کیلئے حضرت عبداللہ بن اریقط کو بھیج دیا۔ ماہ شوال میں ۹ سال کی عمر

میں رخصتی ہوئی۔

وفات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ۹ سال تک حضور ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کی۔ جب حضور ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی عمر شریف ۱۸ سال کی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے بعد حضرت عائشہ ۴۸ سال زندہ رہیں اور ۵۷ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۶ سال کی تھی۔ وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت مروان بن حکم کی طرف سے حاکم مدینہ تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

فضائل

ازواج مطہرات میں حضرت ام المومنین سیّدہ عفیفہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب' آپ کا ورع تقویٰ' علم و فقہ اور اجتہادی بصیرت اتنی اعلیٰ ہے کہ جس کے بیان کیلئے دفتر درکار ہے۔ مختصر یہ کہ آپ ام المومنین رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ سے حضور ﷺ کو بہت محبت تھی۔ اسی محبت کی وجہ سے آپ نے اپنے مرض وفات میں تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے کر اپنی مقدس زندگی کے آخری ایام سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ نوری میں بسر فرمائے تھے۔ اس محبت کا اظہار جن طریقوں سے ہوتا تھا ان کے متعلق احادیث و سیر میں کثیر واقعات ہیں جو بوجہ اختصار چھوڑے جا رہے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود ہی تحدیث نعمت کے طور پر فرماتی ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نو خوبیاں ایسی عطا فرمائیں جو کسی عورت کو نہ ملیں۔

۱) عقد سے پیشتر سے میری تصویر حضرت جبریل امین علیہ السلام نے بحضور نبوی پیش کی (یہ تصویر قدرتی تھی جو کسی انسان کی بنائی ہوئی نہ تھی)

۲) حضور ﷺ نے بجز میرے کسی اور کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔

۳) میں آپ کے خلیفۂ اوّل اور آپ کے صدیق کی صاحبزادی ہوں۔

۴) مجھ کو پاکیزہ کے گھر پاکیزہ پیدا فرمایا۔

۵) بوقت وصال حضور ﷺ کا سر اقدس میری گود میں تھا۔

۶) حضور ﷺ میرے گھر میں دفن ہوئے۔

۷) حضور ﷺ میرے لحاف میں ہوتے تو بھی وحی نازل ہو جاتی تھی۔

۸) مجھ سے اللہ رب العزت نے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔

۹) میری برأت آسمان سے نازل ہوئی۔

بعض اہل تحقیق نے فرمایا کہ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت رکھی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کی زبان سے آپ کی برأت ظاہر فرمائی۔ حضرت مریم کو مطعون کیا گیا تو ان کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بحالت شیر خوارگی آپ کی برأت کا اظہار فرمایا گیا لیکن جب منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو متہم کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت کسی بچے یا کسی نبی کی زبان سے نہیں کرائی بلکہ اپنے محبوب کی زوجہ کی برأت خود فرمائی اور سورۂ نور نازل فرما کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ (طبری)

علمی زندگی

ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا علم و فضل کے لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں۔ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں۔ اکابر صحابہ آپ کے علم و فضل کے معترف تھے اور مسائل میں آپ سے استفسار کرتے تھے۔ آپ سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ۱۷۴ حدیثوں پر بخاری و مسلم نے

اتفاق کیا۔ بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں ۶۸ حدیثیں امام مسلم نے منفرد طور پر روایت کی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کو جب کوئی مشکل سوال پیش آتا تو اس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی حل کرتی تھیں۔ تفسیر حدیث، اسرار شریعت، خطابت، ادب اور انساب میں آپ کو کمال حاصل تھا۔

حضور ﷺ نے فرمایا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے ثرید کو عام کھانوں پر (استیعاب ص ۶۶)

حضرت ابن عباس اور حضرت عروہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا بالفرض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور فضائل نہ ہوں تو بھی ان کی فضیلت و بزرگی یہ کافی ہے کہ سورۂ نور کی ۱۷ آیتیں ان کی پاکدامنی عفت اور عظمت کے متعلق نازل ہوئیں جو قیامت تک پڑھی جائیں گی۔ (اسد الغابہ ص ۵۰۳ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۵۳) حضرت مسروق تابعی کہتے ہیں۔ بخدا میں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑے بڑے صحابہ کو فرائض (میراث) کے مسئلے دریافت کرتے دیکھا ہے۔ (طبقات ج ۷ ص ۴۵) امام زہری فرماتے ہیں۔ اگر تمام مردوں اور امہات المومنین کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علم ان میں سب سے زیادہ ہوگا۔ (استیعاب ص ۷۶)

حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں۔

مَا اشْكَلَ عَلَيْنَا (اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ) حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا۔ (ترمذی)

ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں۔

حضرت عروہ بن زبیر کا قول ہے میں نے فقہ طب اور شاعری میں حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو عالم نہ پایا۔ (استیعاب ص ۷۹۵) جلیل القدر تابعی حضرت ابوسلمہ اور عطاء بن ابی الرباح کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ فقیہہ سب سے زیادہ بہتر اور لوگوں میں سب سے زیادہ صائب الرائے تھیں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم تفقہ فی الدین کا ماہر۔ آیاتِ قرآن کے شانِ نزول اور علم فرائض کا جاننے والا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی اور کو نہیں دیکھا۔

(مستدرک' استیعاب ص ۷۶۵' طبقات ج ۸ ص ۵۰)

تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سواء حضرت ابوہریرہ و ابن عباس کے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اتنی روایتیں بیان نہیں ہوئیں جتنی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں۔

الغرض اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فضائل و کمالات کے لحاظ سے ایک شخصیت تھیں علم نبوی کی امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم اسرار تھیں دینی عظمت و اقتدار کے علاوہ ان کی خصوصیات سے یہ بھی ہے کہ آیہ تیمم ان کے ہار کھو جانے کے سلسلہ میں نازل ہوئی جو مسلمانوں کیلئے دین میں آسانی کا باعث ہوئی۔ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حرم نبوت میں داخل ہونے کی بشارت دی گئی۔ ان کے بستر پر وحی نازل ہوئی۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے ان کو سلام کہا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فیاض بھی تھیں' سخی بھی' بہادر بھی تھیں اور حلیم بھی اور باوجود اس قدر بلند و بالا شان کے عاجزی و انکساری کا پیکر جمیل تھیں۔

مختصر یہ کہ ایک مسلمان کیلئے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بی بی ہیں۔ اُم المومنین ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں یعنی صدیق وہ ہیں جن کے دامادِ مکرم رسول نہ صرف رسول بلکہ رسولوں کے رسول اور اللہ کے محبوب اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سبحان اللہ۔

یوم مولائے کائنات سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۲۱ رمضان المبارک

آپ کا نام نامی علی کنیت ابوالحسن ابوتراب ہے۔ آپ کے والد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب ہیں۔ آپ نوعمروں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ جس طرح کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کبھی بت پرستی کے ساتھ ملوث نہ ہوئے۔ آپ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں جن کیلئے جنت کا وعدہ کیا گیا اور علاوہ چچازاد ہونے کے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عزت و مواخات بھی عطا ہوئی اور سیّدۃ نساءِ عالمین خاتونِ جنت حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کا عقدِ نکاح ہوا۔ آپ سابقین اولین اور علماء ربانیین میں سے ہیں جس طرح شجاعت و بسالت میں آپ کا نام نامی شہرہ عالم ہے۔ عرب و عجم برو بحر میں آپ کے زور و قوت کے سکّے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کے ہیبت و دبدبہ سے آج بھی جواں مردانِ شیر دل کانپ جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ کا زہد و ریاضت اطراف و اکنافِ عالم میں وظیفۂ خاص و عام ہے۔ کروڑوں اولیاء آپ کے سینۂ نور گنجینہ سے مستفیض ہیں اور آپ کے ارشاد و ہدایت نے زمین کو خدا پرستوں کی طاعت و ریاضت سے بھر دیا ہے۔ خوش بیان فصحاء اور معروف خطباء میں آپ بلند پایہ ہیں۔ جامعینِ قرآن پاک میں آپ کا نام نامی نورانی حرفوں کے ساتھ چمکتا ہے آپ بنی ہاشم میں پہلے خلیفہ ہیں اور سبطین کریمین حسنین جمیلین سعیدین شہیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے والد ماجد ہیں۔ سادات کرام

اور اولادِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ پروردگارِ عالم نے آپ سے جاری فرمایا آپ تبوک کے سوا تمام مشاہد میں حاضر ہوئے۔ جنگ تبوک کے موقع پر حضور اقدس ﷺ نے آپ کو مدینہ کا خلیفہ بنایا تھا اور ارشاد فرمایا تھا کہ تمہیں ہماری بارگاہ میں وہ مرتبہ حاصل ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کو حضور اقدس ﷺ نے چند مقاموں میں آپ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ خصوصاً روزِ خیبر اور حضور ﷺ نے خبر دی کہ ان کے ہاتھ پر فتح ہوگی۔ آپ نے اس روز قلعہ خیبر کا دروازہ اپنی پشت پر رکھا اور اس پر مسلمانوں نے چڑھ کر قلعہ کو فتح کیا۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کو کھینچنا چاہا تو چالیس آدمیوں سے کم اس کو نہ اٹھا سکے۔ جنگوں میں آپ کے کارنامے بہت ہیں۔ ایک روز آپ مسجد شریف کی دیوار کے پاس لیٹے ہوئے تھے۔ پشت مبارک کو مٹی لگ گئی تھی۔ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور آپ کی پشت مبارک سے مٹی جھاڑ کر فرمایا ''اِجْلِسْ اَبَا تُرَابٍ'' یہ حضور ﷺ کا عطا فرمایا ہوا خطاب آپ کو ہر نام سے پیارا تھا۔ آپ کے فضائل و محامد بہت زیادہ ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے روزِ خیبر فرمایا کہ میں کل جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا اور وہ اللہ و رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ و رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس مژدۂ جانفزا نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو تمام شب امید کی ساعتیں شمار کرنے میں مصروف رکھا۔ ہر دل آرزو مند تھا کہ اس نعمتِ عظمیٰ کبریٰ سے بہرہ مند ہو اور ہر آنکھ منتظر تھی کہ صبح کی روشنی میں سلطانِ دارین فتح کا جھنڈا کس کو عطا فرماتے ہیں۔ صبح ہوتے ہی شب بیدار تمنائی امیدوں کے ذخائر لئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ادب کے ساتھ دیکھنے لگے کہ کریم ذرہ پرور کا دستِ رحمت کس سعادت مند کو سرفراز فرماتا ہے۔ صبح کو رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ علی بن ابی طالب کہاں ہیں۔ عرض کیا گیا وہ بیمار ہیں۔ ان کی آنکھوں پر آشوب

ہے۔ بلانے کا حکم دیا گیا اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دہن مبارک کے حیات بخش لعاب سے ان کی چشمِ بیمار کا علاج فرمایا اور برکت کی دعا کی۔ دعا کرنا تھی کہ آرام ہوا کہ گویا کبھی بیمار نہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔

ابن سعد کے قول پر حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دوسرے روز امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے دست مبارک پر مدینہ طیبہ میں تمام صحابہ نے جو وہاں موجود تھے بیعت کی۔ ۳۶ ہجری میں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا اور صفر ۳۷ ہجری میں جنگ صفین ہوئی جو ایک صلح پر ختم ہوئی اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے کوفہ کی طرف مراجعت فرمائی اور اس وقت خوارج نے سرکشی شروع کی۔ حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے مقابلہ کیلئے بھیجا آپ ان پر غالب آئے ۳۸ ہجری میں آپ نے ان کو نہروان میں قتل کیا ذوالثدیہ کو بھی قتل کیا جس کے خروج کی خبر حضور اقدس ﷺ نے دی تھی۔ خوارج میں سے ایک نامراد عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی تھا۔ اس نے برق بن عبداللہ تمیمی خارجی اور عمرو بن بکیر تمیمی خارجی کو مکہ مکرمہ میں جمع کر کے حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اجمعین کے قتل کا معاہدہ کیا اور حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے قتل کیلئے ابن ملجم آمادہ ہوا اور ایک تاریخ مقرر کر لی گئی۔ مستدرک میں سعدی سے منقول ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم ایک خارجی عورت قطام نامی پر عاشق تھا اس ناشاد کی شادی کا مہر تین ہزار درہم اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو قتل کرنا قرار پایا۔ ابن ملجم کوفہ پہنچا اور وہاں کے خوارج سے ملا اور انہیں در پردہ اپنے ناپاک ارادہ کی اطلاع دی۔ خوارج اس کے ساتھ متفق ہوئے۔ شب جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو امیر المومنین حضرت مولا علی مرتضیٰ کرم اللہ

تعالیٰ وجہہ سحر کے وقت بیدار ہوئے۔ اس رمضان میں آپ کا یہ دستور رہا تھا کہ ایک شب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس۔ ایک شب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس افطار فرماتے اور تین لقموں سے زیادہ تناول نہ فرماتے تھے اور فرماتے کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کے وقت میرا پیٹ خالی ہو۔ آج کی شب تو یہ حالت رہی کہ بار بار مکان سے باہر تشریف لاتے اور آسمان کی طرف نظر فرماتے اور فرماتے بخدا مجھے کوئی خبر جھوٹی نہیں دی گئی یہ وہی رات ہے جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔

الغرض ۱۶، ۱۷ رمضان المبارک کو آپ سجدہ میں تھے کہ شقی ازلی ابن ملجم نے اس شمع ہدایت پر جس کی حیات کا ایک لمحہ نوع انسانی کیلئے مشعل راہ تھا اور جو تقویٰ و پرہیزگاری علم و معرفت میں یکتائے روزگار تھا۔ زہر آلود خنجر سے وار کیا اور یہ علم و فضل کا آفتاب ۲۱ رمضان المبارک کو غروب ہو گیا۔

حضور سیّد عالم ﷺ نے علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے متعلق فرمایا:

علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ (بزار) جس نے علی رضی اللہ عنہ کو ایذا دی اس نے مجھے دکھ پہنچایا۔ نیز فرمایا:

عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ۔ (ترمذی نسائی)

علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔

فتح خیبر

خیبر مدینہ سے شام کی جانب ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں یہودیوں کی خالص آبادی تھی اور انہیں کا قبضہ ہے۔ یہود نے خیبر کی آبادی کے اردگرد مضبوط و مستحکم قلعے بنا رکھے ہیں۔ حضور سیّد عالم ﷺ کو حدیبیہ سے مدینہ آئے ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ خبر پہنچی یہود نے قبیلہ بنو غطفان سے چار ہزار جنگجو بہادروں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور مدینہ پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس خبر کے پہنچتے ہی یہ مشورہ ہوا۔ یہود کے حملہ سے

پہلے مسلمانوں کو خیبر کا محاصرہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی مشورہ کی بناء پر حضور اکرم ﷺ نے لشکر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ راتوں رات آبادی خیبر کے متصل پہنچ کر قیام فرمایا۔

ایک شام

قصہ مختصر ایک شام محمد بن مسلمہ نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اپنے بھائی کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ سنایا۔ جس پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

لَاُعْطِیَنَّ هٰذِهِ الرَّایَةَ غَدًا رَّجُلًا یَّفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْهِ۔ (بخاری)

کل ہم فوج کا جھنڈا ایسے شخص کو دیں گے جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح فرمائے گا۔

یہ ارشاد نبوی سن کر قلوب صحابہ میں تمنائیں مچلنے لگیں اور ہر بہادر سورما اگلے دن کی کمان لینے کا آرزومند ہو گیا اور اس ساعت ہمایوں کا انتظار کرنے لگا جس میں حضور جھنڈا عطا فرمائیں گے۔ آخر صبح ہوئی اور حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کی انہیں آشوب چشم ہے۔ فرمایا علی رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔

فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ عَیْنَیْهِ فَبَرَأَ۔ (بخاری)

حضور اقدس ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا آنکھیں فوراً اچھی ہو گئیں۔

اور حضور ﷺ نے فوج کا نشان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلا حملہ قلعہ ناعم پر کیا اور آپ کو فتح ہوئی۔

قلعہ قموص

خیبر کے تمام قلعوں میں قموص بہت زیادہ محکم و مضبوط قلعہ تھا۔ مجاہدین اسلام

نے اس قلعہ کا تین دن کامل محاصرہ کیا مگر فتح نہ ہوئی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس قلعہ کے قریب سے گزر رہے تھے۔ ایک یہودی نے آپ کی ڈھال پر تیر مارا ڈھال زمین پر آ رہی فوراً دوسرا یہودی آیا اور آپ کے سامنے آپ کی ڈھال اٹھا کر قلعہ کی طرف بھاگ گیا۔ پھر کیا تھا۔ شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جوش آ گیا اور حضور ﷺ کے علم مبارک اور لعاب مبارک کی برکتوں کے ظہور کا وقت آیا اور آپ ایک حیرت انگیز قوت وصولت کے ساتھ بپھرے ہوئے شیر کی طرح جست لگا کر خندق کے پار جا پہنچے اور قلعہ قموص کے دروازوں کو پکڑ کر ہلا دیا اور اسی کا ایک کواڑ اکھاڑ کر ڈھال بنا کر مصروف قتال ہوئے اور جب تک جنگ جاری رہی آپ ایک ہاتھ میں کواڑ اٹھائے دوسرے ہاتھ سے تلوار چلاتے رہے اور مکمل فتح کے بعد آپ نے کواڑ ایک طرف پھینک دیا۔

درّہ خیبر کا وزن

بعض کتب میں مرقوم ہے کہ قلعہ قموص کے اس دروازے کا وزن آٹھ سو من تھا۔ ستر آدمی بمشکل اس کو اٹھا سکتے تھے۔ فی کس گیارہ من ڈیڑھ پاؤ چار تولہ ساڑھے تین رتی ہوتے ہیں۔

سبحان اللہ وہ پیراہن یوسف تھا جس کی برکت سے یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ (قرآن حکیم) یہ حضور اکرم ﷺ کا علم ہے۔ جس کی برکت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ فاتح خیبر ہو گئے اور آپ نے خیبر کے بھاری بھرکم دروازہ کو ڈھال بنا لیا۔

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ متقی پرہیزگار شب بیدار خدا ترس بلند ہمت بہادر فیاض صف شکن سپاہی حق پرست سیاست دان مدبر دور اندیش حضور سرور کائنات ﷺ کے محبوب علم و حکمت کا سرچشمہ تھے یعنی حضور ﷺ علم کا شہر اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ تھے۔

علی ہے معنیِ امّ الکتاب و نفسِ رسول
علی لطیف علی حسنِ علتٌ و معلول
علی کے نور سے مرادنِ حر تجلی گہر
علی کا فقر ہے بدر و حنین کی توقیر
علی ہے مظہرِ تقویمِ جملہ موجودات
علی ہے نورِ الٰہی علی ہے پرتوِ ذات
ہر اک ادا میں ہیں سو جلوے ماہتابی کے
نثار دیدہؑ و دل شانِ بوترابی کے
بدوش خواجہ ولایت کا منتہائے کمال
زمانہ لا نہ سکے گا کبھی علی کی مثال



یوم القرآن فی شہرِ رمضان

قرآن مجید اللہ کی آخری وحی ٗ ہادی انسانیت کائنات کیلئے روشنی کا مینار
ہدایت وموعظت کا خزینہ ٗ مرشدِ عالم ٗ بے مثل و بے نظیر کتاب

قرآن کریم! اللہ کا کلام۔ رب ذوالجلال کی وحی ٗ نوع انسانی کیلئے آخری ضابطۂ حیات ٗ نور ٗ ہدایت ٗ رحمت ٗ موعظت ٗ کائنات کیلئے مرشد برحق اور امام کل۔ کامل ومکمل دین۔ انفرادی واجتماعی زندگی کیلئے روشنی کا مینار۔ انسانیت کیلئے دستور حیات اور ہادی ہے۔ قرآن ضیاء الاسلام ہے جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں۔ یہ اللہ کی آخری وحی ہے جو اس نے اپنے آخری رسول حضور سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفیٰ ﷺ پر بذریعہ جبرئیل امین علیہ السلام نازل فرمائی۔

قرآن کیا ہے؟ کیوں نازل ہوا۔ کس شان سے نازل ہوا۔ کس کا سینہ وحی الٰہی کا گنجینہ بنا۔ ان تمام امور کی نشان دہی خود قرآن کریم نے فرمائی ہے۔

۱) تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (الحاقہ)
اس نے اتارا جو سارے جہان کا رب ہے۔

۲) تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ۔ (حم السجدہ)
حکمت وستائش کے مالک کی طرف سے اترا۔

۳) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ۔ (کہف)
سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب یعنی قرآن اتارا۔

۴) کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ۔ (شوریٰ)
یونہی وحی فرماتا ہے تمہاری طرف۔

۵) نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ۔ (آل عمران ۳)
اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ آپ پر (کتاب) قرآن نازل فرمایا۔

۶) وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ۔ (المائدہ ۴)
ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری۔
اور اس شان سے نازل فرمائی کہ باطل اس میں کسی طرح بھی راہ نہ پاسکے۔

۷) لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ (حم السجدہ)
باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔

۸) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا۔ (دہر)
بیشک ہم نے تم پر قرآن بتدریج اتارا۔

نزولِ قرآن کی کیفیت

لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر قرآن کا یکبارگی نزول رمضان میں ہوا۔ جبرئیل امین لوح محفوظ سے پورا قرآن اخذ کر کے آسمان دنیا پر آئے اور فرشتوں کو املا کرایا اور فرشتوں نے موجودہ ترتیب کے مطابق اپنے صحیفوں میں لکھ کر بیت العزۃ میں رکھ دیا جو آسمان دنیا پر ایک مقام ہے۔ پھر یہاں سے حسب حکمت الٰہی حضرت جبرئیل علیہ السلام جتنا جتنا منظور الٰہی ہوا۔ حضور نبوی ﷺ لاتے رہے۔ علماء نے فرمایا صحف ابراہیم رمضان کی یکم کو توریت ۲۰ کو انجیل ۱۳ کو اور قرآن ۲۷ رمضان المبارک کو نازل ہوا جتنا قرآن نازل ہوتا ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک حضور ﷺ حضرت جبرئیل کے ساتھ اس کا دور فرماتے جس سال حضور ﷺ کا وصال ہوا اس سال دو بار دور ہوا۔ (بخاری)

رمضان کے مبارک مہینہ میں قرآن نازل ہوا

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانَ۔

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کیلئے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ۔

بیشک ہم نے اسے (قرآن کو) برکت والی رات میں اتارا۔

نزول قرآن کی مدت ۲۳ سال

علماء مفسرین کے نزدیک اس شب سے شب قدر مراد ہے جو رمضان کے آخری عشرہ کی ایک طاق تاریخ کی رات ہے۔ شب قدر میں قرآن پاک بتمامہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی اتارا گیا۔ پھر وہاں سے حضرت جبرئیل تئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا لے کر نازل ہوئے سب سے پہلی وحی سورۂ اقراء کی پانچ آیتیں ہیں۔ تکمیل قرآن کی کل مدت ۲۳ سال ہے۔

قرآن حضور ﷺ پر نازل ہوا حضور اللہ کے رسول ہیں اور آپ کا نام نامی اسم گرامی محمد ﷺ ہے۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔

بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔

پھر یہ وحی بڑی عظمت والی تھی۔ کلام الٰہی تھا۔ اس کے جلال کا یہ عالم تھا کہ خود

قرآن کریم نے اعلان کیا۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔ (مزمل)

بیشک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔

وحی الٰہی کا جلال اور عظمت

وحی الٰہی کے جلال وعظمت کا یہ عالم تھا کہ جب وحی نازل ہوتی تو حضور ﷺ کی جبین اقدس پسینہ سے تر اور چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا۔ اونٹنی پر جلوہ فرما ہوتے تو اونٹنی بیٹھ جاتی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں۔ میری ران حضور ﷺ کا تکیہ تھی کہ وحی آنے لگی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری ران کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ (بخاری)

لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔ (الحشر)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے۔

یعنی قرآن کریم کا جلال اور اس کی عظمت وشان ایسی ہے کہ پہاڑ کو اگر ادراک ہوتا تو باوجود اتنا سخت ومضبوط ہونے کے پاش پاش ہو جاتا مگر سبحان اللہ حضور ﷺ کا قلب اقدس وحی جیسی پُرعظمت وجلال چیز کا متحمل ہوا۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (بقرہ ۱۱)

تو اس (جبرئیل) نے تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اتارا۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ۔ (شعراء ۱۴)

اسے روح امین لے کر اترا۔

اللہ عزوجل کی آخری وحی (قرآن) کا مورد ومہبط حضور ﷺ کا پاک ومنزہ

قلب اور اس کی جلوہ گاہ آپ کا سینۂ اقدس تھا اور وحی لانے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جن کو الرُّوْحُ الْاَمِیْن (امانت دار روح) فرمایا گیا۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو بحضور نبوی تقریباً چوبیس ہزار مرتبہ باریابی کا شرف حاصل ہوا۔

حراء کے مقدس غار میں حضور ﷺ مراقبۂ حق میں تھے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حاضر ہوئے عرض کی اِقْرَاْ پڑھیے۔

سب سے پہلی وحی اور اس کی کیفیت

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔

پڑھیے اپنے رب کے پیارے نام کے ساتھ جس نے تمہیں پیدا کیا۔

حضور اقدس ﷺ جبرئیل امین علیہ السلام کے وحی پہنچا کر فارغ ہونے سے قبل یاد فرمانے کی سعی فرماتے تھے جلد جلد پڑھتے زبان اقدس کو حرکت دیتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دی کہ آپ جلدی نہ کیجئے۔ قرآن کا آپ کی زبان پر جاری کرنا۔ آپ کے سینہ میں محفوظ کرنا۔ آپ کو یاد کرانا اور قرآن کے معنی و مفہوم اور اس کی باریکیوں کا آپ پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے۔

لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ ؕ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ ؕ (قیمہ)

تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کریم کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ بیشک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ پھر بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی مشقت گوارا نہ فرمائی۔ قرآن پاک کا سینۂ نبوی میں محفوظ کرنا اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ وحی

کو باطمینان سنتے اور جب تمام ہو جاتی تب پڑھتے۔

حضور کا علم نسیان سے پاک ہے

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے حضور اقدس ﷺ کو قرآن پاک یاد کرایا اور اس شان سے کہ

سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی۔ (الاعلیٰ)

ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم بھولو گے نہیں۔

اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ہے کہ آپ کو حفظِ قرآن کی نعمت بے محنت عطا فرمائی اور اتنی بڑی عظیم کتاب بغیر محنت و مشقت اور بغیر تکرار و ورد کے آپ کو حفظ ہو گئی اور اس شان سے حفظ ہوئی جو بھول چوک اور نسیان سے پاک و منزہ ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ قرآن کریم حضور ﷺ کو حفظ تو ہو گیا۔ لیکن قرآن کے علوم و معارف اسرار و رموز اور اس کے احکام و مسائل کی تشریح و تبیین کا کیا ہوا؟ اس کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا۔

اللہ نے حضور ﷺ کو قرآن پڑھایا اور اس کے اسرار کی تعلیم دی

وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔ (نساء)

اور اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔ اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ۔

رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد ﷺ کو پیدا کیا اور ان کو قرآن کا بیان سکھایا۔

واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو قرآن پڑھایا نہ صرف پڑھایا بلکہ اس کے اسرار و رموز کی بھی تعلیم سے حضور ﷺ کو نوازا اور جو چیز بھی حضور ﷺ کے علم میں نہ تھی سب سکھادی۔

قرآن حضور ﷺ کا معجزۂ کامل ہے

قرآن کریم۔ اسلام کی صداقت وحقانیت کا نشان ہے معجزہ ہے زندہ معجزہ حسی ومعنوی معجزہ حضور ﷺ کو پیش گاہِ الٰہی سے جو معجزات عطا ہوئے ان سب سے بڑا سب سے افضل واکرم اور سب سے اعظم معجزہ قرآن مجید ہے کفار نے جب معجزہ طلب کیا تو سورۂ عنکبوت میں فرمایا گیا کہ قرآن ہی سب سے بڑا معجزہ ہے۔

اَوَ لَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ

کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں؟ کہ ہم نے آپ پر (حضور پر) کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے۔ اب صرف ان کا ذکر باقی ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کا معجزہ قرآن دائمی ابدی معجزہ ہے اور اس کے اثرات وبرکات بھی قیامت تک لوگوں کو کھینچتے رہیں گے۔

قرآن کی مثل لانا ناممکن ومحال ہے

قرآن کے وجوہِ اعجاز کے بیان کیلئے دفتر درکار ہے۔ نظم قرآن کی فصاحت وبلاغت کلام کی ندرت شرینی نمکینی تاثیر اور تسخیر اسلوب کا اندازِ جدید۔ دلوں کی باتوں کا اظہار پیشن گوئیاں جو انسانی قوت سے باہر ہیں۔ دلوں کی بات ظاہر کرنا۔ اوّل سے آخر تک نظم قرآن کریم کا ایک ہی نوعیت کا ہونا۔ حضور سید عالم ﷺ جوامی ہیں ان کی زبانِ اقدس سے ایسے کلام بلاغت نظام کا ظاہر ہوتا۔ اس کی غیر معمولی تاثیر اور

قلوب انسانی کی تسخیر۔ قرآن کے احکامات تعلیمات ارشادات اس کی یکسانیت عدم اختلاف دعویٰ مستحکم بات مدلل ایسی کہ جسے توڑا نہ جاسکے۔ یہ سب قرآن مجید کے معجزۂ کامل ہونے کی وجوہات ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس صوتِ سرمدی کے سامنے زبان آور شعراء۔ آتش بیان خطباء۔ قادر الکلام ادبا اور عرب وعجم کے فصحاء بلغا اور حکماء کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔

قرآن کریم نے حاسدوں۔ دشمنوں۔ معاندوں اور روئے زمین کے جنوں اور انسانوں کو چیلنج کیا اور اپنے مقدس رسول سے فرمایا کہ تم اعلان کردو۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ۔ (بنی اسرائیل)

تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کریم کی مانند لے آئیں تو اس کی مثل نہ لاسکیں گے۔

فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ؕ (طور۲)

اس جیسی ایک بات تو لے آئیں اگر سچے ہیں۔

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ۔ (یونس۴)

تم فرماؤ تو اس جیسی ایک سورہ لے آؤ۔

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ۔ (ہود)

فرمایا تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (بقرہ۳)

اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورہ تو لے آؤ۔

اللہ اکبر فصحاء و بلغا کو چیلنج ہے کہ پورے قرآن کریم کی بجائے دس سورتوں کا ہی جواب لاؤ شاعروں اور ادیبوں کو للکارا جا رہا ہے کہ دس کی بجائے ایک ہی سورۃ کی مثل بنا لاؤ۔ دشمنوں، معترضوں اور معاندوں کی بھیڑ سے مطالبہ ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو اور اگر اکیلے جواب دینے کی طاقت نہیں ہے تو تمام جن و انس کو جمع کر کے اس چیلنج کا جواب دو"۔

وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (بقرہ)

اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہوں کو بلا لو۔

مگر سب اپنی اپنی جگہ انگشت بدنداں حیران و پریشان ہیں۔ کفر نے مجتمع ہو کر جب سے لے کر اب تک لاکھ جتن کیے مگر قرآن کی مثل لانے میں ناکام ہے اور ناکام رہیں گے۔ قرآن نے کفر کی ناکامی کا اعلان بھی پہلے ہی کر دیا اور فرمایا۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ (بقرہ)

پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

الغرض یہ ہے قرآن کا اعجاز اور اس کی شان یہ مقدس کتاب اللہ کی حفاظت میں ہے اور اس کی مثل لانا محال اور ناممکن ہے اور یہ ہی قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے اور اسلام کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ بلکہ یوں کہیے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو بے مثل و لاجواب بنایا ہے ایسے ہی اس نے صاحب قرآن حضور اکرم ﷺ کو بھی بے مثل و بے نظیر بنایا ہے۔

حسن ہے بے مثل صورت لاجواب
میں فدا تم آپ ہو اپنا جواب

قرآن مجید ایک محفوظ کتاب

قرآن مجید ایک ایسی محفوظ کتاب ہے جس کی مثال ناممکن ہے۔ توریت، زبور، انجیل اور دیگر کتب سماویہ تحریف۔ زیادتی اور نقصان سے محفوظ نہ رہ سکیں صرف اور صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی حفاظت و صیانت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی اور اعلان کیا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (نحل)

بیشک ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں اور دوسری آیات میں سب سے پہلے اس بات پر زور دیا گیا کہ قرآن مجید منزل من اللہ ہے اور بار بار اس امر کی نشان دہی کی گئی کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ۔ (انبیاء)

یہ ذکر مبارک ہے جسے ہم ہی نے نازل کیا۔

جس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام اس کی ایک صفت ہے۔ اس میں زیادہ و نقصان ناممکن اور محال ہے۔ اس لئے اس کی حفاظت مخلوق کے ضعیف کندھوں پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ اس لئے تاکید کے ساتھ فرمایا وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ قرآن کریم ہمارا کلام ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں[1] اور حق یہ ہے کہ قرآن مجید کا ہر قسم کی زیادت و نقصان سے محفوظ رہنا قرآن و اسلام کی حقانیت و صداقت کی کھلی ہوئی شہادت ہے۔

(۱) قرطبی متوفی ۶۷۱ ابوبکر انباری سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن کریم میں زیادت و نقصان کا قائل ہو وہ کافر ہے کیونکہ آیت اس بات کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ قرآن کریم زیادت و نقصان سے پاک ہے لہٰذا جو شخص تحریف قرآن کا عقیدہ رکھے وہ بلاشبہ اس آیت کا منکر اور کافر ہے۔ (مقدمہ تفسیر ص ۷۳)

آپ غور کیجئے۔ دنیا میں آسمانی کتابیں تغیر وتبدل اور تحریف سے بچ نہیں سکیں لیکن پوری کائنات میں قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے جو آج تک اس داغ سے پاک ومنزہ ہے۔ دنیا میں واقعہ کی شہادت ایک زبردست شہادت سمجھی جاتی ہے اور یہ بات ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں آج تک کوئی ترمیم اور تحریف نہیں ہوئی تو یہ بات اس کی حفاظت کی ایک مستقل اور یہی دلیل ہے۔ یہی دیکھ کر سرولیم کو کہنا پڑا۔

”جہاں تک ہمارے معلومات میں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس کی طرح (قرآن مجید کی طرح) بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو“۔ (دیباچہ لائف آف محمد)

قرآن مجید میں کوئی طاقت تبدیلی نہیں کرسکتی

جو کتاب اس طرح محفوظ رہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس میں کمی بیشی نہ پیدا کر سکے وہ یقیناً خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ وہ کتاب اللہ کی نازل کردہ ہے اور بلا کسی تردد کے پوری کائنات کو یہ چیلنج کیا جاسکتا ہے کہ روئے زمین پر کوئی کتاب ایسی محفوظ دکھلاؤ جس میں خدائی کتاب ہونے کے دعویٰ کے باوجود کسی تحریف وتبدیل کو راہ نہ ملی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس شان کی کتاب سوائے قرآن مجید کے اور کوئی نہیں دکھائی جاسکتی۔

قرآن اللہ کی حفاظت میں ہے

الغرض آیات بالا سے واضح ہوا کہ قرآن مجید جس مقام سے متحرک ہوا وہ ایک محفوظ لوح تھی کہ باطل نہ آگے سے آسکے اور نہ پیچھے سے جس کی معرفت آیا وہ ایک امین روح اور معصوم شخصیت تھی جس کی دیانت وامانت میں باطل کی آمیزش محال و ناممکن ...... اور جس ہستی مقدس پر نازل ہوا وہ ایک معصوم نوری پیکر۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا مظہر اتم تھا جس کی حفاظت ونگرانی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم پر لی



اور اعلان فرمایا۔

حضور ﷺ بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (مائدہ ۱۲۷)

اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ۔ (اسراء)

سب لوگ تمہارے رب کے قابو میں ہیں (کہ آپ پر دسترس پائیں)

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔ (طور ۲)

اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو بیشک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

سبحان اللہ! کتاب وصاحب کتاب دونوں کی حفاظت وصیانت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی جس رسول مکرم کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کا اعلان فرما کر اس کی ذات اقدس کو قدرت نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور جس کتاب کو آخری کتاب بنایا۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ سے اس کی ابدی حفاظت ونگرانی کا اعلان فرمادیا۔ اب نہ خاتم النبیین کو کوئی گزند پہنچا سکتا ہے اور نہ ان پر نازل کردہ کتاب قرآن کریم میں کسی قسم کی زیادتی ونقصان تحریف وتبدیل راہ پاسکتی ہے۔

قرآن میں زیادت ونقصان ناممکن ہے

امام قرطبی نے حفاظت قرآن پر استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ اللہ کا ارشاد لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ الخ اس امر پر دلیل ہے کہ قرآن کریم انسانی طاقت سے باہر ہے اور جب قرآن میں زیادت ونقصان ممکن ہوا تو یہ مقدور بشری قرار پائے گا۔ پھر معجزہ کہاں رہا لہٰذا جو شخص قرآن میں تحریف کا قائل ہوگا۔ وہ درحقیقت اس کے معجزہ ہونے کا منکر ہے۔ الرا كِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ میں آیات قرآنیہ کے محکم ہونے کا

مطلب یہ ہے کہ وہ انسانی دسترس سے بالاتر ہیں نہ کوئی اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ اس کا مثل بنایا جا سکتا ہے لہٰذا جو قرآن کے محرف ہونے کا قائل ہوگا وہ اس آیت کا بھی منکر قرار پائے گا۔ ص ۲۴۷

حفاظت نبوی ﷺ

ابتداء میں جب حضور اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے۔ ایک رات صحابہ کرام آپ کے خیمہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے کہ آیت وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ الخ نازل ہوئی تو آپ نے پہرہ والوں سے فرمایا۔ واپس ہو جاؤ خدا نے میری حفاظت کا فرض اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ (ترمذی)

چنانچہ یہ وعدۂ حفاظت ہزارہا مشکلات وخطرات کے باوجود پورا ہوتا رہا اور یہ بات ایک مستقل معجزہ ہے کہ ہنگاموں فتنوں سازشوں اور بے پناہ مشکلات کے عالم میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے فرض نبوت کو باحسن وجوہ انجام تک پہنچایا۔

اللہ تعالیٰ نے جیسے قرآن کریم کی حفاظت فرمائی ایسے ہی حضور ﷺ کے جسم اطہر اور آپ کے اسوۂ کی حفاظت بھی فرمائی ہے۔ اس موقعے پر ایک بات جو خصوصی طور پر مجھے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات جن میں حضور ﷺ کی حفاظت کا ذکر ہے یہ حفاظت صرف حضور ﷺ کے ظاہری جسم اقدس کے ساتھ خاص نہ سمجھی جائے بلکہ اس کا تعلق ظاہری جسم کے ساتھ ساتھ اس پیکر حسن کے خصائص' برکات' فضائل' اقوال وافعال' کردار' صورت وسیرت سے بھی ہے اور مذکورہ بالا آیات سے بطریق اشارۃ النص یہ واضح ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ظاہری جسم کی ہر نازک سے نازک موقع پر حفاظت فرمائی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے خصائص وبرکات' سیرت وکردار کی بھی حفاظت فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اعلان کیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لئے رسول کریم میں بہترین نمونہ ہے۔

حضور ﷺ کی ذات پاک قیامت تک کے انسانوں کیلئے ابدی نمونہ جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ حضور ﷺ کی سیرت وصورت' اقوال واعمال محفوظ شکل میں دنیا کے سامنے ہوں اور یہ اس کی حفاظت خداوندی کا نتیجہ ہے کہ آج عیسیٰ وموسیٰ ایسے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام اور دیگر مذہبی شخصیتوں کی سیرت وصورت پر پردے پڑے ہوئے ہیں مگر کائنات میں صرف ایک ہی وجود نوری ہے کہ جس کی زندگی کا ہر گوشہ محفوظ ہے اور پوری دنیا کیلئے روشنی کا مینار ہے۔ کیوں؟

صرف اس لئے حضور ﷺ کا وجود اقدس اللہ کی نگرانی میں ہے۔

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا الخ۔

علوم قرآن

قرآن مجید تمام علوم کا جامع ہے۔ حدیث میں ہے کہ قرآن کریم میں اولین و آخرین کی خبریں ہیں۔

۱) مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ۔

ہم نے کتاب (قرآن) میں کوئی چیز چھوڑ نہیں دی۔

۲) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔

ہم نے تم پر کتاب اتاری جس میں ہر شے کا بیان ہے۔

لفظ کل شی اور من شی بتا رہا ہے کہ قرآن میں ہر شے کا مفصل روشن اور واضح بیان ہے۔ شے ہر موجود کو کہتے ہیں۔ لوح محفوظ بھی ایک شے ہے اس لئے قرآن مجید میں لوح محفوظ کے تمام مکتوبات بھی ہیں رہی یہ بات کہ لوح محفوظ میں کیا ہے؟ تو اس کا جواب بھی قرآن مجید ہی سے لیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

۳) كُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ۔
لوح محفوظ میں ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

۴) كُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ فِيْ إِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔
ہر چیز ہم نے ایک روشن پیشوا میں جمع فرمادی۔

۵) وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔
زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ تر و خشک نہیں جو ہم نے ایک روشن کتاب میں نہ لکھ دیا ہو۔

مفسرین کی اکثریت نے کتاب مبین اور امام مبین سے لوح محفوظ کو مراد لیا ہے اور اگر کوئی صاحب اس سے اختلاف کریں تو لامحالہ کتاب مبین اور امام مبین سے قرآن مجید ہی کو مراد لینا ہوگا۔ لیکن یہ بات از روئے قرآن مجید غلط اور واقع کے خلاف ہوگی کیونکہ قرآن مجید کے لوح محفوظ میں محفوظ و مسطور ہونے کی تصریح خود قرآن مجید نے کی ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ (بروج)
بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے۔ لوح محفوظ میں۔

قرآن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے

نکرہ جب حیز نفی میں ہو عموم کو فائدہ دیتا ہے اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل نہیں ہوتا۔ نیز عام استغراق کا فائدہ دینے میں قطعی ہے۔ قرآن مجید کی نصوص ہمیشہ اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہوا کرتی ہیں ظاہری معنی میں تخصیص و تاویل کی بلا دلیل شرعی اجازت نہیں ہے حتیٰ کہ حدیث احاد خواہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو قرآن مجید کے عموم کی تخصیص نہیں کر سکتی۔ بہر حال امام مبین اور کتاب مبین سے خواہ

لوح محفوظ مراد لیجئے یا قرآن۔ ہر طور یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن علم و معرفت کا خزینہ حقائق و معارف کا گنجینہ علوم اولین و آخرین کا مخزن واقعات ماضیہ و آئندہ کا معدن ہے۔ غرضیکہ ہر چیز اور ہر شی کا قرآن میں روشن واضح اور مفصل بیان ہے۔ کائنات ارضی و سماوی میں جو کچھ ہو ہوگا ہو گیا ہر بات قرآن مجید میں مندرج ہے۔

حضور ﷺ ہی قرآنی علوم و معارف کے عالم ہیں

ان تمام مذکورہ بالا آیات سے واضح ہوا۔ قرآن وحی الٰہی ہے ہدایت و موعظت کا مجموعہ۔ حقیقت و معرفت کا خزینہ علوم اولین و آخرین اور لوح محفوظ کے مکتوبات کا گنجینہ ہے۔ قرآن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے خواہ اس کا تعلق آسمان کے طبقات سے ہو یا زمین کی گہرائیوں سے حالات ماضیہ سے ہو یا واقعات موجودہ و آئندہ سے۔ عالم امر سے ہو یا عالم شہادت سے۔ غرضیکہ ہر چیز ہر شے کا قرآن مجید میں بیان ہے ...... اور یہ ہی گنجینہ علم و معرفت اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ﷺ پر نازل کیا۔ آپ کا قلب اطہر و سینۂ مقدس اس عظیم و جلیل وحی (قرآن مجید) کا مخزن بنا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو قرآن یاد کرایا سکھایا۔ قرآن مجید کے الفاظ اور اس کے معنیٰ و مفہوم و اسرار و رموز کی آپ کو تعلیم دی۔ قرآن مجید کے حقائق و معارف احکام و مسائل اور اس کے اصول و جزئیات کی شرح و تفسیر کا علم آپ کو عطا فرمایا۔

اس لئے پوری کائنات میں حضور اکرم ﷺ سے زیادہ کوئی عالم نہیں۔ حضور ﷺ کے علم کی کوئی حد و غایت نہیں۔ غیب و شہادت سب کے حضور اکرم ﷺ عالم

(۱) حضرت امام شافعی نے مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ مجھ سے جو چاہو دریافت کرو۔ تمہیں قرآن مجید سے اس کی خبر دوں گا۔ ابن سراقہ نے کتاب الاعجاز میں ابوبکر ابن مجاہد سے نقل کیا کہ انہوں نے ایک روز فرمایا کہ جہان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کتاب اللہ (قرآن) میں نہ ہو۔ اس پر ان سے کہا گیا سراؤں کا ذکر کہاں ہے۔ آپ نے جواب دیا اس آیت میں لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ۔

ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ قرآن مجید حضور ﷺ کے سینہ میں ہے پڑھانے والا رب العلمین ہے اور پڑھنے والے خاتم النبیین ہیں۔

خدا نے کیا ان کو آگاہ سب سے
دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

قرآن کی تفسیر وتوضیح کا حق صرف حضور ﷺ کو ہے

مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب قرآن مجید کے اسرار ورموز اللہ تعالیٰ نے صرف حضور ﷺ کو تعلیم فرمائے تو قرآن مجید کی تفسیر وتوضیح کا حق صرف اور صرف حضور ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ حضور ﷺ کے علاوہ کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے قرآن مجید کے اجمال کی تبیین اور احکام قرآنیہ کی توضیح کرے قرآن کے ساتھ حضور ﷺ کو حضور ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کو نازل کرنے میں حکمت الٰہی اور مرضی الٰہی یہ ہے کہ لوگ اپنے طور پر نہیں' اپنی رائے اور اپنے قیاس سے نہیں بلکہ رسول کے بیان وشرح کی روشنی میں قرآن مجید کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں خود قرآن مجید نے بھی قرآن مجید کے ساتھ رسول کریم ﷺ کے اس تعلق کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔

ہم نے یہ قرآن مجید آپ پر اس لئے نازل کیا تا کہ آپ خوب کھول کر بیان کر

(1) یعنی علوم خمسہ علم ماکان وما یکون۔ سب ظاہر وباطن خشک وتر۔ صغیر وکبیر غیب وشہادت سب لوح محفوظ میں مندرج ہے اور لوح محفوظ کے تمام علوم قرآن مجید میں ہیں اور قرآن مجید حضور خاتم النبیین ﷺ کے سینہ اقدس میں ہے جس سے واضح ہوا ہمارے نبی کریم ﷺ اور ہر شی اور ہر چیز کے عالم ہیں۔ اسی لئے علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور کو مخاطب بنا کر عرض کی۔
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ۔ لوح وقلم کا علم آپ کے علم کا ایک ٹکڑا ہے۔
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

دیں جو اُن کی طرف نازل کیا گیا۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ۔ (نساء)

اے محبوب بیشک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتار دی کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے۔

اپنے اسی منصب کو بیان کرتے ہوئے حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ قَالَ فِى الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

جو شخص قرآن مجید کی تفسیر بغیر علم کے کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

اَلْمِرَاءُ فِى الْقُرْاٰنِ كُفْرٌ۔ (احمد)

قرآن مجید میں جھگڑنا کفر ہے۔

مَنْ قَالَ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ بِرَاْيِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاَ۔ (ابوداؤد)

جس نے اپنی رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کی اور ٹھیک کی اس نے غلطی کی۔

سیّد المتقین امیر المؤمنین سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے آیۃ وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا۔

اَىُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِىْ وَاَىُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِىْ اِذَا قُلْتُ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (خازن ج ۱ ص ۵)

کون سا آسمان سایہ فگن ہوگا اور کون سی زمین مجھے پناہ دے گی اگر میں اللہ کی کتاب کی بغیر علم کے تفسیر کروں۔

الغرض۔ ان آیات بینات نے بتا دیا کہ دین اسلام کا مرکز ومحور حضور ﷺ کی ذات پاک ہے۔ قرآن مجید کی تشریح۔ توضیح۔ تفسیر اور ترجمانی کا حق صرف حضور ﷺ کو ہے محض اپنی رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا حرام ہے گمراہی ہے اور یہ کہ

حضور سرور کائنات ﷺ نے قرآن مجید کی اپنے عمل و کردار اقوال و عمل سے جو تفسیر فرمائی وہ اللہ کی نگرانی و نگہبانی میں فرمائی ہے۔ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا یعنی قرآن مجید حفاظت الٰہی میں ہے۔ ایسے ہی قرآن مجید کی جو تفسیر حضور ﷺ نے فرمائی اس کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمارہا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہی تھا کہ وہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت اور حضور ﷺ کے ایک ایک ارشاد پر خوب غور و تدبر کرتے تھے۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ صحابہ حضور ﷺ سے دس آیتیں سیکھتے تھے تو جب تک ان کی علمی و عملی حقیقت کو نہیں جان لیتے تھے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اسی بناء پر حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جب کوئی سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تھا تو ہماری نگاہوں میں بڑا ہو جاتا تھا۔ (مسند احمد)

فضائل قرآن

حضور سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا

میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑ رہا ہوں جس میں نور اور ہدایت ہے۔

فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا۔ (مسلم)

تو اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔

حضور سید عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس شخص کو قرآن خوانی کا شغل دعا اور ذکر الٰہی سے روک دے میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔ کلام الٰہی کی بزرگی تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ کی تمام مخلوقات پر۔ (دارمی)

اُلْبِسَ وَالِدُهٗ تَاجًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ۔

(ابوداؤد)

نیز فرمایا جس نے قرآن مجید پڑھا اور اس پر عمل کیا تو قیامت کے دن اس

کے والد کو ایک ایسا چمکتا ہوا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ ہوگی۔

جس نے قرآن پڑھا اور اس کو یاد کیا اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشْرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔ (ترمذی)

اور اس کی شفاعت اس کے اہلبیت کے ایسے افراد کے حق میں قبول کی جائے گی جن کیلئے دوزخ واجب ہو چکی ہو۔

قیامت کے دن قرآن رب العلمین کے دربار میں عرض کرے گا۔ میرے پڑھنے والے کو زینت دے تو حافظ کو تاج کرامت پہنادیا جائے گا۔ پھر عرض کرے گا الٰہی اور زیادہ فرما! حافظ کو کرامت کا جوڑا پہنایا جائے گا۔ پھر عرض کرے گا الٰہی اس سے راضی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے گا اور فرمائے گا۔

وَيُزْدَادُ بِكُلِّ اٰيَةٍ حَسَنَةً۔ (ترمذی)

ایک ایک آیت پڑھتا جا اور درجے حاصل کرتا جا۔

وہ شخص جس کے سینہ میں قرآن نہ ہو وہ ویران مکان کی طرح ہے۔ (ترمذی)

اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ۔ (ترمذی

قرآن کا ماہر جنت میں رسل ملائکہ کے ساتھ ہوگا۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ۔ (بخاری)

تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن پڑھے اور قرآن پڑھائے۔

حرفِ آخر

اب آخر میں ایک ایمان افروز بات بھی سن لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو قولِ رسول کریم ﷺ قرار دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب اور مقدس رسول سے

گفتگو کا نام قرآن مجید ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ۔ (الحاقہ ۵)

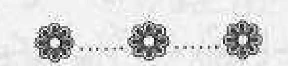
بیشک یہ قرآن مجید ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں اور کسی شاعر کی بات نہیں۔

اور نطق رسول کی کیفیت یہ ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (نجم)

وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ جو کچھ کہتے ہیں وحی الٰہی سے کہتے ہیں جو ان پر کی جاتی ہے۔

ایمان ہے قالِ مصطفائی
قرآن ہے حالِ مصطفائی



یوم الحج

۸ تا ۱۲ ذوالحجہ

شیخ الانبیاء سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام وہ مقدس ہستی ہیں۔ جنہوں نے کفر کی اندھیریوں میں توحید کی شمع روشن کی۔ راہ حق میں عیش و آرام اہل و عیال جان و مال ہر چیز قربان کردی۔ رب العلمین کی بڑائی و کبریائی کے جھنڈے گاڑ دیئے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری میں جان اور اولاد جیسی عزیز چیز نثار کردی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن عراق تھا۔ جہاں کلدانیوں کی حکومت تھی جو ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت پا کر ستارہ پرستی کے خلاف سب سے پہلی آواز بلند کی اور ایک خدا کی پرستش کی دعوت دی۔ ان کے خاندان اور قوم نے ان کی مخالفت کی اور سخت تکلیفیں دیں۔ بالآخر آپ نے اپنا وطن چھوڑ کر شام و مصر و عرب کی طرف ہجرت فرمائی اور فاران کی وادی میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سکونت مقرر فرمائی یہ وادی کیا تھی۔ ایک ویرانہ تھا۔ جہاں دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ اس موقع پر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔

دعائے ابراہیمی

رَبَّنَا اِنِّىْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ

اَلْمُحَرَّمِ۔ (ابراہیم)

الٰہی میں نے اپنی کچھ اولاد اس ویرانہ میں جس میں کھیتی نہیں۔ تیرے مقدس گھر کے پاس آباد کی ہے۔

وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ۔ (بقرہ)

اور یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں میں سے روزی عطا فرما۔

یہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہی کی مقدس دعا کا نتیجہ ہے کہ مکہ معظمہ کے بازاروں میں ہر وقت تازہ پھل میوے سبزیاں ترکاریاں مل جاتی ہیں۔ اس بے آب و گیاہ زمین میں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاس سے بیتاب ہوئے تو آپ کی والدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا[1] پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑیں۔ پانی نہ ملا تو واپس ہوئیں دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں میں پانی کا چشمہ جاری ہو گیا ہے۔ آپ نے جب اس کی روانی دیکھی تو فرمایا زم زم ٹھہر ٹھہر۔ اسی لئے اس چشمہ کا نام زم زم[2] ہو گیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی

اور جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے چلنا شروع کیا اور وہ اپنے عظیم باپ کی بے پناہ محبت کا مرکز بن گئے تو اب خواب میں محبوب ترین چیز کی قربانی کا حکم ہوا۔ یہ محبوب ترین چیز بہر حال آپ کا نورِ نظر اور لختِ جگر ہی تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اس کیلئے بھی تیار ہو گئے۔ صفا وہ پہاڑی ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی سواری اور

(۲۱) حج میں صفا مروہ کی جو سعی کی جاتی ہے وہ حضرت ہاجرہ کی اسی مضطربانہ دوڑ کی یادگار ہے اللہ اکبر جب ان دو پہاڑیوں کو حضرت ابراہیم و ہاجرہ سے نسبت ہو گئی تو ان کی عظمت کا یہ عالم ہو گیا۔ قرآن مجید نے اعلان کیا۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ۔ (بقرہ ۱۹) بیشک صفا و مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں اور پھر قرآن مجید نے یہ بھی تصریح کی کہ ان نشانیوں کی تعظیم لازم و ضروری ہے اور تقویٰ سے ہے۔ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ (حج) جو اللہ کی نشانیوں اور یادگاروں کی تعظیم کرتا ہے تو وہ دلوں کے تقویٰ کے سبب سے ہے۔

نوکروں کو چھوڑ کر اکیلے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام[1] کو لے کر آگے بڑھے اور مروہ[2] وہ پہاڑی ہے جہاں آپ نے اپنے لختِ جگر کی قربانی کرنی چاہی۔ بہر حال اس مقام پر پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰى فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى۔

ترجمہ اے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں تمہارا کیا خیال ہے؟

جواب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنے شفیق و مہربان باپ کی چھری کے نیچے اپنی گردن رکھ کر عرض کرتے ہیں۔

یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (صفت ۳)

(۱) منیٰ کے مقام پر تین پتھر کے ستون ہیں جنہیں حاجی کنکریاں مارتے ہیں۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر چلے تو راستہ میں تین مقامات پر شیطان ملا۔ اس نے کہا اسمٰعیل تمہارے باپ تمہیں ذبح کرنے کیلئے لے جا رہے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے جواب دیا بھلا یہ ممکن ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو ذبح کر دے شیطان نے کہا ممکن تو نہیں مگر ابراہیم علیہ السلام کا خیال ہے خدا نے ان کو تمہاری قربانی کا حکم دیا ہے۔ اس پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا اگر خدا کا حکم ہے تو ایک اسمٰعیل نہیں ہزار اسمٰعیل بھی ہوں تو وہ بھی اللہ کے حکم پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے بھی شیطان نے قسم قسم کی گفتگو کی مگر آپ نے شیطان کو جھڑک دیا اور رجم کیا (کنکریاں ماریں) رجم کرنا پہلے زمانہ میں لعنت کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ شیطان کو رجیم اسی لئے کہتے ہیں اور حج کے موقع پر حاجی منیٰ میں ان ستونوں پر رمی جمار کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی پیروی میں شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں۔ اگرچہ یہ واقعات سیر کے ہیں مگر ان کی تائید و توثیق۔ قرآن کریم سے افعال حج سے ہوتی ہے اور یہ تو قطعی بات ہے کہ حج کے افعال و ارکان حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی مقدس ادائیں ہیں جو بارگاہ خداوندی میں اس درجہ مقبول و محمود ہوئیں کہ انہیں عظیم و جلیل عبادت قرار دے دیا گیا۔

(۲) اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قربان گاہ مروہ اور پھر مکہ کی گلیاں ہیں۔ (موطا امام مالک) لیکن جب مسلمانوں کی کثرت ہوئی اور قربانی کی کوئی حد نہ رہی ادھر مروہ و مکہ کا تمام میدان شہر اور آبادی میں تبدیل ہو گیا (اور اب تو صفا و مروہ کے صرف نشان باقی رہ گئے ہیں) تو شہر سے چند میل کے فاصلہ پر مقام منیٰ کو قربانی کیلئے منتخب کر لیا گیا۔

اے باپ جو آپ کو حکم ہوا ہے وہ کر گزریئے۔ اللہ نے چاہا تو مجھے صابروں میں سے پائے گا۔

قربانی اسمٰعیل علیہ السلام کا منظر

مروہ کی پہاڑی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اللہ کا حکم سنایا۔ مقدس فرزند بلا تکلف حکم الٰہی بجالائے۔ قرآن نے کہا:

فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔

توجب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔

توحضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے گردن جھکا دی اور ابراہیم علیہ السلام نے حلقوم فرزند پر چھری چلا دی لیکن چھری نے کام نہ کیا۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غصہ آیا۔ چھری نے عرض کی غصہ کیوں؟ فرمایا تیرا کام کاٹنے کا ہے کاٹتی کیوں نہیں؟ چھری نے عرض کی۔

آگ کا کام جلانے کا ہے۔ اس نے آپ کو جلایا کیوں نہیں؟ فرمایا اللہ کا حکم تھا کہ اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔ اس پر چھری نے عرض کی۔ ابراہیم علیہ السلام آگ کو ایک مرتبہ حکم آیا تھا اور مجھے ستر مرتبہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ خبردار حلقوم اسمٰعیل علیہ السلام کا ایک رواں بھی نہ کٹنے پائے۔ یہی سماں تھا کہ ندا آئی۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہم اسی طرح نیکوکاروں کو ثواب عطا فرماتے ہیں۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔

اور ہم نے ایک بڑی قربانی کے بدلے اسے (اسمٰعیل کو) چھڑا لیا۔

جبرئیل امین علیہ السلام بہشت سے ایک دنبہ لائے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ وہ ذبح ہوا۔ یہ تھی شیخ الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش اور یہ تھا دونوں مقدس باپ بیٹوں کی اطاعت خداوندی اور اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا پر خلوص عملی مظاہرہ۔ قلب وروح کی قربانی جذبات وخواہشات آرزوؤں اور تمناؤں کی قربانی۔ اطاعت وعبودیت کا بے مثال منظر اور تسلیم ورضا اور صبر وشکر کی عدیم النظیر مثال جس نے شیخ الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا خلیل اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو اللہ کا ذبیح بنا دیا۔ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ہم نیکیوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں اِنِّيْ جَاعِلُكَ اِمَامًا میں تمہیں (ابراہیم علیہ السلام کو) لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا بیشک ضرور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں چن لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے عزیز واقربا کو چھوڑا اور خدا کی راہ میں کسی کی دوستی اور محبت کی پروانہ کی اس لئے قرآن مجید نے اعلان کیا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ۔ (ممتحنہ ۱۰)

تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں پیروی کا اچھا نمونہ ہے۔

سبحان اللہ! یہ عید الضحیٰ کی قربانی۔ یہ لاکھوں فرزندان توحید کا منیٰ میں جانوروں کو قربان کرنا یہ حج اور اس کے افعال وارکان۔ کعبہ کا طواف۔ صفا مروہ کی سعی۔ مقام ابراہیم پر دو رکعت نفل۔ احرام اور لبیک یہ سب ابراہیمی یادگاریں ہیں۔ خلیل وذبیح اور حبیب خدا کی مقدس ادائیں ہیں اور انہیں کی پیروی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی دعوت حق میں گزری

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی دعوت حق میں گزری اور اس راہ کی ہر آزمائش میں آپ ثابت قدم رہے۔ جب آپ نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو قوم نے قبول

حق سے نہ صرف انکار کیا بلکہ آپ کی جان کی دشمن ہوگئی۔ آپ کو اعلان توحید اور بت پرستی کے خلاف آواز اٹھانے کی پاداش میں آگ میں ڈالا گیا۔

قَالُوا ابْنُوا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِيْمِ۔ (الصفت)

بولے اس کیلئے ایک عمارت چنو۔ پھر اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو۔

نمرود کے حکم سے آگ کا زبردست اہتمام کیا گیا۔ شاہی دربار سجا۔ پوری قوم جمع ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے معصوم نبی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر منجنیق کے ذریعہ بھڑکتی ہوئی آگ کے سپرد کر دیا گیا۔ یہ بڑا آزمائش کا وقت تھا مگر خلیل اللہ کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی۔ راہ حق میں آپ نے جان کی قربانی دے دی۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

نار نمرودی آپ کیلئے گل و گلزار ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس ایثار و قربانی کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور آگ کو حکم دیا۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِيْمَ۔

اے آگ ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔

پھر جب تبلیغ حق کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور قوم قبول حق کی استعداد کھو چکی تو آپ نے عزیز سے عزیز شے محبت الٰہی پر نثار کر دی۔ وطن کو چھوڑا خاندان سے منہ موڑا۔ مصر میں ایک عرصہ قیام کے بعد فلسطین آئے۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جن کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور بحکم خدا اپنے نور نظر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو جو ایک عمر کی تمنا اور بڑی دعاؤں کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ سینکڑوں میل دور مکہ کے بے برگ و گیاہ سنسان و ویران میدان میں اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا۔ آزمائشوں کا سلسلہ ابھی

ختم نہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم پا کر اپنے عزیز اکلوتے فرزند کو قربان کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ آپ کی انہیں قربانیوں اور ایثار و خلوص کا صلہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو امام و پیشوا بنایا اور فرمایا

وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۗ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۔ (بقرہ ۱۲۴)

اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں۔ فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔

یہ تھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائشیں اور یہ تھا حضرت خلیل کا صبر و شکر۔ تسلیم و رضا۔ خدا کی اطاعت۔ عبودیت اور کامل بندگی کا اظہار اور بے مثال اظہار۔

مکہ معظمہ

قرآن مجید نے مکہ معظمہ کو اُمُّ الْقُرٰی قرار دیا ہے آبادیوں کی ماں اور یہ تو بالکل واضح ہے کہ مکہ اسلامی دنیا کی آبادیوں کی ماں اور ان کا مرکز و محور ہے۔ ارض حرم کے کوہ و صحراء کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تمام انبیاء و صلحاء سے خصوصی نسبت رہی ہے یہیں حضرت آدم علیہ السلام نے سکونت اختیار کی اور عرش الٰہی کے سائے میں اللہ کا پہلا گھر بنایا حضرت اسمٰعیل و ہاجرہ کی سکونت اور اللہ کے آخری نبی حضور نبی کریم خاتم النبیین علیہ السلام کی ولادت باسعادت اسی مقدس مقام کے نصیب میں آئی۔ یہاں صفاء پہاڑی ہے جہاں ابراہیم خلیل اللہ اترے مروہ ہے جس پر ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے نور نظر اور لخت جگر کی قربانی کرنی چاہی زم زم کا مقدس چشمہ ہے جو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ کا گھر کعبہ ہے جس کی چار دیواروں کو ابراہیم و اسمٰعیل نے استوار کیا۔ مقام ابراہیم ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیواریں اٹھائیں۔ حجر اسود ہے جسے ابراہیم و اسمٰعیل اور محمد رسول اللہ

ﷺ کے مقدس ہاتھوں اور لبوں نے مس کیا۔ یہی وہ زمین ہے جس کی گلیوں میں جبرئیل امین علیہ السلام آئے۔ غار حرا ہے جس سے وحی الٰہی کی پہلی کرن طلوع ہوئی۔ یہیں وہ صحن ہے جہاں براق کے قدم پڑے اور یہی وہ مقدس زمین ہے جہاں اللہ کے محبوب اور سب کے مطلوب حضور سیّد المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی کے ترپین برس گزارے۔ قرآن مجید نے اعلان کیا۔

فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ.

اس میں اللہ کی کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے قیام کی جگہ۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ۔

صفا اور مروہ خدا کا شعار ہیں۔

حج کے مقاصد

حج کا بڑا مقصد انہیں محترم مقامات کا ادب و احترام اور ان مقامات سے وابستہ مقدس روایتوں کو یاد قائم رکھنا ہے۔ یہ مقامات اللہ کے مقدس اور محبوب بندوں انبیاء کرام کی جلوہ گاہیں ہیں شعار ہیں۔ اللہ کی پر عظمت نشانیاں ہیں۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ۔ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔

اور ان نشانیوں کا ادب کرنا دلوں کی پرہیزگاری ہے۔ اللہ کی اطاعت ہے اور اس کے حضور اپنی عبدیت کا اظہار ہے۔

جب ان مقامات پر مومن پہنچتا ہے تو اس پر کیف و مستی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ایمان تازہ اور عقیدت مضبوط ہوتی ہے اور زبان تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو جاتی ہے۔

کعبہ

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے کعبہ کو جو قدیم سے اللہ کا گھر اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کا مخزن اور جو ازل سے اس دنیا میں اللہ کا معبد اور خدا پرستی کا مرکز تھا اور جسے دنیا نے اپنی گمراہیوں میں بے نشان کر دیا تھا۔ دوبارہ آباد و استوار فرمایا۔ قرآن نے کعبہ کو بَيْتِ عَتِيْق (پرانا قدیمی گھر) اور دنیا میں اللہ کی پرستش کا سب سے پہلا مکان قرار دیا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ۔ (آل عمران ا)

سب سے پہلا خدا کا گھر جو لوگوں کیلئے بنایا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہاں اس لئے بسایا کہ کعبہ کی خدمت گزاری اور خدائے واحد کی عبادت کرتی رہے۔ چنانچہ آپ نے کعبہ کی ان سابقہ بنیادوں پر نئے سرے سے چہار دیواری کھڑی کی۔

اِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ۔

ابراہیم جب اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے ہیں۔

یہ تعمیر خاص آپ کے دست مبارک سے ہوئی اس کیلئے پتھر لانے کی سعادت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو میسر ہوئی اور اس طرح کعبہ جو دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا پھر آباد ہوا۔ توحید کا مرکز اور عبادت گذاروں کا مسکن بنا۔ کعبہ کے تعمیری دور کی کیفیت یہ ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے کی پھر سیّدنا آدم علیہ السلام نے طوفان نوح کے بعد کعبہ منہدم ہو گیا تو سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سابقہ بنیادوں پر از سر نو تعمیر کی۔ پھر عمالقہ پھر قبیلہ جرہم نے۔ پھر قصی بن کلاب نے پھر قریشِ مکہ نے اس تعمیر میں حضور سیّد عالم ﷺ بھی شریک تھے۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال کی تھی۔ یہ واقعہ اظہار نبوت سے پانچ سال قبل کا ہے۔ پھر عبداللہ بن

زبیر رضی اللہ عنہما نے ۶۵ ہجری میں کعبہ کی تعمیر کی اس کے بعد حجاج بن یوسف نے۔

حطیم کی جگہ بناء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت بیت میں داخل تھی۔ قریش نے سرمایہ کی کمی کی وجہ سے حطیم کی زمین کعبہ سے باہر رہنے دی۔ حضور اکرم ﷺ بھی یہ چاہتے تھے کہ جو زمین چھوٹ گئی ہے۔ اسے کعبہ میں داخل کر دیا جائے مگر چونکہ لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے تو حضور اقدس ﷺ نے اس مصلحت سے کہ کہیں یہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں اپنے ارادہ کو ملتوی کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی مرضی کے مطابق اپنے دور خلافت میں کعبہ کو مسمار کر کے دوبارہ تعمیر کیا اور حطیم کو اس میں داخل کر دیا مگر حجاج بن یوسف نے ازراہ ضد وعناد زمانہ جاہلیت کی طرح کر دیا۔ حجاج کے بعد دیگر خلفاء نے بار بار کعبہ کو توڑنا اور بنانا مناسب نہ سمجھا۔ حتیٰ کہ ہارون رشید کے دور میں جب اس نے کعبہ کو مسمار کر کے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرح از سر نو بنانا چاہا تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روک دیا اور فرمایا کہ مجھے خوف ہے۔ شاہان اسلام کا کعبہ کو مسمار کرنا اور پھر بنانا کھیل نہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب کعبہ کی تعمیر جدید کی تو انہوں نے کعبہ کے اردگرد پردے باندھ دیئے تھے تاکہ لوگ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کر سکیں۔ جس سے واضح ہوا کعبہ اس عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ قبلہ اس فضا کا نام ہے جہاں عمارت بنی ہوئی ہے۔ (کما قال الحنفیہ)

سیّدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی تھی۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔

(قرآن پاک)

اے میرے رب اس شہر کو امان والا کر دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کو

پوجنے سے بچا۔

آمِنًا یعنی دنیا کے ویران ہونے کے وقت تک مکہ معظمہ ویرانی سے محفوظ رہے یا اس شہر والے امن میں ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا مستجاب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کو ویران ہونے سے امن دی اور کوئی بھی اس کو ویران کرنے پر قادر نہ ہو سکا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا کہ اس میں نہ کسی انسان کا خون بہایا جائے نہ کسی پر ظلم کیا جائے نہ وہاں شکار مارا جائے نہ سبزہ کاٹا جائے۔

انبیاء کرام علیہم السلام بت پرستی اور تمام گناہوں سے معصوم ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ دعا کرنا کہ الٰہی مجھ کو اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ یہ بحضور الٰہی تواضع و اظہار احتیاج کیلئے ہے کہ باوجود یکہ تو نے اپنے کرم سے معصوم کیا لیکن ہم تیرے فضل و رحمت کی طرف دستِ احتیاج دراز رکھتے ہیں۔

قرآن مجید نے اعلان کیا کہ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔

اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو (کعبہ) کو لوگوں کیلئے مرجع اور امان بنایا اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔

اس آیت میں بیت سے مراد خانہ کعبہ ہے اور اس میں تمام حرم شریف داخل ہے۔ امن بنانے سے یہ مراد ہے کہ حرم کعبہ میں قتل وغارت حرام ہے یا یہ کہ وہاں شکار تک کو امن ہے۔ شکاری جانور بھی شکار کا پیچھا نہیں کرتے چھوڑ کر لوٹ جاتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مومن اس میں داخل ہو کر عذاب سے مامون ہو جاتا ہے۔ حرم کو حرم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں قتل، ظلم، شکار، حرام وممنوع ہے اگر کوئی مجرم بھی حرم میں داخل ہو جائے تو وہاں اس سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ (مدارک واحمدی) مَقَامِ اِبْرٰهِيْمَ

وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی بنا فرمائی اور اس پتھر پر آپ کے قدم مبارک کا نشان تھا۔ اس کو نماز کا مقام بنانے کا امر استحبابی ہے۔ یہ قول بھی ہے کہ اس نماز سے طواف کی دو رکعتیں مراد ہیں۔ (تفسیر احمدی)

کعبہ بقاء دنیا کا سبب ہے

کعبہ بقاء دنیا کا سبب ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کعبہ کے متعلق فرمایا قِیٰمًا لِّلنَّاس یعنی کعبہ کو اللہ نے لوگوں کے قیام کا باعث کیا۔

قیاما یعنی کعبہ کی بدولت لوگوں کے دینی و دنیوی امور کا قیام ہوتا ہے۔ خائف وہاں پناہ لیتا ہے۔ ضعیفوں کو وہاں امن ملتا ہے۔ تاجر وہاں نفع پاتے ہیں۔ حج و عمرہ ادا کرنے والے وہاں حاضر ہو کر مناسک ادا کرتے ہیں۔ امام بخاری نے قیاماً کا مطلب قواماً کیا ہے یعنی کعبہ بقاء دنیا کا سبب ہے اور اس کا قیام بمنزلہ بادشاہ کے خیمہ کی طرح ہے کہ بادشاہ کا خیمہ پہلے نصب ہوتا ہے۔ پھر اکھاڑا جاتا ہے اور خیمہ کا اکھاڑا جانا کوچ کی علامت ہوتی ہے۔ ایسے ہی کعبہ کا حال ہے۔ جب کعبہ خراب ہوگا تو زمین و آسمان ختم ہو جائیں گے۔ قوم مسلم کے دینی اخلاقی معاشرتی روحانی قومی و ملی امور کا قیام کعبہ سے وابستہ ہے کعبہ کا طواف اور اس کی زیارت کا سلسلہ جاری رہے گا حتیٰ کہ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد بھی لوگ حج کریں گے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد بھی کعبہ کا حج و عمرہ ہوتا رہے گا کعبہ کی عزت و حرمت قدیم سے کی جاتی رہی ہے حتیٰ کہ مشرکین بھی اول ہی سے کعبہ کی تعظیم و توقیر کرتے غلاف چڑھاتے اور طواف کرتے تھے۔

غلافِ کعبہ

بخاری کی حدیث میں ہے کہ لوگ رمضان کے روزے فرض ہونے سے قبل

عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور اسی دن کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ اس کے بعد مختلف ادوار میں یہ رسم جاری رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کعبہ کو یمانی چادروں کا غلاف پہنایا پھر خلافت راشدہ میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے بعد سلاطین اسلام نے اس رسم کو جاری رکھا اور اب تک جاری ہے بہرحال اس کے جواز میں اختلاف نہیں ہے۔ یوں بھی اس رسم سے کعبہ کی عظمت و شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۵۷ عینی ج ۴ ص ۶۰۰)

اسی طرح خانہ کعبہ پر نذر و نیاز کے طور پر سونا چاندی بھی آتا تھا لوگ نہ صرف غلاف چڑھاتے تھے بلکہ منت بھی مانتے تھے۔

تیلہ بن حبان جو عباس بن عبدالمطلب کی والدہ تھیں۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا بیٹا عباس جو گم ہو گیا ہے مل جائے تو وہ کعبہ پر ریشمی لباس چڑھائیں گی۔ جب وہ مل گیا تو انہوں نے اپنی نذر پوری کی اور سپید رنگ کا ریشمی غلاف کعبہ پر چڑھایا۔ کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ جب کعبہ پر ریشم کا غلاف چڑھایا گیا۔

(عینی ج ۴ ص ۶۰۱ و عینی ج ۴ ص ۶۰۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ارادہ فرمایا کہ یہ سونا چاندی اور کعبہ پر چڑھائے گئے غلاف اور چادریں فقراء میں تقسیم کر دی جائیں۔ اس پر شیبہ نے جو کعبہ کے اس وقت کے دربان اور کلید بردار تھے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسا تو نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا یہ دونوں حضرات مروت میں کامل تھے میں بھی ان کی اقتدا کروں گا اور اپنا ارادہ ملتوی کر دیا...... شیبہ بن عثمان حجبی عبدری جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے کعبہ کے کلید بردار تھے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو اور ان کے چچا زاد بھائی عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کو کعبہ کی کنجی عطا

فرمائی اور کہا۔

خُذُوْهَا يَابَنِىْ اَبِىْ طَلْحَةَ۔ (بخاری)

یہ کنجی ہمیشہ کیلئے تم کو دی گئی ہے نسلاً بعد نسل جو تم سے چھینے وہ ظالم ہے۔

چنانچہ جب سے لے کر اب تک کلید برداری کعبہ کا شرف اسی خاندان کو حاصل ہے اور کعبہ کے کلید بردار کو شیبی کہتے...... شیبہ بن عثمان حجبی رضی اللہ عنہ جنہیں حضور ﷺ نے کنجی عطا فرمائی تھی کا انتقال ۵۹ ہجری میں ہوا۔

واضح رہے کہ حجاج کی خدمات زمانہ جاہلیت میں بھی معین افراد کے سپرد تھیں۔ کعبہ کی کلید برداری بنی شیبہ کے سپرد تھی اور آج بھی انہیں کے خاندان میں ہے۔ اسی طرح حجاج کو پانی پلانے کی خدمت بنی مطلب کے پاس تھی۔ اسلام سے پہلے قریش کا دستور تھا کہ کشمش اور کھجوریں پانی میں بھگو کر اس کا زلال حاجیوں کو پلایا کرتے تھے اور آب زم زم کی سبیل لگا دیا کرتے تھے۔ عبدالمطلب دودھ اور شہد کی سبیل لگایا کرتے تھے۔ جب اسلام کی حکومت ہوئی تو یہ خدمت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی اور اب تک انہیں کی اولاد میں جاری ہے۔

حج مساوات اسلامی کا پیکر ہے جہاں امیر و غریب شاہ و گدا۔ جاہل و عالم بادشاہ اور رعایا ایک لباس۔ ایک صورت ایک ہی کیفیت سے ایک میدان میں بحضور رب العلمین حاضری دیتے ہیں حج انسان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے۔ حج دل کو تمام کدورتوں اور عداوتوں سے پاک کرنے کا ذریعہ ہے کیونکہ حاجی جب بارگاہ الٰہی میں حاضری کا قصد کرتا ہے تو سب سے بری الذمہ ہو کے ہو جاتا ہے۔ حج کسب حلال کی طرف بھی آدمی کو متوجہ کرتا ہے کیونکہ ہر شخص مصارف حج میں مال حلال صرف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حج زندگی کی کوتاہیوں پر ندامت گناہوں کا اعتراف اور آئندہ اطاعت کا اقرار شر سے پرہیز اور خیر کی طرف متوجہ رہنے کا عزم ہے بلکہ یوں کہیے کہ حج

کے بعد حاجی نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا جس نے حج کیا اور اس میں گناہ سے بچا تو وہ ایسا ہو کر

رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ (بخاری)

لوٹتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا۔

۱) حضور ﷺ نے فرمایا بدر کے دن سوا عرفہ کے دن سے زیادہ شیطان اور کسی دن ذلیل و رسوا اور غضب ناک نہیں ہوتا کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ کی رحمت برس رہی ہے اور گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ (موطا امام مالک)

۲) عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہو کر جلوہ گر ہوتا ہے اور فرشتوں سے فرماتا ہے جو انہوں نے مانگا وہ ہم نے قبول کیا۔ (مسلم)

حج و عمرہ گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے سونے چاندی کے میل کو صاف کر دیتی ہے اور جو مسلمان اس دن (عرفہ) احرام کی حالت میں گزارتا ہے اس کا سورج ڈوبتا ہے تو اس کے گناہوں کو لے کر ڈوبتا ہے۔

(نسائی و ترمذی)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا حج مبرور کی جزا جنت ہے۔ (موطا) عورتوں کا جہاد حج ہے۔ (احمد) حاجی اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ (ابن ماجہ) طواف کعبہ مثل نماز ہے۔ (ترمذی) حج گناہوں کا کفارہ ہے۔ (بخاری) افضل ترین عمل جہاد ہے۔ اس کے بعد حج مبرور (بخاری) کعبہ کے پچاس طواف کرنے والا گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے گویا کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ (ترمذی) حج اور عمرہ محتاجی اور گناہوں کو ایسے دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے چاندی اور سونے کے میل کو دور کرتی ہے۔ (ترمذی)

رمضان میں عمرہ کرنا حضور ﷺ کے ہمراہ حج کرنے کے برابر ہے۔ (بخاری)

حجر اسود کا بوسہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ عرفہ کے دن عام بخشش ہوتی ہے۔

(مشکوۃ) جس نے بلا کسی عذر شرعی کے حج نہ کیا اور بغیر حج کئے مر گیا۔ اس کے متعلق حضور سرور عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا:

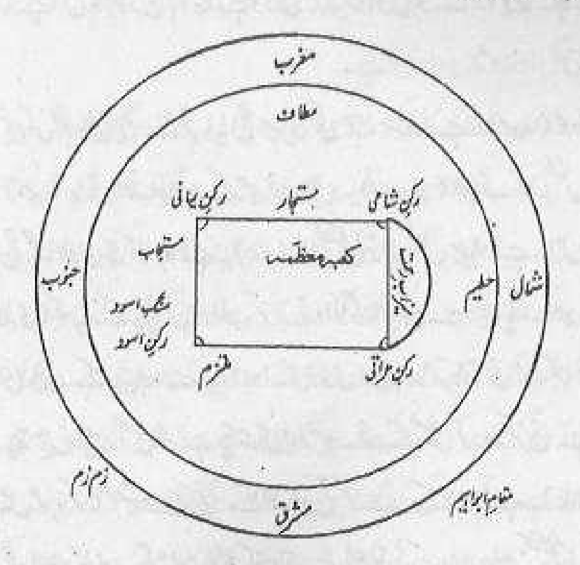
فَلا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا۔ (داری و ترمذی)

تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر

حج فریضہ محکمہ ہے۔ اس کی فرضیت دلائل قطعیہ سے ثابت اور اس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ حج ۹ ہجری میں فرض ہوا۔ حج کرنا تمام عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔

مسجد حرام کی کیفیت

مسجد حرام ایک گول وسیع احاطہ ہے اور بیچ میں مطاف (طواف کرنے کی جگہ) ہے رکن مکان کا وہ گوشہ جہاں اس کی دو دیواریں ملتی ہیں جسے زاویہ کہتے ہیں کعبہ معظمہ کے چار رکن ہیں۔



رکنِ اسود: جنوب و مشرق کے گوشہ میں اسی میں زمین سے اونچا سنگ اسود شریف ہے۔

رکنِ عراقی: مشرق و شمال کے گوشہ میں دروازۂ کعبہ انہیں دو رکنوں کے بیچ کی شرقی دیوار میں زمین سے بہت بلند ہے۔

ملتزم: اسی شرقی دیوار کا وہ ٹکڑا جو رکنِ اسود سے دروازۂ کعبہ تک ہے۔ رکنِ شامی اترا اور پچھم کے گوشہ میں

میزابِ رحمت: سونے کا پرنالہ جو رکنِ عراقی و شامی کی بیچ کی شمالی دیوار پر چھت میں نصب ہے۔

حطیم: بھی اسی شمالی دیوار کی طرف ہے۔ یہ زمین جسے حطیم کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ دراصل کعبہ معظمہ کی زمین تھی۔ زمانہ جاہلیت میں جب قریش نے کعبہ کی از سر نو تعمیر کی تو خرچ کی کمی کی وجہ سے اتنی زمین کعبہ سے باہر چھوڑ دی۔ اس زمین کو معین کرنے کیلئے اس کے گرداگرد ایک قوسی انداز کی ایک چھوٹی سی دیوار کھینچ دی گئی ہے۔ دونوں طرف آمد و رفت کا راستہ ہے اور یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ حطیم میں داخل ہونا کعبہ میں داخل ہونا ہے۔

مستجار: رکنِ یمانی و شامی کے بیچ کی غربی دیوار کا وہ ٹکڑا ہے جو ملتزم کے مقابل ہے۔ رکنِ یمانی پچھم اور دکھن کے گوشہ میں۔

مستجاب: رکنِ یمانی و رکنِ اسود کے بیچ میں جو دیوار جنوبی ہے یہاں ستر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہنے کیلئے مقرر ہیں۔ اس لئے اس کا نام مستجاب رکھا گیا۔

مقامِ ابراہیم: دروازۂ کعبہ کے سامنے ایک قبہ میں وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام نے کعبہ بنایا تھا۔ ان کے قدم پاک کا اس پر نشان ہو گیا جواب تک موجود ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ اللہ کی کھلی نشانیاں فرمایا ہے۔

زم زم: زم زم کا قبہ مقام ابراہیم سے جنوب کو مسجد شریف ہی میں واقع ہے اور اس قبہ کے اندر زم زم کا قبہ ہے۔

فائدہ: رکنِ شامی اور عراقی چونکہ قواعدِ ابراہیم پر نہیں ہیں۔ اس لئے ان کو چومنا یا چھونا نہیں ہے اور رکنِ یمانی قواعدِ ابراہیم پر ہے اس لئے اس کو تبرکاً چھوتا ہے۔ اسی طرح حجرِ اسود کو دو فضیلتیں حاصل ہیں۔ ایک تو حجرِ اسود ہونے کی۔ دوسری قواعدِ ابراہیم پر ہونے کی۔ اس لئے اس کو چھوا جاتا ہے اور چوما جاتا ہے۔

کعبہ کے جو چار کونے ہیں۔ ان میں رکنِ اسود اور رکنِ یمانی کو تغلیباً یمانیین کہتے ہیں اور شامی و عراقی کو شامیین کہتے ہیں۔

حجرِ اسود

وہ مقدس پتھر ہے جو کعبہ کے مشرقی کونے میں تقریباً دو تین ہاتھ اونچا نصب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ہے۔

نَزَلَ حَجَرُ الْاَسْوَدِ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَاءُ يَابَنِيْ آدَمَ۔ (ترمذی و مسند احمد)

حجرِ اسود جنت سے نازل ہوا اس وقت وہ دودھ سے زیادہ سپید تھا پھر بنی آدم کے گناہوں نے اسے کالا کر دیا۔

ترمذی کی دوسری روایت جو عمرو بن عاص سے مرفوعاً مروی ہے کا مضمون یہ ہے کہ حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نور زائل کر دیا۔

وَلَوْلَا ذَالِكَ لَاَضَاءَ مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔

ورنہ مشرق اور مغرب ان کی روشنی سے روشن ہو جاتے۔

صحیح ابن خزیمہ میں جناب ابن عباس سے مرفوعاً مروی ہے کہ حجرِ اسود کی ایک

زبان اور دو ہونٹ ہوں گے۔

يَشْهَدُ لِمَنِ اسْتَلَمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِحَقٍّ۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

جس نے اس کو حق کے ساتھ اس کیلئے قیامت کے دن گواہی دے گا۔

هُوَ يَمِيْنُ اللّٰهِ الَّتِيْ يُصَافِحُ بِهَا خَلْقَهٗ۔ (طبرانی، فتح الباری ج ۳ ص ۳۹۶)

یہ اللہ کا ہاتھ ہے اس کو ہاتھ لگانا گویا اللہ تعالیٰ عزوجل سے مصافحہ کرنا ہے۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ حجرِ اسود کا چومنا سنت ہے اور اسی سے آثار و تبرکاتِ[1] بزرگاں کو چومنے کا جواز بھی نکلتا ہے اور سیدنا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روضۂ نبوی کو چومنے کو مباح قرار دیا ہے۔

حجرِ اسود کو چومنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب سنگِ اسود کے مقابل ہو تو کانوں تک ہاتھ اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف رہیں پھر کہو بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ میسر ہو سکے تو حجرِ اسود پر دونوں ہتھیلیاں اور ان کے بیچ میں منہ رکھ کر یوں بوسہ دو کہ آواز پیدا نہ ہو۔ تین بار ایسا ہی کرو۔ یہ ممکن نہ ہو تو اوروں کو ایذا نہ دو بلکہ اس کے عوض ہاتھ سے چھو کر اسے چوم لو اور ہاتھ نہ پہنچے تو لکڑی سے چھو کر اسے چوم لیا جائے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کر کے انہیں بوسہ دے لیا جائے۔

لَاتَضُرُّ وَلَاتَنْفَعُ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ فرمایا کہ حجرِ اسود نفع و نقصان نہیں دیتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بالذات اس میں نفع و نقصان دینے کی طاقت نہیں ہے۔ اس کا جو شرف و بزرگی اور برکت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ چنانچہ حدیث ابوسعید کا مضمون ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا کلمے کہے تو حضرت علی کرم

(۱) قال انور شاہ کشمیری دیوبندی ثُمَّ اِنَّ تَقْبِيْلَهٗ ثَابِتٌ شَرْعًا فَلْيَكُنْ اَصْلًا لِتَقْبِيْلِ تَبَرُّكَاتِ الصَّالِحِيْنَ وَقَبَّلَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ الْمُصْحَفَ وَاَبَاحَ اَحْمَدُ تَقْبِيْلَ الرَّوْضَةِ الْمُطَهَّرَةِ۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۹۶)

اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:

اِنَّهٗ يَضُرُّ وَيَنْفَعُ۔ (حاکم فتح الباری ج ۳ ص ۳۶۳)

اے عمر حجر اسود نفع ونقصان دیتا ہے۔

چنانچہ علامہ طبری نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا اس لئے فرمایا تھا کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ مسلمان حجر اسود کی تعظیم وتوقیر ویسے ہی کرتے ہیں جیسے مشرکین بتوں کی کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مذکورہ بالا کلمات سے واضح کردیا کہ حجر اسود کو چومنا اتباع نبوی کی وجہ سے ہے اور یہ کہ اس کو جو بزرگی وشرف حاصل ہے وہ اس کی ذاتی نہیں ہے۔ (دیکھو فتح الباری ج ۳ ص ۳۶۳)

علامہ شیخ زین الدین نے فرمایا کہ اماکن شریفہ کو بطور تبرک چومنا اور اس طرح بزرگوں کے پاؤں چومنا (حسن محمود باعتبار القصد والنیت) قصد ونیت کی درستی کے ساتھ حسن ومحمود ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے عرض کی تھی کہ آپ اس مقام کو چومنے دیجئے۔ جسے حضور ﷺ نے بوسہ دیا تھا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کرتا اٹھا دیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ناف کو چوم لیا۔ حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ چومے بغیر نہیں چھوڑتے تھے اور فرماتے تھے انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ وہ ہاتھ ہے جس کو حضور ﷺ کے دست مبارک سے مس ہونے کا شرف حاصل ہے۔ امام ابوعبداللہ محمد بن ابی الصیف نے جب دیکھا کہ لوگ قرآن کو احادیث کے ورقوں کو اور بزرگان دین کی قبروں کو بوسہ دیتے ہیں تو کہا لایبعد ھذا یعنی اس میں حرج نہیں۔

حجر اسود کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کعبہ معظمہ کی ایک ایک اینٹ بدل گئی مگر حجر اسود ہی وہ مقدس پتھر ہے جسے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے لے کر حضور سرور عالم محمد مصطفی ﷺ تک اور پھر تمام خلفاء راشدین صحابہ کرام ائمہ دین اکابر اسلام وعلمائے

عظام کے مقدس لبوں یا مبارک ہاتھوں نے مس کیا ہے...... اور آج مسلمانوں کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ ان کے ہاتھ اور لب اسی مقدس پتھر کو چھونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

ماءِ زم زم کے برکات

یہی وہ مقدس پانی ہے جس سے حضور اکرم ﷺ کے قلب اقدس کو بوقت شق صدر غسل دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

میرے حجرہ کی چھت پھاڑی گئی اس وقت میں مکہ میں تھا جبرئیل علیہ السلام اترے اور انہوں نے میرا سینہ چاک کیا۔

ثُمَّ غَسَلَهٗ بِمَآءِ زَمْزَمَ۔ (بخاری)

اور ماء زم زم سے اس کو دھویا۔

اس کے بعد ایک سونے کا طشت جو حکمت وایمان سے لبریز تھا۔ میرے سینہ میں بھر دیا۔ پھر شگاف برابر کردیا۔

حاجی جب زم زم پر آئیں تو تین سانس میں پیٹ بھر کر جتنا پانی پیا جائے کھڑے ہو کر پئیں۔ ہر بار بسم اللہ سے شروع کریں اور الحمد پر ختم اور ہر بار کعبہ معظمہ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں۔ زم زم کا پانی بدن پر ڈالیں منہ اور سر اور بدن کا اس سے مسح کریں اور پیتے وقت دعا کریں کہ قبول ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا زم زم جس مراد سے پیا جائے اسی کیلئے ہے۔ زم زم کا پانی روئے زمین کے پانی سے افضل ہے یہ بھوکے کیلئے غذا اور بیمار کیلئے شفاء ہے۔ (ابن حبان)

ہم میں اور منافقوں میں فرق یہ ہے کہ وہ زم زم کو کوکھ بھر نہیں پیتے۔ (بیہقی ودار قطنی)

زم زم کا پانی طعام وغذا ہے۔ (صحیح مسلم) نیز صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوذر

رضی اللہ عنہ نے تین دن تک صرف ماء زمزم پی کر گذارے۔ (ابوداؤد و طیالسی)

حضرت اُم ایمن کہتی ہیں۔ حضور ﷺ کو بھوک و پیاس کی کبھی شکایت نہیں ہوئی۔ جب صبح ہوئی تو حضور زمزم نوش فرماتے تھے۔ عقیل بن ابی طالب کہتے ہیں کہ صبح کو جب کبھی کچھ کھانے کو نہ ہوتا تو میرے باپ زمزم کا پانی پلاتے اور وہ ہمیں کفایت کرتا۔ (بیہقی ج ۳ ص ۲۶۴) زمزم کا پانی ہر بیماری کیلئے شفاء ہے۔

روضہ اقدس و مسجد نبوی کی مختصر تاریخ

خواب گاہِ مصطفیٰ میں تیری عظمت پر نثار
تجھ میں آسودہ ہیں محبوب خدائے کردگار

اس مقدس مسجد کا سنگ بنیاد پہلی دفعہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت کے پہلے سال اپنے دست مبارک سے رکھا۔ مسجد مدینہ شریف کے وسط میں شرقی جانب قائم کی گئی اور اس کی پوری تعمیر میں حضور پرنور بنفسِ نفیس صحابہ کرام کے ساتھ خود بھی شریک حال رہے۔ آپ نے اپنی مسجد کی لمبائی جنوب شمال میں ۸۰ گز اور چوڑائی مشرق و مغرب میں ۶۰ گز قائم فرمائی گز سے مراد آدمی کا ہاتھ ہے جو دو بالشت کے برابر ہے۔ پھر غزوۂ خیبر کے بعد ۷ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے مسجد کے عرض میں ۴۰ گز اور طول میں ۳۰ گز کا اضافہ فرما کر مسجد کو مربع بنا دیا اور اس کی پیمائش جنوب شمال میں ۱۰۰ گز مشرق میں ۱۰۰ گز ہوگئی۔ آج بھی اس مقدس مسجد میں آثار قدیمہ سے حسب ذیل متبرک آثار موجود پائے جاتے ہیں۔ نبی ﷺ کا محراب، آپ کا منبر آپ کا مصلّی اور اسطوانہ عائشہ رضی اللہ عنہا اسطوانہ ابی لبابہ رضی اللہ عنہ، اسطوانہ سریر، اسطوانہ حرث، اسطوانہ وفود۔ باب جبریل روضۂ جنت اور اس کی مشرقی جانب نبی کریم ﷺ کا روضہ جس پر قبۂ خضراء ہے۔ ۱۷ ہجری میں حضرت عمر بن الخطاب نے اس مسجد کو جنوب کی طرف ۹ گز اور شمال میں ۳۱ گز اور مغرب کی طرف ۲۰ گز وسعت فرمائی۔ اس طرح مسجد کی

لمبائی جنوب شمال میں ۱۴۰ گز اور چوڑائی مشرق و مغرب میں ۱۲۰ گز ہوگئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسجد کے ہر چار طرف ایک ایک رواق بڑھا کر مسجد کی لمبائی ۱۶۰ گز اور چوڑائی ۱۵۰ گز فرمائی توسیع ۲۹ ہجری میں شروع کی گئی اور ۳۰ ہجری میں ختم ہوئی۔ اس کے بعد خلیفہ ولید بن عبدالملک رضی اللہ عنہ نے شمال کی جانب ۱۴ استونوں کا اضافہ کیا اور پوری مسجد کی تجدید فرمائی اور امہات المومنین کے مبارک حجرے بھی مسجد میں شامل کر دیئے گئے یہ کام انہوں نے ۸۸ ہجری میں شروع فرمایا اور ۹۱ ہجری میں اختتام تک پہنچایا۔ اس طرح مسجد کی لمبائی جنوب شمال میں ۲۰۰ گز اور چوڑائی مشرق و مغرب ۱۶۸ گز ہوگئی۔ اس کے بعد خلیفہ مہدی بن منصور نے اپنے زمانہ میں استونوں کا اضافہ فرمایا یہ تعمیر ۱۶۱ ہجری میں شروع ہو کر ۱۶۵ ہجری میں مکمل ہوگئی۔ اب مسجد کی لمبائی جنوب شمال میں ۳۰۰ گز اور چوڑائی مشرق و مغرب میں جنوبی جانب ۱۸۰ گز اور چوڑائی مشرق و مغرب میں شمالی جانب ۱۳۰ گز ہوگئی۔ ۶۵۵ ہجری میں خلیفہ معتصم باللہ نے مسجد کی تجدید کا کام شروع کیا ۶۵۶ ہجری شروع ہوتے ہی ماہ محرم الحرام خلیفۂ موصوف بغداد میں قتل کر دیئے گئے لیکن مسجد کی تعمیر کا کام برابر جاری رہا۔ ملک منصور نورالدین بن علی بن ملک معزالدین ایبک صالحی مصر والے سے ملک مظفر شمس الدین یوسف ابن منصور عمر بن علی رسول یمن والے سے تعمیری آلات و اسباب موصول ہوتے رہے پھر تعمیر مسجد کا یہ اہتمام ملک ظاہر رکن الدین بیزی صالحی جو بندوقداری کے لقب سے مشہور ہیں نے ۶۵۷ ہجری میں اپنے ہاتھوں میں لیا پس انہی کے دور میں مسجد کا کام مکمل ہوگیا۔ ۷۲۹ ہجری میں سلطان ملک ناصر محمد بن قلادوں صالحی نے صحن مسجد کی جانب دو مسقّف دالان کا اضافہ کیا۔ اس طرح سامنے کے دریچہ میں کافی وسعت ہوگئی اور عوام کیلئے بہت مفید ثابت ہوئی ۸۳۱ ہجری کے ماہ ذیقعد میں جب مذکورہ دو دالانوں میں خلل واقع ہوا تو ملک اشرف برسبائی نے عامل مقبل قدیدی کے

ذریعہ ازسرنو ان کو بنوایا پھر ۸۵۳ ہجری میں حضرت ظاہر حقق نے مسجد کی اور روضۂ مقدسہ کی چھت کی تجدید کر دی ۸۷۷ ہجری میں ملک اشرف قاتیبائی نے مسجد کی تعمیر فرمائی۔ ۹۲۴ ہجری میں ملک ناصر غازی سلیمان نے مسجد کی دیواروں کی تجدید کی۔ اس کے بعد ۹۹۹ ہجری میں ملک مبرو سلطان مراد خاں نے قبلہ کی چھت میں صحن کی جانب ۳ رواق زیادہ کئے۔ سب سے اخیر میں سلطان عبدالحمید خاں نے پوری مسجد کو ازسرنو تعمیر فرمایا اور آج جو مسجد نبوی کی عالیشان دیدہ زیب عمارت نظر آ رہی ہے یہ اس سلطان کی گہری عقیدت مندی کی یادگار ہے۔ انہوں نے اصل مسجد میں باب مجیدی اور دو رواق زیادہ کئے اور تعمیر مسجد کا یہ عظیم الشان کام ۱۲۶۵ ہجری میں شروع ہو کر ۱۲۷۷ ہجری میں پورے ۱۲ برس کے عرصہ میں پایۂ تکمیل تک حسن و خوبی کے ساتھ پہنچا۔ اس مبارک کام میں مجموعی طور پر ساڑھے سات لاکھ گنی عثمانی یعنی آج کل کے حساب سے تقریباً پانچ کروڑ روپے خرچ ہوئے۔ مسجد کے اس تذکرہ پر غور کرنے سے اصل مسجد نبوی اور ہر دور کے مختلف اضافوں کی صورت نمایاں طور پر واضح ہو جاتی ہے اس کے بعد ۱۳۳۶ ہجری میں فخری پاشا نے محراب نبوی سلیمانی کی مرمت کی اور صحن کے قریب جو کنواں تھا اس کو انہوں نے بند کر دیا۔ ۱۳۴۸ ہجری میں ابن سعود نے مسجد کی چاروں طرف کے صحن کی زمین پر پتھر کا فرش بچھوا دیا اور صحن کے عین مغربی اور شرقی طرف کے بعض ستون جو پھٹنے شروع ہو گئے تھے ان کو لوہے کی پٹیوں سے کس دیا۔ اور اب حکومت سعودیہ نے مسجد نبوی میں اضافہ کیا ہے اور اس کی دلکشی و عظمت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

مسجد قبا کی فضیلت

قبا مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے۔ وہاں اس نام کا ایک کنواں تھا پہلے وہیں مسجد بنی اور حضور اقدس ﷺ نے ہجرت کے دن

وہیں نماز پڑھی پھر آپ مدینہ سے ہر ہفتہ کبھی سواری پر اور کبھی پیدل وہاں آتے اور نماز پڑھتے تھے۔ مسجد قبا کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى حضرت ابن عباس اور ایک جماعت سلف سے منقول ہے کہ اس آیت میں مسجد سے مراد مسجد قبا ہے جس کی تعمیر تقویٰ پر ہوئی۔ یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو ہجرت کے بعد بنائی گئی۔ اس کے بعد مسجد نبوی مدینہ منورہ میں تعمیر ہوئی۔ اس کی تاسیس بھی تقویٰ و طہارت پر تھی۔ مسجد قبا میں نماز پڑھنا اس کی زیارت کرنا اور حضور کے اتباع میں ہر ہفتہ کے دن وہاں جانا مسنون ہے۔ حضور اکرم ﷺ ہفتہ کے دن وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ کسی دن کو کسی نیک کام کیلئے مقرر کر لینا جائز ہے بدعت نہیں ہے۔ یہ بھی واضح ہوا کہ گو کہ کسی مسجد کیلئے اس نیت سے سفر کرنا کہ وہاں نماز کا ثواب زیادہ ملے گا۔ سوائے مساجد ثلاثہ کے ممنوع ہے لیکن مطلق کسی نیک کام کیلئے جانا یا اس لئے کہ کسی بزرگ نے وہاں نماز پڑھی ہے وہاں جا کر نماز پڑھنا یا کسی مزار کی زیارت و فاتحہ کیلئے جانا اور حصول ثواب و برکت کی امید رکھنا ہرگز ہرگز ممنوع نہیں ہے۔

قبر و منبر نبوی کی عظمت

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ (وَفِيْ روایة ابوهريره) وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ۔

(بخاری)

حضرت عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میرے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ بہشت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے (اور روایت ابو ہریرہ میں اتنا اور ہے) میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

حدیث ہذا میں بیت سے مراد قبر ہی ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک آپ کے مسکونہ مکان میں ہے یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں

ہے اور یہ جو فرمایا کہ قبر انور اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے تو بعض شارحین نے یہ تاویل کی کہ مقصد حدیث مدینہ اور خصوصاً منبر وروضہ کے درمیانی زمین کے فضل وشرف کو بیان کرتا ہے کہ جو اس جگہ نماز پڑھے گا تو یہ اس کو جنت میں لے جانے کا سبب ہوگی لیکن ظاہر حدیث کا مفاد صرف یہ ہے کہ اس قدر قطعۂ زمین واقعی بہشت کا ایک ٹکڑا ہے جیسے حجر اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے چنانچہ جمہور[1] علماء اسی طرف گئے اور یہی صحیح ہے۔

ومنبری علیٰ حوضی کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے اسی منبر کو بعینہٖ دوبارہ جنت میں حوض کوثر پر نصب فرما دے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے لہٰذا یہ تاویل کرنی صحیح نہیں کہ مسجد نبوی میں جو آپ کے منبر کے پاس عبادت کرے گا اس کو حوض کوثر سے سیراب کیا جائے گا۔ علامہ عینی[2] و علامہ ابن حجر وعلامہ قاضی عیاض وملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہم نے بھی حدیث کو ظاہر پر ہی محمول رکھنے کو اظہر واولیٰ قرار دیا ہے۔

مسجد بیت المقدس

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا عورت بغیر خاوند یا بغیر محرم کے دو دن کا سفر نہ کرے اور دو دن روزہ رکھنا چاہیے۔ ایک عید الفطر دوم

(۱) علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا: وَقَالَ مَالِكٌ بَاقٍ عَلٰى ظَاهِرِهٖ وَالرَّوْضَةُ قِطْعَةٌ نُقِلَتْ مِنَ الْجَنَّةِ وَسَتَعُوْدُ اِلَيْهَا وَلَيْسَتْ كَسَائِرِ الْاَرْضِ تَفْنٰى وَتَذْهَبُ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ وَهٰذَا عَلَيْهِ الْاَكْثَرُ وَهِيَ مِنَ الْجَنَّةِ الْاٰنَ حَقِيْقَةً اور سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے مکہ سے مدینہ کے افضل ہونے کا استدلال فرمایا ہے۔ کعب یہ جنت کا ایک ٹکڑا ہے تو جنت تو تمام چیزوں سے افضل واعلیٰ ہے۔

(۲) مرقاۃ میں ہے۔ وَقَدْ يُعِيْدُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْبَرَهٗ عَلٰى حَالِهٖ فَيَنْصِبُهٗ عَلٰى حَوْضِهٖ. قَالَ ابْنُ حَجَرٍ هٰذَا هُوَ الْاَوْلٰى. ذَكَرَ اَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ اِنَّ هٰذَا الْمِنْبَرَ بِعَيْنِهٖ يُعِيْدُهُ اللّٰهُ عَلٰى حَوْضِهٖ وَهٰذَا هُوَ الْاَظْهَرُ۔

عید الضحیٰ اور دو نمازوں کے بعد کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ایک صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک اور دوسرے عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک۔

وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَمَسْجِدِيْ۔ (بخاری)

اور کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف ایک مسجد الحرام اور دوسری مسجد اقصیٰ اور تیسری میری مسجد

بیت المقدس کے تقریباً بیس نام ہیں۔ ایک نام ایلیا بھی ہے۔ اس کو مسجد اقدس بھی کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ اور بیت المقدس کے درمیان چونکہ فاصلہ زیادہ ہے۔ اس لئے اس کا نام مسجد اقصیٰ رکھا گیا چونکہ یہ جگہ ہزارہا انبیاء کرام علیہم السلام کا مرکز رہی ہے اور ان محبوبانِ الٰہی کی ذواتِ قدسیہ سے اس خطۂ پاک کو جو برکتیں حاصل ہوئیں قرآن مجید نے اَلَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ فرما کر ان ہی کا اظہار فرمایا ہے غرضیکہ یہ جگہ نہایت ہی پاک وصاف اور متبرک ہے۔ اس لئے اس کو بیت المقدس کہتے ہیں۔ ابن ماجہ میں بروایت انس مرفوعاً آیا کہ مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بموجب وصیت داؤد علیہ السلام بیت المقدس کو تعمیر کیا تو بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ جو شخص اس میں نماز پڑھنے آئے اس کو گناہوں سے ایسا پاک وصاف کر دے جیسے اس دن تھا جب کہ اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

یہ حدیث چار حکموں پر مشتمل ہے۔ اوّل عید الضحیٰ وعید الفطر کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ نماز فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک اور نماز عصر کے بعد سورج کے غروب ہونے تک نوافل پڑھنا ممنوع ہیں۔ مساجد ثلاثہ کے سوا کسی مسجد کی طرف اس نیت سے سفر کرنا جائز نہیں کہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملے گا۔ چوتھا حکم مستورات کے متعلق ہے۔ حضرت ثوری اعمش اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ وامام محمد وابو یوسف کا

مذہب یہ ہے کہ عورت کو تین دن کی مسافت کا سفر محرم کے بغیر جائز نہیں ہے البتہ اس سے کم کا جائز ہے کیونکہ حدیث ابوداؤد میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا لَاتُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثًا اِلَّا وَمَعَهَا ذُوْمَحْرَمٍ۔ (رواہ الطحاوی ایضاً)

لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ (بخاری)

حضور سیّد عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا

کجاوے نہ کسے جائیں (سفر نہ کیا جائے) مگر تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام (بیت اللہ) مسجد رسول (مسجد نبوی) مسجد اقصیٰ۔

صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ (بخاری)

مسجد حرام کے علاوہ میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے۔

(۱) مسجد حرام۔ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ تمام دنیا کی مساجد سے افضل واکرم ہیں۔ کیونکہ مسجد حرام مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ مسجد اقصیٰ امم سابقہ کا قبلہ تھی اور مسجد نبوی کی تاسیس ہی تقویٰ پر ہے۔ (۲) ان تینوں مسجدوں کو جو خصوصیت حاصل ہے وہ دنیا کی کسی مسجد کو حاصل نہیں ہے۔ دنیا کی تمام مسجدوں کا ایک ہی حکم ہے مگر ان تین مسجدوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا مسجد بیت الحرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار کے برابر ہے اور روایت ابن ماجہ[1] میں پچاس ہزار کا

(۱) بخاری کی زیر بحث حدیث اور ابن ماجہ کی حدیث میں تعارض نہیں ہے۔ دونوں حدیثیں اپنے موقع ومحل کے لحاظ سے درست ہیں۔ یہ ثواب کی کمی بیشی تقویٰ اور خلوص نیت پر مبنی ہے جس کا جتنا خلوص بڑھ جائے گا اسی قدر ثواب اور اجر میں زیادتی ہو جائے گی حتیٰ کہ ایک نماز کا ثواب ایک ہزار سے لے کر پچاس ہزار تک مل سکتا ہے۔

ذکر ہے۔

حدیث لاتشد الرحال کا صحیح مطلب

اس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ بزرگان دین کے مزارات پر دور دراز سے سفر کر کے جانا جائز نہیں ہے اور بعض لوگ تو اس کو حرام بلکہ شرک تک کہہ گذرتے ہیں۔ حتیٰ کہ علامہ ابن تیمیہ کے متعلق مشہور ہے وہ اسی حدیث سے حضور ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کیلئے سفر کو ناجائز وحرام قرار دیتے تھے۔ چنانچہ اسی غلط استدلال کی وجہ سے وہ شام میں دو بار جیل گئے۔ ایک مرتبہ اپنے تلمیذ ابن قیم کے ساتھ اور دوسری بار تنہا حتیٰ کہ جیل ہی میں موت آ گئی۔ ابن تیمیہ کے اس نظریہ کی وجہ سے ان کے زمانہ میں مسلمانوں میں کافی سر پھٹول رہی۔ مناظرے بھی ہوئے اور ہر بار ابن تیمیہ لاجواب ہوئے اور آج بھی کچھ لوگ ان کے اسی استدلال باطل کی صحت پر اصرار کرتے نظر آتے ہیں۔ بہرحال اگر ایمانداری کے ساتھ ضد وتعصب سے علیحدہ ہو کر حدیث ہذا پر غور کیا جائے تو صرف متن حدیث ہی سے ابن تیمیہ کے استدلال کا باطل ہونا آفتاب سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے

حدیث ہذا کا مطلب ومفہوم اس قدر ہے کہ ان تین مسجدوں (یعنی مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔ لہٰذا اگر زیادتی ثواب کی نیت سے کسی مسجد کیلئے سفر کرنا ہے تو وہ صرف ان مسجدوں کیلئے کیا جائے کسی اور مسجد کیلئے نہ کیا جائے۔ کیونکہ دنیا کی کسی بھی مسجد کو (سوائے ان تینوں مسجدوں کے) یہ خصوصیت حاصل نہیں کہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہو۔ لہٰذا ان تینوں مسجدوں کے علاوہ کسی بھی مسجد کیلئے اس نیت سے سفر کرنا کہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملے گا ممنوع ہے۔

چنانچہ (۱) حدیث زیر بحث میں لفظ مساجد موجود ہے اور خود زبان نبوت نے مساجد کی تعیین بھی فرمادی ہے کہ ان سے مراد مسجد حرام مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی ہے۔

(۲) یہ بھی حضور ﷺ نے تصریح فرمائی ہے کہ صرف ان تین مسجدوں ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار کے برابر اور مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار کے برابر جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا کی کسی مسجد کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے کہ ان میں نماز پڑھنے کا ثواب دیگر مساجد سے زیادہ ہو۔ جو ثواب شاہی مسجد میں نماز پڑھنے کا ہے وہی ثواب مسجد وزیر خاں میں نماز پڑھنے کا ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ شاہی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب بہ نسبت مسجد وزیر خاں میں نماز پڑھنے کے زیادہ ہے لغو و باطل ہے۔

(۳) حدیث مسند احمد سے بھی ہمارے بیان کردہ مفہوم کی تائید و توثیق ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سفر کی ممانعت صرف مساجد سے متعلق ہے۔ زیارت قبور کیلئے سفر کرنے کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی مَسْجِدٍ لِیُصَلِّیْ فِیْهِ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ۔

سفر نہ کیا جائے کسی مسجد کی طرف تا کہ اس میں نماز پڑھی جائے مگر تین مسجدوں کی طرف۔

اور موطا امام مالک کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

لَاتُعْمَلُ الْمطی اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اِلَی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِلٰی مَسْجِدِیْ هٰذَا وَاِلٰی مَسْجِدِ ایلیا اَوْبَیْتِ الْمُقَدَّسِ۔ (موطا ص ۳۸)

نہ کسے جائیں کجاوے کسی مسجد کی طرف مگر تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام کی

طرف میری اس مسجد کی طرف اور مسجد بیت المقدس کی طرف۔

دیکھئے ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ سفر سے ممانعت کا تعلق صرف مساجد سے ہے یعنی کسی بھی مسجد کیلئے اس نیت سے سفر نہ کیا جائے کہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملے گا لہٰذا حدیث زیر بحث کا مطلب یہ قرار پائے گا کہ کسی بھی مسجد کا (سوائے ان تین مساجد کے) اس نیت سے سفر کرنا کہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملے گا ممنوع ہے۔

غرضیکہ حدیث زیر بحث اور اس سلسلہ کی دیگر حدیثوں میں لفظ مسجد موجود ہے۔ قبروں کی زیارت کیلئے سفر کی ممانعت کا تو ذکر ہی نہیں ہے لہٰذا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ بزرگوں کے مزارات کی زیارت کیلئے سفر کرنا بھی ممنوع ہے یہ محض دھاندلی ہے۔ حدیث کا یہ مفہوم و مطلب ہرگز نہیں ہے۔

حضرت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ حضور سیّد عالم نور مجسم ﷺ کی قبر انور کی زیارت افضل الاعمال ہے اور قبول حج و سعادت دینی و دنیوی کیلئے ایک عظیم وسیلہ ہے اور اس کی مشروعیت پر اجماع ہے۔

حضرت امام المتقین سیّد المحدثین امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مت کہو کہ میں نے حضور ﷺ کی قبر کی زیارت کی بلکہ یہ کہو کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

روضۂ اقدس کی زیارت قریب بواجب ہے

(۱) واضح ہو کہ حج تو فرض ہے ہی مگر حضور سیّد عالم نور مجسم ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت اور خاص طور پر حضور ﷺ ہی کی قبر مبارک کی زیارت کیلئے سفر کرنا

مستحب بلکہ قریب بواجب ہے اور حج کے موقع پر بلاعذر حضور اقدس ﷺ کے دربار میں حاضری نہ دینا سخت محرومی[1] ہے۔ اور حضور ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کیلئے سفر کو شرک و بدعت کہنا اعلیٰ درجہ کی حماقت اور قساوتِ قلبی ہے۔ حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔
(دار قطنی)

جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کی۔ (ابن عدی)

جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (بیہقی)

جو میری زیارت کو آئے سواء میری زیارت کے کسی اور حاجت کیلئے نہ آیا تو مجھ پر حق ہے کہ میں اس کا شفیع بنوں۔ (طبرانی کبیر)

مسجد حرام و مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب

حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: میری مسجد کی نماز کا ثواب ہزار نمازوں سے بہتر ہے مگر مسجد حرام کی نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

(۲) جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں ادا کیں اور کوئی نماز قضا نہیں کی وہ نفاق اور دوزخ کے عذاب سے بری کر دیا گیا۔

(۳) مسجد اقصیٰ اور میری مسجد ان دونوں کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے مگر مسجدِ حرام کہ وہاں کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ (ابن ماجہ)

(۱) فانها من افضل الاعمال واجل القربات الموصلة الى ذى الجلال وان مشروعيتها محل اجماع بلانزاع۔ (فتح الباری ج۳ ص۵۱)

(۲) انه كره ان يقول زرت قبر النبى صلى الله عليه وسلم۔ (فتح الباری ج۳ ص۳۱)

(۴) مسجد نبوی وہ مسجد ہے جس کی بنیاد ہی تقویٰ اور پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ (مسلم)

(۵) مسجد قبا کی نماز کا ثواب ایک عمرہ کرنے کے برابر ہے۔ (ترمذی)

(۶) جس شخص نے اپنے مکان پر اچھی طرح وضو کیا اور پھر مسجد قبا میں آ کر نماز ادا کی تو اسے ایک عمرہ کے برابر ثواب عنایت کیا جاتا ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

قیام مکہ کے دوران قبلہ کس سمت تھا؟

اس میں اختلاف ہے کہ مکّہ کے قیام کے دوران حضور ﷺ نماز کس طرف پڑھتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ قیام مکہ کے دوران بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی جاتی تھی۔ پھر جب آپ مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو کعبۂ ابراہیمی ہمیشہ کیلئے قبلہ مقرر ہوگیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قیام مکہ میں کعبہ کی طرف نماز پڑھی جاتی تھی پھر جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ آ گئے تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی گئی۔ اس کے بعد کعبۂ ابراہیمی قبلہ مقرر ہوا۔ علماء فرماتے ہیں یہ دوسرا قول ضعیف ہے۔ اس قول کی بنا پر دوبار نسخ قبلہ لازم آتا ہے۔ لہٰذا صحیح قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قیام مکہ کے دوران حضور اکرم ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے مگر کعبۂ ابراہیمی کی طرف پیٹھ نہیں کرتے تھے بلکہ کعبۂ ابراہیمی کو اپنے اور بیت المقدس کے بیچ میں کر لیتے تھے۔

سب سے پہلی نماز جو آپ نے کعبۂ ابراہیمی کی طرف مکمل طور پر پڑھی وہ عصر کی نماز تھی جو مسجد نبوی میں پڑھی گئی تھی۔ سیر کی روایات میں جو آیا ہے کہ سب سے پہلی نماز کعبۂ ابراہیمی کی طرف ظہر پڑھی گئی۔ لیکن اس کی صورت یہ تھی کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھی تھیں کہ تحویل قبلہ کا حکم آ گیا اور آپ نے نماز ہی میں کعبۂ ابراہیمی کی طرف منہ کر لیا گویا ظہر کی نماز کی دو رکعتیں کعبۂ ابراہیمی کی طرف پڑھی گئیں۔ اس



مسجد کا نام اسی لئے مسجد ذوالقبلتین ہو گیا۔ اس لحاظ سے دونوں روایتوں میں توفیق یوں ہوں گی کہ سب سے پہلی نماز جو مکمل طور پر کعبۂ ابراہیمی کی طرف پڑھی گئی وہ عصر کی نماز تھی اور سب سے پہلی نماز جس کی دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف اور دو رکعتیں کعبۂ ابراہیمی کی طرف پڑھی گئیں۔ وہ ظہر کی نماز تھی۔ دو قبلوں والی مسجد بنی سلمہ تھی۔ (بیضاوی)

تحویل قبلہ کی حکمت

تحویل قبلہ میں متعدد حکمتیں تھیں قرآن مجید نے اس کی تین حکمتیں بڑی واضح طور پر بیان کی ہیں۔ پہلی حکمت یہ کہ اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہے اور مسلم کا کام صرف یہ ہے کہ حکم الٰہی و بجالائے اب اگر اللہ تعالیٰ نے قبلہ بدل دیا تو اس میں اعتراض کی کیا گنجائش؟ دوسری حکمت یہ بتائی کہ قبلہ میں تبدیلی اس وجہ سے بھی ہوئی تاکہ مومن و کافر میں فرق ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ کون رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرتا ہے اور کون نہیں کرتا جس سے واضح ہوا کہ قرآن مجید نے اتباع نبوی کے عقیدہ کو کفر و اسلام کی کسوٹی قرار دیا ہے یعنی جو لوگ حضور ﷺ کے اتباع و اطاعت کو ضروری جانتے ہیں اور حضور ﷺ کے اقوال و افعال کی پابندی کو اسلام سمجھتے ہیں وہ ہی مومن ہیں اور جن کا یہ عقیدہ نہیں وہ کافر و منافق ہیں۔ تیسری حکمت قرآن مجید نے یہ بتائی کہ تحویل قبلہ سے نبوت کی عظمت اور حضور سیّد عالم ﷺ کے مرتبہ کا اظہار مقصود ہے کہ یہ وہ ہستی ہیں جن کی رضا جوئی اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

(۱) سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَاوَلّٰهُمْ الخ اس آیت میں تحویل قبلہ پر نکتہ چینیاں کرنے والوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری یہ نکتہ چینی بے وقوفی ہے کیونکہ اللہ عزوجل حاکم مختار ہے جسے چاہے قبلہ بنائے کسی کو کیا جائے اعتراض ہے بندے کا کام فرمانبرداری ہے۔

(۲) وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا الخ اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ تحویل قبلہ کی حکمت یہ ہے کہ کافر و مومن میں فرق ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ کون رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرتا ہے اور کون اتباع نبوی سے انکار کرتا ہے یعنی جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا اعتقاد رکھے۔ وہ مومن ہے اور جو اتباع نبوی کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جو مومن تھے انہوں نے حضور ﷺ کا اتباع کیا اور کفار و مشرکین و منافقین نے اتباع کی بجائے اعتراضات شروع کر دیئے۔

(۳) قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ الخ اس میں یہ بتایا گیا کہ کعبۂ ابراہیمی کو قبلہ اس لئے مقرر کیا گیا کہ ہمارے محبوب رسول (ﷺ) اس کے قبلہ بنائے جانے کو پسند فرماتے تھے اس لئے ہم نے اپنے محبوب رسول ﷺ کی مرضی پوری کر دی اور کعبۂ ابراہیمی کو قبلہ بنا دیا تاکہ محبوب ﷺ کی مرضی پوری ہو۔

یاد رہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے اپنی مرضی کا اظہار زبان سے نہیں فرمایا تھا بلکہ صرف قلب مبارک میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ کعبۂ ابراہیمی قبلہ ہو جائے اور اللہ عزوجل نے فرمایا فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ہم تمہیں پھیر دیں گے۔ اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے پھر مسجد حرام کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا' پھر حکم دیا وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ' اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف (کعبہ کی طرف) کرو کیونکہ اسی میں میرے محبوب رسول (ﷺ) کی خوشی ہے اور اس کی خوشی میری خوشی ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

یومِ سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

۱۸ ذوالحجہ

امیر المومنین امام المجاہدین سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آغازِ بعثت میں اسلام لائے۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب ذوالنورین ہے۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عثمان وہ شخصیت ہیں جنہیں ملاءِ اعلیٰ میں ذوالنورین پکارا جاتا ہے۔

آپ نے دو ہجرتیں کیں۔ مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری مکہ سے مدینہ کی طرف۔ آپ مہاجرِ اوّل ہیں۔ تمام غزوات میں بجز غزوۂ بدر حضور ﷺ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوئے۔ بدر کے موقع پر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کیلئے مقرر فرمایا لیکن اس کے باوجود حضور ﷺ نے آپ کو بدری قرار دیا اور بدر کی لڑائی کے مالِ غنیمت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی حصہ عطا فرمایا۔ حضور ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں اسی لئے آپ کو ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں ان کے انتقال کے بعد حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا جب ان کا بھی انتقال ہوگیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر میری اور صاحبزادی ہوتی تو اس کا نکاح بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے کرتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سوا کسی امت میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جسے یہ شرف حاصل ہو کہ اس کے نکاح میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں آئی ہوں۔

حضور سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے۔

وَرَفِيْقِىْ فِى الْجَنَّةِ عُثْمَان۔ (ترمذی)

اور میرا رفیق جنت میں عثمان ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی ﷺ حضرت صدیق و فاروق و عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ احد پہاڑ پر جلوہ فرما ہوئے۔ پہاڑ کانپنے لگا۔ حضور ﷺ نے اپنے قدمِ اقدس سے پہاڑ کو دبایا اور فرمایا۔

اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِىٌّ وَّصِدِّيْقٌ وَّشَهِيْدَانِ۔ (بخاری)

اے احد ٹھہر! تجھ پر اس وقت ایک نبی صدیق اور دو شہید ہیں۔

سورہ فتح میں بیعت رضوان کا ذکر ہے۔ حضور ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ روانہ کیا تھا۔ مشہور ہوگیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس وقت حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بیعت جہاد لی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں اپنے ایک ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی بیعت فرمایا اور بیعت رضوان میں شامل فرمالیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا شمار مالدار اور فیاض ترین صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کی دولت کا اکثر حصہ اسلام کی سربلندی اور ملت کی فلاح و بہبود کے کام آیا اور آپ نے جان و مال سے اشاعت اسلام تحفظ دین اور ملت اسلامیہ کی ترقی و خوشحالی کیلئے سعی بلیغ فرمائی۔

مدینہ میں مسلمانوں کو پانی کی تکلیف تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا بیر رومہ کو جو شخص خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کر دے وہ جنتی ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم میں بیر رومہ کو خریدا اور مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا۔ (ازالۃ الخفاء ص ۲۲۲)

مسجد نبوی کے قریب زمین کا ایک ٹکڑا تھا۔ حضور ﷺ کی اپیل پر آپ نے بیس ہزار درہم میں خرید کر بحضور نبوی پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا زمین کے اس

ٹکڑا کو ہماری مسجد (مسجد نبوی) میں شامل کر دو۔ تمہیں اس کا اجر ملے گا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حکم نبوی کی تعمیل کر دی۔ (ازالۃ الخفاء ص ۲۲۲)

غزوۂ تبوک کے موقع پر بے سروسامانی تھی۔ اسی لئے اس غزوہ کا نام جیش العسرۃ رکھا گیا۔ حضور ﷺ کی اپیل پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجاہدین اسلام کیلئے سواونٹ پھر دوسو۔ پھر تین سو اونٹ پیش کئے۔ چوتھی بار حضور ﷺ کی اپیل پر آپ نے ایک ہزار اشرفیاں پیش کیں۔ (ازالۃ الخفاء ص ۲۲۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس فیاضی پر حضور ﷺ نے فرمایا۔

مَاضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْمِ۔

آج کے دن کے بعد عثمان جو چاہیں کریں ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

۲۶ ہجری میں آپ نے مسجد حرام (کعبہ مقدسہ) کی توسیع فرمائی۔ ۲۹ ہجری میں مسجد نبوی کی توسیع کی۔ پتھر کے ستون قائم کئے سال کی چھت بنائی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اہم ترین دینی و علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قرائتوں کے اختلاف کو ختم کرنے کی غرض سے عہد صدیقی و فاروقی میں مدون قرآن مجید کو ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کیا اور زید بن ثابت' عبداللہ بن زبیر' سعید بن العاص اور عبدالرحمن بن الحارث رضی اللہ عنہم اجمعین سے قرآن مجید کے صحیح نسخوں کی نقول کرائے اور تمام ممالک اسلامیہ میں قرآن مجید ارسال فرمائے اور حکم دیا کہ آئندہ اسی نسخے کے مطابق قرآن لکھے اور پڑھے جائیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں دین اسلام کی وسیع اشاعت ہوئی اور مسلمانوں کو عظیم فتوحات حاصل ہوئیں۔ اے دروم کے متعدد قلعے' سابور' سرخس' سابور' ارجان' اندلس' قبرص' جوراہ خراسان' نیشاپور طوس' سرخس' مرو' بیہق' افریقہ فتح ہوئے۔ غرضیکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دیانت شجاعت' حسن اخلاق' علم و عمل کے پیکر جمیل تھے۔ حضور

ﷺ کو آپ سے کمال محبت تھی۔ حضور ﷺ آپ پر خاص اعتماد فرماتے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی اور اس کے وسائل کو اسلام کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بارہ سال امور خلافت کو باحسن وجوہ انجام دیا اور بیاسی سال کی عمر شریف ۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری بروز جمعہ شہادت پائی اور شنبہ کی شب مغرب وعشاء کے درمیان بقیع شریف مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے وصیت کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور زبیر رضی اللہ عنہ ہی نے آپ کو دفن کیا۔

شہادتِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

جس دن شہادت ہونے والی تھی۔ آپ روزہ سے تھے جمعہ کا دن تھا خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور ان سے فرما رہے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ جلدی کرو۔ تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں بیدار ہوئے تو اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ "عثمان! آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا" پھر اپنے بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کیا اور قرآن مجید کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ باغیوں نے مکان پر حملہ کر دیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جو دروازہ پر متعین تھے۔ مدافعت میں زخمی ہوئے۔ چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے۔ کنانہ بن بشر نے پیشانی مبارک پر لوہے کی لاٹ اس زور سے ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے۔ اس وقت بھی زبان مبارک سے بِسْمِ اللّٰہِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰہِ نکلا۔ سودان بن حمران نے دوسری ضرب لگائی جس سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ ایک اور سنگ دل عمرو بن الحمق سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر پے در پے نیزوں کے نو زخم لگائے کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا' وفادار بیوی حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ پر روکا۔ تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں۔ لیکن اس وار نے ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شمع حیات بجھا دی۔

شہادت کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تلاوت فرمارہے تھے۔ قرآن مجید سامنے کھلا تھا۔ اس خون ناحق نے جس آیت کو خوں باب کیا وہ یہ ہے۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (خلفائے راشدین ص ۲۳۶/۲۳۷)

اللہ اکبر! حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی کیا شان ہے کہ ان کی زندگی بھی قرآن مجید کیلئے وقف تھی اور وفات بھی قرآن پر ہوئی اور مومن کی شان یہی ہے کہ اس کا مرنا جینا قرآن ہی کیلئے ہو۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو احتیاطاً حفاظت کیلئے بھیج دیا۔ جنہوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی۔ یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوئے لیکن کثیر التعداد مفسدین کو روکنا آسان نہ تھا دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس گئے اور خلیفہ وقت کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو مارا۔ محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔ (خلفائے راشدین ص ۲۸۸)

دیکھیے! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پاسبانی فرزندان بتول لخت جگر رسول حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد محترم کے حکم سے فرمارہے ہیں۔ یہ حقائق اصحاب ثلاثہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان خلوص ومحبت، الفت واخوت کے آئینہ دار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بھی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی طرح تاریخ اسلام کا انتہائی المناک حادثہ مظلومیت وبیکسی کی لرزہ انگیز داستان اور استقامت وثابت قدمی کا روشن ترین باب ہے۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ مظلوم کربلا ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مظلوم کرب وبلا

ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کی کوئی حد نہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بے آب وگیاہ ویران وسنسان ریگزار میں شہید ہوئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی گھر کے ویرانے میں شہید کیے گئے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کو محصور کر کے شہید کیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ مشہور روایات کی بناء پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے شہداء کربلا پر آب فرات بند کر دیا گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ باغیوں نے ایسا محاصرہ کیا کہ کاشانہ خلافت میں باہر سے کوئی چیز اندر نہیں جاسکتی تھی۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ قرآن پڑھتے ہوئے شہید ہوئے اور ریگزار کربلا کا ذرہ ذرہ ان کے خون سے گل گوں ہوا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا اور صفحات قرآن ان کے لہو سے لالہ زار بن گئے ان کا خون کلام اللہ پر گرا اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہادت کے بعد بھی معاف نہ کیا گیا اور آپ کی نعش اقدس بے گور وکفن پڑی رہی۔

سر نہ تھا، قبر نہ تھی، جسم کفن پوش نہ تھا

''شہادت کے دوسرے دن شہداء کی لاشیں دفن کیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا جسد مبارک بغیر سر کے دفن کیا گیا۔ (تاریخ اسلام ج ۱ ص ۵۸)

اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا۔ دو دن تک لاش مبارک بے گور وکفن پڑی رہی۔ دوسرے دن شام کو چند آدمیوں نے تجہیز وتکفین کی ہمت کی''۔ (تاریخ اسلام ج ۱ ص ۴۸۷)



یومِ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

۲۶ ذوالحجہ یا یکم محرم

نام مبارک عمرؓ، کنیت ابوحفص، لقب فاروق ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد فضل و بزرگی میں آپ کا مرتبہ ہے۔ آپ کا نسب نویں پشت میں حضور اکرم ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپ عام الفیل کے تیرہ برس بعد پیدا ہوئے۔ اسلام سے قبل قریش میں آپ باعزت لوگوں میں سے تھے۔ قریش کی سفارت آپ کے ہی سپرد تھی اسلام لانے کے بعد آپ حضور ﷺ کے خلیفۂ دوم چنے گئے۔ ان کی عمر شریف بھی تریسٹھ برس کی ہوئی۔ صحابہ میں آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے اور آپ کا درجہ و مقام بہت اونچا ہے اور کیوں نہ ہو آپ کو حضور ﷺ نے خدا سے مانگا تھا۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔

الٰہی عمر یا ابوجہل میں سے جو تجھے پیارا ہو اس سے اسلام کو عزت دے۔ دعا قبول ہوئی اور نبوت کے چھٹے سال ۲۷ برس کی عمر میں آپ مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ کے اسلام لانے سے...... اسلام کی قوت و شوکت میں اضافہ ہوگیا۔ خود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں جس کسی نے ہجرت کی چھپ کر کی مگر عمر بن الخطاب مسلح ہو کر خانہ کعبہ میں آئے کفار کے سرداروں کو للکارا اور فرمایا جو اپنے بچوں کو یتیم کرنا چاہے وہ مجھے روک لے عمر کی زبان سے یہ کلمات سن کر محفل کفار میں سناٹا چھا گیا اور کوئی مقابل نہ آیا۔ آپ نے حضور ﷺ سے پہلے مدینہ منورہ ہجرت کی۔

ہجرت کے بعد آپ نے جان و مال سے اسلام کی خدمت کی غزوات میں شریک ہوئے۔

غزوۂ بدر میں آپ نے اپنے حقیقی ماموں عاص بن وائل کو میدان جنگ میں اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور حضور اکرم ﷺ کے مقابلہ میں رشتہ کی پروانہ کی۔ غزوۂ اُحد میں باوجود اس انتشار کے جو حضور اکرم ﷺ کی شہادت کی خبر کی بناء پر پیدا ہو گیا تھا۔ آپ نے میدان نہیں چھوڑا اور اُحد پر حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ جانثاری کیلئے حاضر رہے اور آپ نے ہی ابوسفیان کی باتوں کا دنداں شکن جواب دیا۔ غزوۂ خندق میں ایک جانب کی حفاظت آپ کے ہی سپرد تھی۔ آپ کی یادگار میں ایک مسجد وہاں اب بھی موجود ہے۔

غزوۂ مصطلق میں مقدمۂ لشکر کے آپ آفیسر تھے۔ آپ نے ایک جاسوس کو بھی پکڑا۔ آپ کے سپرد یہ خدمت بھی کی گئی کہ آپ یہ اعلان کریں کہ جو شخص کلمہ پڑھ لے گا اسے امان دی جائے گی۔ غزوۂ حدیبیہ میں غیرت ایمانی اور حمیت دینی اور رسول کریم ﷺ سے محبت اور آپ کی عظمت و رفعت کا آپ نے مظاہرہ کیا اور آپ مغلوبانہ صلح پر راضی نہ ہوتے تھے۔ حدیبیہ سے لوٹتے وقت جب اِنَّا فَتَحۡنَا نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے آپ کو ہی سب سے پہلے سنائی کیونکہ اس سورت میں بڑی خوشخبری اور فضیلت آپ کیلئے بھی ہے۔ غزوۂ خیبر میں آپ میمنۂ لشکر کے آفیسر تھے۔ ہر صحابی باری باری رات کو پہرہ دیتے تھے۔ جب آپ کی باری آئی تو آپ نے ایک یہودی کو گرفتار کر لیا جس سے خیبر کے جنگی حالات معلوم ہوئے جو فتح خیبر کیلئے بہترین ذریعہ بن گئے۔ غزوۂ حنین میں مہاجرین کی جماعت کا جھنڈا آپ کے سپرد تھا جو اس جماعت کی سرداری کا عطیہ تھا۔

فتح مکہ کے بعد حضور ﷺ سے اجازت لے کر عمرہ کیا۔ بوقت اجازت حضور

ﷺ نے یہ جملے بھی فرمادیئے "اے میرے بھائی اپنی دعا میں ہمیں نہ بھول جانا"۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ کے ان مبارک کلمات کے بجائے اگر مجھے ساری دنیا بھی مل جائے تب بھی میں خوش نہ ہوں۔

ایک مرتبہ ایک یہودی اور منافق اپنے مقدمہ کے فیصلے کیلئے آپ کی خدمت میں آئے۔ یہودی نے کہا حضور ﷺ فیصلہ فرما چکے ہیں مگر یہ نہیں مانتا۔ آپ فوراً گھر گئے تلوار لائے اور اس منافق کا سر قلم کردیا اور فرمایا جو رسول کریم ﷺ کے فیصلہ کو نہ مانے میرے ہاں اس کا یہ فیصلہ ہے۔ اس واقعہ کی اطلاع حضور ﷺ کو ہوئی مقدمہ پیش ہوا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو قتل کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید میں آیت کریمہ نازل فرمائی۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔

"اے رسول ﷺ مجھے تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک تمہیں حکم نہ مانیں اپنے معاملات میں"۔

اسی طرح اسیرانِ بدر، منافقوں کی نماز جنازہ، امہات المومنین کے پردہ، مقام ابراہیم کو مصلےٰ بنانے اور شراب کی حرمت سے متعلق آپ کی رائے کے مطابق قرآنی آیتیں نازل ہوئیں اور یہی دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق بولتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں آپ کی حیثیت وزیروں کی طرح تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا اور بوقت وفات ان کے حق میں خلافت نامہ لکھوایا اور فرمایا میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر کسی شخص پر آفتاب نے طلوع نہیں کیا۔ پھر مجمع سے مخاطب ہوکر فرمایا میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا ہے کیا تم سب راضی ہو۔ سب نے جواب دیا ہم راضی ہیں۔



امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ماہ جمادی الاخری ۱۳ ہجری میں مسند آرائے خلافت ہوئے اور دس سال چند ماہ امور خلافت کو انجام دیا۔ اس دس سالہ دور خلافت میں اسلام کے برکات سے عالم فیضیاب ہوا۔ دنیا عدل وانصاف سے بھر گئی۔ مخلوق خدا کے دلوں میں حق پرستی اور پاکبازی کا جذبہ پیدا ہوا۔ فتوحات اس قدر ہوئیں کہ سلاطین عالم کو متحیر کردیا۔ ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست ایک مملکت میں تبدیل ہوگئی اور پیش گوئی رسالت کے مطابق ایران وروم فتح ہوئے۔ اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا وعدۂ الٰہی آپ کے ہاتھ سے پورا ہوا۔ اسلام کے غلبہ کا یہ عالم تھا کہ اس وقت جو طاقت بھی اسلام سے ٹکرائی پاش پاش ہوگئی۔ غرضیکہ ایک ہزار چھتیس شہر مع مضافات کے آپ کے زمانہ خلافت میں فتح ہوئے اور آپ نے مفتوحہ علاقہ میں تقریباً چار ہزار مسجدیں اور نو سو جامع مسجدیں تعمیر کرائیں اور آپ نے دین اسلام کی وہ تبلیغ واشاعت فرمائی۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ حضور سیدِ عالم ﷺ نے آپ کو اللہ تعالیٰ سے مانگا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔

اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً۔ (حاکم)

الٰہی خاص عمر بن الخطاب کے ساتھ اسلام کو غلبہ وقوت عطا فرما۔

اس دعا کے قبول ہونے پر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام بحضور نبوی ﷺ حاضر ہوئے۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ اہل آسمان عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خوشیاں منا رہے ہیں (ابن ماجہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جلالت شان کا یہ عالم ہے کہ آپ کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ۔ (ترمذی)

اگر میرے بعد نبی ممکن ہوتا تو عمر ہوتے۔ (ترمذی وحاکم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت اپنی برکتوں کے علاوہ اس اعتبار سے بھی ممتاز ہے کہ بہت سے ملک اسلامی حکومت میں شامل ہوئے اور یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ آج تک کوئی شخص ایسا فاتح اور کشور کشا نہیں گذرا جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے برابر فتوحات اور عدل وانصاف دونوں کا جامع ہو۔ مصر، عراق، فلسطین، خوزستان، آرمینیا، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور بکران آپ ہی کے عہد خلافت میں فتح ہوئے اور قسطنطنیہ کی فتوحات کا آغاز ہوا جس کی تکمیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اللہ کے ولی تھے۔ شریعت وطریقت کے جامع اور صاحب کرامت شخصیت تھے۔ آپ سے بہت سی کرامتوں کا صدور ہوا ہے۔ بیہقی و ابونعیم وغیرہ محدثین نے بطریق معتبر روایت کیا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اثناء خطبہ میں تین مرتبہ فرمایا۔ یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلْ حاضرین متحیر ومتعجب ہوئے کہ اثناء خطبہ میں یہ کیا کلام ہے۔ بعد میں آپ سے دریافت کیا گیا کہ آج آپ نے خطبہ فرماتے فرماتے یہ کیا کلمہ فرمایا! آپ نے فرمایا کہ لشکر اسلام جو ملک عجم میں مقامِ نہاوند میں کفار کے ساتھ مصروف پیکار ہے میں نے دیکھا کہ کفار اس کو دونوں طرف سے گھیر کر مارنا چاہتے ہیں ایسی حالت میں میں نے پکار کر کہہ دیا اے ساریہ جبل یعنی پہاڑ کی آڑ لو۔ یہ سن کر لوگ منتظر رہے کہ لشکر سے کوئی خبر آئے تو تفصیلی حال دریافت ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد ساریہ کا قاصد خط لے کر آیا۔ اس میں تحریر تھا کہ جمعہ کے روز دشمن سے مقابلہ ہو رہا تھا۔ خاص نماز جمعہ کے وقت ہم نے سنا۔ یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلْ یہ سن کر ہم پہاڑ سے مل گئے اور ہمیں دشمن پر غلبہ حاصل ہوا اور کفار کو شکست ہوئی

ابوالشیخ نے کتاب العصمۃ میں روایت کی ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو ایک روز اہل مصر نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے امیر ہمارے دریائے نیل کی ایک رسم ہے جب تک اس کو ادا نہ کیا جائے دریا جاری نہیں رہتا اور وہ رسم یہ ہے

کہ ہر مہینے کی گیارہ تاریخ ہم ایک کنواری لڑکی کو اس کے والدین سے لے کر عمدہ لباس اور نفیس زیور سے سجا کر دریائے نیل میں ڈالتے ہیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسلام میں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور اسلام پرانی واہیات رسموں کو مٹاتا ہے پس وہ رسم موقوف رکھی گئی اور دریا کی روانی کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ لوگوں نے وہاں سے چلے جانے کا قصد کیا یہ دیکھ کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تمام واقعہ لکھ بھیجا۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا تم نے ٹھیک کیا بیشک اسلام ایسی رسموں کو مٹاتا ہے۔ میرے اس خط میں ایک رقعہ ہے اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خط پہنچا اور انہوں نے وہ رقعہ اس خط میں سے نکالا تو اس میں لکھا تھا۔

از جانب بندۂ خدا عمر امیر المومنین بسوئے نیل مصر بعد از حمد وصلوٰۃ آنکہ اگر تو خود جاری ہے تو نہ جاری ہو اور اللہ تعالیٰ نے جاری فرمایا تو میں اللہ واحد قہار سے درخواست کرتا ہوں کہ تجھے جاری فرمادے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ رقعہ دریائے نیل میں ڈالا ایک شب میں سولہ گز پانی بڑھ گیا اور بھینٹ چڑھانے کی رسم مصر سے بالکل موقوف ہوگئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقویٰ پاکبازی، زہد وورع، تواضع، حلم اور فقرِ نبوت کا پیکر جمیل تھے۔ سادہ غذا کھاتے پیوند لگے کپڑے پہنتے۔ ان کی زندگی ہر قسم کے کروفر نمود ونمائش ٹھاٹ باٹ سے پاک تھی مگر وقارِ خلافت کا یہ عالم تھا کہ کوئی شہنشاہ بھی تاب نہ لاسکتا تھا۔

ایک مرتبہ قیصرِ روم کا قاصد مدینہ طیبہ میں آیا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتا تھا تاکہ بادشاہ کا پیام آپ کی خدمت میں عرض کر سکے۔ لوگوں نے بتایا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ مسجد میں ہیں۔ مسجد میں آیا۔ دیکھا کہ ایک صاحب موٹے پیوند زدہ

کپڑے پہنے۔ ایک اینٹ پر سر رکھے لیٹے ہیں۔ یہ دیکھ کر باہر آیا اور لوگوں سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا پتہ دریافت کرنے لگا۔ کہا گیا مسجد میں تشریف فرما ہیں کہنے لگا۔ مسجد میں تو سوائے ایک دلق پوش کے کوئی نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کہا وہی دلق پوش ہمارا امیر وخلیفہ ہے۔

امیر المومنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں طرح طرح کی اصلاحات نافذ کیں۔ بیت المال قائم کیا گیا فوج کا باقاعدہ دفتر بنایا مالیات کے دفتر کی بنا ڈالی۔ رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں ملک میں اراضی کی پیمائش کا قاعدہ جاری کیا۔ مردم شماری کرائی نہریں کھدوائیں شہر آباد کرائے۔ مقبوضہ ممالک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا اور سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک امن وامان بحال رکھنے کیلئے پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ پرچہ نویس مقرر ہوئے۔ مسافروں کی سہولت کیلئے کنوئیں اور کارواں سرائیں بنوائیں۔ مفلوک الحال اور ضرور تمندوں کے روزینے مقرر کئے۔ نماز تراویح باجماعت پڑھنے کا اہتمام کیا اور تجارت کے گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے صوبوں کے حاکموں کو لکھا کہ کسی سپاہی کو میدان جنگ میں مسلسل چار مہینے سے زیادہ نہ روکا جائے چار مہینے گذر جانے کے بعد سے رخصت دی جائے کہ وہ اپنے اہل وعیال سے مل سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام جلیل القدر صحابیوں کے وظیفے بیت المال سے مقرر کئے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا وظیفہ اپنے بیٹے سے زیادہ مقرر فرمایا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حق گو اور حق شناس تھے اور بایں جاہ وجلال حق بات قبول کرنے سے گریز نہیں فرماتے تھے وہ بات کسی معمولی آدمی نے ہی کہی ہو۔

جب بعزم حج مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے آمد ورفت میں امراؤ خلفاء کی طرح آپ کیلئے خیمہ نصب نہ کیا گیا۔ راہ میں جہاں قیام فرماتے اپنے کپڑے اور بستر کسی

درخت پر ڈال کر سایہ کر لیتے۔ ایک روز بر سر منبر موعظت فرما رہے تھے۔ مہر کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ آپ نے فرمایا مہر گراں نہ کئے جائیں اور چالیس اوقیہ سے مہر زیادہ مقرر نہ کیا جائے۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) کیونکہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کا مہر چالیس اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا لہٰذا جو کوئی آج کی تاریخ سے اس سے زیادہ مہر مقرر کرے گا وہ زیادتی بیت المال میں داخل کر لی جائے گی۔ ایک ضعیفہ عورتوں کی صف سے اٹھی اور اس نے عرض کیا اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ ایسا کہنا آپ کے منصب عالی کے لائق نہیں مہر اللہ تعالیٰ نے عورت کا حق کیا ہے وہ اس کیلئے حلال ہے۔ اس کا کوئی جز واس سے کس طرح لیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا آپ نے فوراً بے دریغ داد انصاف دی اور فرمایا اِمْرَاَةٌ اَصَابَتْ وَرَجُلٌ اَخْطَاَ عورت ٹھیک پہنچی اور مرد نے خطا کی پھر منبر پر اعلان فرمایا کہ عورت صحیح کہتی ہے۔ میری غلطی تھی جو چاہو مہر مقرر کرو اور فرمایا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ کُلُّ اِنْسَانٍ اَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ یارب میری مغفرت فرما۔ ہر شخص عمر سے زیادہ دانا ہے۔ سبحان اللہ ز ہے عدل وداد ز ہے عجز وانکسار۔

۲۳ ہجری میں آپ فجر کی نماز کیلئے مسجد تشریف لے گئے۔ تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھے ہی تھے کہ ابولولو مجوسی نے زہر آلود خنجر سے آپ کے شکم مبارک میں تین کاری زخم لگائے۔ آپ بیہوش ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ آپ کو جب ہوش آیا تو فرمایا الحمد للہ ایک کافر کے ہاتھ سے مجھے شہادت ملی پھر آپ کا وصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جس طرح زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے بعد وفات بھی ساتھ ہی رہے۔

یوم سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کربلا

۱۰ محرم الحرام

سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ۵ شعبان ۴ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ حضور پرنور ﷺ نے آپ کا نام حسین اور شبیر رکھا اور آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب سبط رسول اللہ اور ریحانۃ الرسول ہے اور آپ کے برادر معظم کی طرح آپ کو بھی جنتی جوانوں کا سردار اور اپنا فرزند فرمایا۔ حضور اقدس نبی اکرم ﷺ کو آپ کے ساتھ کمال رافت و محبت تھی۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ مَنْ اَحَبَّهُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ۔

جس نے ان دونوں (حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے عداوت کی اس نے مجھ سے عداوت کی۔

جنتی جوانوں کا سردار فرمانے سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ راہ خدا میں اپنی جوانی میں راہئ جنت ہوئے حضرت امامین کریمین ان کے سردار ہیں اور جوان کسی شخص کو بلحاظ اس کے نوعمری کے بھی کہا جاتا ہے اور بلحاظ شفقت بزرگانہ کے بھی کہ آدمی کی عمر کتنی بھی ہو اس کے بزرگ اس کو جوان بلکہ لڑکا تک کہتے ہیں شیخ اور بوڑھا نہیں کہتے ہیں۔ اسی طرح بمعنی فتوت و جوانمردی بھی لفظ جوان کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضور سیّد عالم ﷺ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی۔ ہر روز انہیں دیکھتے۔ سینہ سے لگاتے پیار کرتے چومتے اور گود میں لے کر انہیں سونگھتے اور فرماتے

یہ میرے پھول ہیں۔ حضور ﷺ ان کی خاطر منبر سے اتر آتے ان کیلئے سجدہ لمبا کر دیتے سینہ سے قدم تک امام حسین رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے مشابہ تھے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ عابد و زاہد تھے۔ پورا پورا دن اور ساری ساری راتیں نماز میں گزار دیتے آپ دن رات میں ہزار ہزار رکعت ادا کرتے تھے۔ ذکر و عبادت خداوندی کا یہ ذوق مدینہ سے کوفہ تک کے اس سفر میں بھی نہ بھولا جو سفر کربلا سے موسوم ہے اور آپ کی عمر کا آخری سفر تھا ۲۷ رجب کو جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو دربار نبوی میں حاضر ہوئے وہاں رات کا ایک حصہ دعا و مناجات میں گذارا ۹ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو جب آپ نے محسوس کیا کہ دشمن لڑنا ہی چاہتا ہے تو آپ نے لشکر اشقیاء سے ایک رات کی مہلت لے لی بس یہ رات نمازوں دعاؤں اور مناجاتوں میں گزری۔ جعفر بن سلیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے درمیان خیمہ سے روشنی پھوٹتی دیکھی جھانک کر دیکھا کہ امام کے سامنے قرآن مجید کھلا ہے۔ تلاوت فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

امام حسین سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا بے حد احترام کرتے تھے ایک مرتبہ دونوں بھائیوں میں شکر رنجی ہو گئی ایک آدھ دن ہی گزرا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ مضطرب ہوئے چاہا کہ بھائی کے حضور حاضر ہو کر صلح کر لیں لیکن ایک حدیث یاد آ جانے کی وجہ سے رک گئے اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آج آپ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کر لیا تھا مگر مجھے نانا جان کی یہ حدیث یاد آ گئی کہ جو صلح میں پہل کرے گا وہ جنت میں پہلے داخل ہو گا اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ جنت میں آپ سے پہلے جاؤں۔ اس لئے آپ خود میرے ہاں تشریف لے آئیے یہ سن کر امام حسن رضی اللہ عنہ بھائی کے گھر آئے اور دونوں شیر و شکر ہو گئے۔

اور محرم ۶۱ ہجری کی دسویں تاریخ جمعہ کا دن تھا۔ سب جانثار ایک ایک کر کے اسلام کی عظمت اور اسلامی اقدار کی حفاظت کیلئے اپنی جانیں نثار کر چکے مگر سیاہ دلان

باطل کسی طرح قبول کرنے اور خون ناحق وظلم بے نہایت سے باز رہنے پر مائل نہ
ہوئے تو شہزادہ کونین سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ میدان میں گامزن ہوئے یعنی

عشرے کی سحر حضرت کیلئے پیغام شہادت لائی ہے
جتنے تھے ستارے ڈوب چکے اب چاند کی باری آئی ہے

ایک نورانی جسم تھا جو شبیہ رسول تھا ایک پیشانی مصفا تھی جو بوسہ گاہ رسول تھی۔
ایک پیکر نورانی تھا جو خاتون جنت کا لخت جگر اور مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی
آنکھوں کی ٹھنڈک تھا یعنی ایک طرف نور تھا حق تھا اور دوسری طرف ظلم وعدوان اور سرکشی و
طغیان کا سیلاب عظیم تھا۔ امام گھوڑے پر سوار داد شجاعت دے رہے تھے کہ یکا یک باطل
نے مجتمع ہو کر تیروں کی بارش شروع کر دی اور امام کی جبین پر ضیا گھائل ہو گئی اور امام کو چکر
آیا گھوڑے سے نیچے آئے۔ اب نامرادان سیاہ باطن نے نیزہ پر رکھ لیا نورانی پیکر خون
میں نہا گیا۔ امامت کا در شہوار زمین پر جلوہ فرما ہوا۔ دس محرم الحرام جمعہ کے دن چھپن سال
پانچ ماہ پانچ دن کی عمر مبارک میں امام نے رحلت فرمائی اور سر اقدس آپ کی والدہ ماجدہ
حضرت خاتون جنت سیدہ عفیفہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہری رضی اللہ عنہا کے پہلو میں مدفون ہوا۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

سیّدنا امام حسین ولادت سے شہادت تک

شہزادہ کونین حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ماہ ربیع الاوّل ۳ ہجری کے آخر میں
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ افروز ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت آپ
کا سن اقدس ۸ برس کا تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رحلت اور حضرت عمر
فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت شروع ہوئی تو آپ سوا دس برس کے تھے۔ حضرت عثمان غنی
ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت میں زندگی کی اکیس بہاریں دیکھ چکے تھے اور اپنے

والد بزرگوار کے آغاز خلافت میں آپ کی عمر تقریباً ۳۰ برس کی تھی۔ اس عرصہ میں
مسلمان دنیا کے بہت بڑے حصے پر قابض ہو چکے تھے مگر امام موصوف مدینہ منورہ ہی
میں تشریف فرما رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ کو بھی کوفہ منتقل ہونا پڑا اور جب وہ ۲۱
رمضان ۴۰ ہجری کو شہید ہو گئے تو آپ چند ماہ بعد بڑے بھائی سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے
ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور جب ۶۰ ہجری تک دل جمعی سے وہیں قیام پذیر
رہے۔ اس ماہ کے وسط میں جب یزید جانشین پدر ہوا اور مدینہ منورہ میں اس کی بیعت
کی اطلاع پہنچی تو آپ ۲۷ رجب بمطابق مئی ۶۸۰ ہجری کو مدینہ منورہ سے چلے اور ۳
شعبان مطابق ۹ مئی ۶۸۰ء کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ جب کوفہ والوں کو آپ کے مکہ مکرمہ
آنے کی خبر ملی تو انہوں نے آپ کو دعوت کے خط لکھنے شروع کئے۔ جن کی تعداد بارہ
ہزار لکھی گئی ہے۔ ان خطوں کے پہنچنے کی تاریخیں ۱۰ سے ۱۴ رمضان تک دی ہیں۔
(یعنی ۱۸ جون ۶۸۰ء تک)

ان نامہ بروں پر اعتبار کر کے اور کوفیوں کی نیت معلوم کرنے کیلئے حضرت سیّدنا
امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفے کی طرف روانہ کیا۔
مسلم پہلے مدینہ گئے۔ وہاں سے دو رہنما ساتھ لئے اور منزل مقصود کی طرف چل دیئے
مگر یہ راہ بھول گئے اور پانی کی نایابی کی وجہ سے رہنما پیاسے انتقال کر گئے۔ حضرت
مسلم بڑی تکلیف سے پانی تک پہنچے اور اس واقعہ کو بدشگونی خیال کر کے حضرت سیّدنا
امام سے واپسی کی اجازت طلب کی مگر نہ ملی اور آپ بڑی مشکل سے کوفہ پہنچے۔

کوفیوں نے بہ تعداد ۲۵۰۰ حضرت مسلم کے ہاتھ پر سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی
بیعت کر لی مگر ابن زیادہ نے بصرہ سے آ کر انہیں ترغیب وترہیب سے بیعت سے
منحرف کر دیا۔ حضرت مسلم میں آخر ہاشمی خون تھا میدان میں نکلے اور بروز عرفہ (یکم

حج ۶۰ ہجری مطابق ۷ ستمبر ۶۸۰ ہجری شہید کر دیئے گئے۔

اسی دن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جن کو حضرت مسلم سے کوفیوں کے بیعت کر لینے کی اطلاع مل چکی تھی۔ مکے سے جانب کوفہ روانہ ہو پڑے اور براستہ تنعیم، ثعلبہ، عندیب، ہیم، قادسیہ، حاجز، ضرعیہ بطن حنفیہ۔ اشراف قصر بنی مقاتل، قطقطانیہ ۲ محرم مطابق ۱۲ اکتوبر ۶۸۰ء کربلا منزل گزین ہوئے۔

امام موصوف کو منزل ثعلبہ پر حضرت مسلم کی شہادت کی خبر مل گئی ابن زیاد نے خط لکھا کہ مجھے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا حکم ہے کہ یا آپ سے بیعت لوں یا آپ کو یزید کے پاس بھیج دوں۔ مگر آپ نے قاصد سے فرمایا کہ جاؤ میرے پاس اس خط کا کوئی جواب نہیں ہے۔

پھر عمرو بن سعد سالار فوج کے استفسار پر فرمایا۔

''تمہارے شہر کے لوگوں نے نامہ ہائے بے شمار مجھے لکھے اور بہت مبالغہ اور اصرار کر کے بلایا اگر میرا آنا اب منظور نہیں ہے تو مجھے واپس جانے دو۔''

یہ جواب سن کر ابن سعد نے کہا:

''امیدوار ہوں کہ خدا مجھے محاربہ و مقاتلۂ امام حسین رضی اللہ عنہ سے نجات دے۔''

ابن سعد نے امام کی واپسی کی تجویز کو پسند کیا اور ابن زیاد کو سفارش کی مگر شمر ذی الجوش نے ورغلایا اور آخر جنگ ہی کی صلاح ٹھہری۔

۷ محرم کو پانی کی بندش ہوئی مگر امام موصوف نے خیمہ کے پاس ہی کنواں کھدوا کر ہمراہیوں کو سیراب کر دیا مگر تقدیر الٰہی سے پھر پانی ختم ہو گیا۔

۸ محرم کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ لڑ بھڑ کر بیس مشکیں پانی کی بھر کر بہ سلامت پہنچ گئے اور اس جھگڑے میں امام کا کوئی شخص شہید نہیں ہوا۔

''شب محرم کو امام حسین رضی اللہ عنہ نے علی اکبر کو مع تیس سوار اور بیس پیادہ کے بھیجا

کہ وہ چند مشک آب بھر لائیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اہلبیت اور اصحاب سے فرمایا کہ پانی پیو کہ یہ تمہارا آخری تحفہ ہے اور وضو و غسل کرو اور اپنے کپڑوں کو خوشبو لگاؤ کہ وہ تمہارے کفن ہوں گے''۔ (جلاء العیون صفحہ ۳۶۳)

۱۰ محرم ۶۱ ہجری مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ ہجری کو آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ

''پسر زیاد میرے قتل ہونے یا بیعت کرنے اور ذلیل و خوار ہو جانے کو کہتا ہے یہ ہرگز نہ ہوگا کہ میں اسے کافر کے سامنے اپنے کو ذلیل و اسیر کروں۔ صاحبان ہمت ہائے بلند و خصلت ہائے ارجمند و ارباب ہائے فاخرہ و پروردگان دامان ہائے طاہرہ ہرگز مذلت لئیمانہ کو شہادت کریمانہ پر گوارا نہیں کرتے۔ واضح ہو کہ میں نے اپنا عذر ظاہر کر دیا اور حجت خدا اتم پر تمام کر دی۔ اس وقت باوجود عدم سامان و قلت اعوان اس گروہ قلیل بزرگوار سے تمہارا مقابلہ کروں گا اور جہاد سے روگردانی نہ کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ شہید ہو جاؤں گا''۔ (جلاء العیون صفحہ ۳۶۹)

چنانچہ جیسا کہ آپ نے فرمایا آپ لڑے اور ۷۲ جانثاروں کے ساتھ شہید ہو گئے۔

آپ کے ۲۷ سالہ فرزند (زین العابدین) اور چار سالہ پوتے (امام باقر) حسن مثنیٰ بن امام حسن اور زید اور عمران کے بھائی جو میدان میں نکل کر لڑنے کے قابل نہیں تھے محفوظ رہے اور مستورات کے ساتھ دمشق بھیج دیئے گئے جہاں سے انہیں واپس مدینے بھیج دیا گیا۔

(یہ تمام واقعات بغیر کسی ریمارک کے من وعن ملا باقر مجلسی کی کتاب جلاء العیون مطبوعہ مطبع شاہی لکھنؤ اور تصویر کربلا مطبع اثنا عشری دہلی سے نقل کیے گئے ہیں)

بس اک شہادتِ عظمیٰ ہے منتہائے نظر
دیکھے ہے کمال جگر گوشۂ رسول میں

یوم حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۸ صفر المظفر

نام ونسب۔ غوث المحققین قطب العارفین شیخ الاسلام والمسلمین امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اسم گرامی احمد لقب بدرالدین کنیت ابوالبرکات اور منصب خزینۃ العلوم قیوم زماں مجدد الف ثانی ہے۔ آپ حنفی المذہب ہیں اور آپ کا طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کہلاتا ہے۔

خاندان

آپ کا خاندان زہد وتقویٰ بزرگی و پرہیز گاری کی شاندار روایات کا حامل تھا، آپ کے والد قدوۃ العرفا شیخ عبدالاحد جلیل القدر عالم وفاضل اور چشتیہ قادریہ سہروردیہ سلسلوں کے صاحب مجاز وخلیفہ تھے اور حضرت امام رفیع الدین جیسے باکمال ولی اور خدارسیدہ بزرگ جو کہ سرہند کے بانی بھی ہیں، آپ کے جد ششم ہیں۔ جن کا سلسلہ آٹھ واسطوں سے حضرت شیخ شہاب الدین فرخ شاہ امیر کابل سے اور ۲۸ واسطوں سے امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم سے ملتا ہے۔

آپ کے جد ششم قدوۃ العارفین امام رفیع الدین علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور عارف کامل تھے۔ آپ نے تقریباً چار سو مشائخ کبار سے استفادہ کیا اور آخر میں موضع اُچ علاقہ ملتان میں حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ سے جو غوث وقت اور قطب عالم تھے۔ کسب فیض فرمایا اور آپ کے خلیفہ اکمل

ہوئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت مخدوم جہانیاں بخارا سے کابل تشریف لائے تو حضرت امام رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنے ہمراہ ہندوستان لے آئے۔

سرہند

یہ جگہ دہلی کے شمال مغرب میں ۳۷ فرسنگ کے فاصلہ پر اور لاہور کے مشرق میں ۴۳ فرسنگ پر واقع ہے۔ اس کا اصل نام سہرند (یعنی شیروں بھرا جنگل) ہے جو آبادی سے قبل ایک وحشت ناک جنگل تھا۔ فیروز شاہ خلجی کے عہد میں اس جنگل سے عمال شاہی خزانہ "لاہور سے دہلی" لے جارہے تھے۔ عمال میں ایک عارف کامل تھا جس نے اپنی چشم باطن سے دیکھا کہ اس جنگل میں "ایک نور ہے جو تحت الثریٰ سے فوق العرش محیط ہے"۔ خیال کیا اس مقام پر کوئی بزرگ ہستی ظاہر ہوگی۔ چنانچہ یہ عارف کامل جب دہلی پہنچے تو حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا ذکر کیا۔ مخدوم صاحب نے جو بادشاہ کے پیر تھے بادشاہ کہا سے کہ ہمارے خاندان میں ایک عرصہ سے یہ بات مشہور ہے کہ ہندوستان میں زمانہ رسالت کے ایک ہزار سال بعد ایک بزرگ پیدا ہوں گے جو وحید امت وسراج ملت ہوں گے وہ مجدد وقت اور فیضان نبوت سے مالا مال ہوں گے۔ اس کے ظہور کا مقام فلاں جنگل میں معلوم ہوا ہے تو اگر وہاں کچھ آبادی ہوجائے تو اچھا ہے۔ بادشاہ نے اپنے وزیر خواجہ فتح اللہ کو اس کام کی انجام دہی کیلئے مامور فرمایا وہ کئی ہزار افراد کو لے کر اس جنگل میں پہنچے اور ایک مقام بلند پسند کر کے قلعہ کی تعمیر شروع کردی مگر یہ عجیب بات تھی کہ جس قدر عمارت دن بھر تیار ہوتی شب کو وہ خود بخود منہدم ہوجاتی تھی۔ ہر چند تجسس کی گئی مگر عمارت کے منہدم ہونے کا سبب معلوم نہ ہوا۔ بالآخر وزیر موصوف نے بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے اپنے پیر مخدوم سید جلال الدین کی خدمت میں سارا ماجرا سنایا۔ حضرت مخدوم صاحب نے حضرت امام رفیع الدین کو جو وزیر موصوف کے برادر تھے۔ سرہند

کی ولایت وقطبیت عطا فرما کر اس کام کی تکمیل کیلئے مامور فرمایا امام رفیع الدین نے اپنے نور باطن سے معلوم کیا کہ پیادوں نے بیگار میں حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی تعمیر کے کام میں لگا رکھا ہے۔ عمارت کا منہدم ہونا انہی کے تصرفات سے ہے۔ حضرت امام رفیع الدین نے حضرت بوعلی قلندر سے پیادوں کی اس حرکت کی معذرت کی اور ان کا اعزاز و اکرام کیا۔ حضرت بوعلی قلندر نے فرمایا یہ سب کچھ میں نے تم کو یہاں بلانے کیلئے کیا تھا۔

''اللہ نے آپ کو یہاں ایک قطب کی ولادت کا سبب بنانے کیلئے بھیجا ہے جو اسلام کو زندہ کرے گا اور کفر و شرک کی ظلمت کو دور فرمائے گا''۔

پھر دونوں صاحبوں نے مل کر ۷۶۰ ہجری میں قلعہ کی بنیاد رکھی جو بہت جلد تیار ہو گیا۔ بادشاہ کو تعمیر کی تکمیل کی اطلاع دی گئی تو بادشاہ نے اس قلعہ کو حضرت امام رفیع الدین کی تحویل میں دے دیا اور اس طرح حضرت مجدد صاحب کے خاندان اور قریش کے دوسرے قبیلوں سے یہ شہر آباد ہو گیا۔

تا آنکہ ۹۷۱ ہجری شب جمعہ ۱۴ شوال کو وہ ساعت ہمایوں آئی جس میں امام ربانی محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے برج مادر سے صحن عالم میں قدم رنجہ فرمایا۔ آپ کی ولادت باسعادت کے وقت آٹھ غیر معمولی واقعات کا ظہور ہوا جن کی تفصیل روضۃ القیومیہ میں مسطور ہے۔

۱) اولیائے امت نے مجدد اسلام کی پیدائش پر آپ کی والدہ کو مبارکباد دی۔

۲) آپ کی والدہ ماجدہ نے خواب میں دیکھا کہ حضور سیّد عالم ﷺ خود بنفس نفیس تشریف لائے اور حضرت مجدد کے کانوں میں اذان دی۔

۳) بوقت ولادت اکبر بادشاہ کا تخت اوندھا ہو گیا معبرین نے اکبر کو بتایا کہ آج اس بزرگ ہستی کا ظہور ہوا ہے جس کی بدولت ہند میں پھیلی ہوئی گمراہیاں کافور ہو



جائیں گی۔

علوم ظاہری

حضرت مجدد صاحب کی عمر لائق درس ہوئی تو سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے والد محترم شیخ عبدالاحد سے جو ایک نامور فاضل بھی تھے۔ درس نظامیہ کی تکمیل فرمائی اور والد محترم کی توجہ روحانی سے حدیث و فقہ، تفسیر، اصول، منطق، فلسفہ و معانی میں مہارت تامہ حاصل اور سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اگرچہ آپ نے بیشتر علوم اپنے والد محترم ہی سے حاصل کئے مگر اس کے بعد دیگر علامہ کمال الدین کشمیری سے سیالکوٹ میں اور کتب احادیث کی سند علامہ محمد یعقوب کشمیری شیخ الحدیث سے حاصل کیں۔ علامہ محمد یعقوب، حضرت شیخ محمد حسین خوارزمی کے خلیفہ تھے۔ علم تفسیر و حدیث کی سند آپ نے حضرت قاضی بہلول بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حاصل فرمائی جو حضرت شیخ الحدیث ابن فہد کے تلمیذ تھے اور جن کے آباؤ اجداد بلاد عرب میں کبار محدثین میں شمار ہوتے تھے۔

غرضیکہ علوم عالیہ اسلامیہ کی تحصیل کے بعد آپ مسند ہدایت پر متمکن ہوئے۔ آگرہ، اکبر آباد و دیگر شہروں میں تبلیغ دین فرماتے رہے۔ صدہا طلباء نے آپ کے حلقہ درس میں شامل ہو کر درس نظامیہ کی تکمیل کی اور فیوض و برکات روحانی حاصل کر کے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

علوم باطنی

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت مجدد نے علوم باطنی کے حصول کی طرف توجہ فرمائی اور اپنے والد محترم خواجہ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے فیوض و برکات روحانیہ حاصل کئے۔ عبادت و ریاضت میں مصروف رہے اور انہوں نے آپ کو ۱۵ سلاسل اولیاء میں

خلافت عطا فرما کر اپنا جانشین مقرر کیا۔

خلافتِ نقشبندیہ

حضرت مجدد کو مدت سے سیر و سیاحت کو نکلنے اور ملک کے مشہور بزرگان دین سے استفادہ کرتے ہوئے حج بیت اللہ و روضۂ نبوی پر حاضری کا شوق دامن گیر تھا مگر والد محترم کی سن رسیدگی اس امر میں مانع رہی تا آنکہ رجب ۱۰۰۷ ہجری میں آپ کے والد محترم نے وصال فرمایا تو حضرت مجدد گھر سے نکلے دہلی پہنچے جو ان دنوں بڑے بڑے عارفان حق کا مخزن تھا۔ زمانۂ طالب علمی کے ایک دوست مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی انہوں نے سلسلۂ نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات صوری و معنوی کا ذکر کیا کہ آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے فرد یگانہ ہیں اور آپ کی ایک نظر کیمیا اثر سے طالبوں کو فیض مل جاتا ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد محترم سے سلسلہ نقشبندیہ و اکابر سلسلہ کے حالات سن چکے تھے کہ یہ وہ سلسلہ ہے جس کے مرشد اعظم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو افضل الخلائق بعد از انبیاء ہیں جو خلیفہ بلا فصل ہیں۔ اس لئے آپ کا میلان سلسلہ نقشبندیہ کی طرف تھا۔ مختصر یہ کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ کسی کو از خود طریقہ نقشبندیہ کے حصول کی طرف متوجہ نہیں فرمایا کرتے تھے لیکن یہ شرف حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا کہ مرشد کامل نے خلاف عادت چند روز خانقاہ میں قیام کیلئے ارشاد فرمایا۔ حضرت مجدد نے ایک ہفتہ قیام کا وعدہ کیا لیکن رفتہ رفتہ ایک ماہ دو ہفتہ قیام کی نوبت پہنچ گئی۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کشش محسوس کی اور آپ پر شوق انابت اور طریقۂ خواجگان کے حصول کا غلبہ ہوا تو

آپ نے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بجز دعرض خلوت میں طلب فرما کر مرید کیا۔ ذکر قلبی تعلیم فرمایا۔ حضرت مجدد کا قلب ذاکر ہوا اور تمام فیوض و برکات سلسلہ حاصل ہو گئے۔

چند دن بعد جب حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اندر آثار رشد و ارشاد و استعداد کامل معائنہ کئے تو خلوت میں آپ سے وہ حالات و واقعات بیان فرمائے جو ایک سال قبل پیش آئے تھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "میرے مرشد خواجہ محمد آدم مکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم ہندوستان جاؤ۔ وہاں تم سے اس سلسلۂ شریفہ کا رواج ہوگا تو میں نے از راہ تواضع عرض کی سرکار میں اس کا اہل کہاں ہوں؟ مرشد نے فرمایا استخارہ کرو۔ میں نے استخارہ کیا تو دیکھا کہ

"ایک طوطی شاخ پر بیٹھا ہے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ طوطی اگر میرے ہاتھ پر آ بیٹھے تو مجھے سفر میں کشائش حاصل ہوگی۔ اس خیال کے آتے ہی وہ طوطی میرے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اس نے میرے منہ میں شکر ڈالی"۔

صبح کو یہ واقعہ میں نے مرشد کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے فرمایا:

"یہ طوطی ہندوستان کا ہے تمہارے دامن تربیت سے ایک ایسی ہستی نکلے گی کہ ایک عالم اس کے نور سے منور ہوگا اور تم کو فائدہ ہوگا"۔

میں نے خواب میں ایک بڑا چراغ روشن دیکھا تھا ایسا چراغ جس کی روشنی ساعت بساعت بڑھتی گئی اور لوگوں نے اس سے بہت چراغ روشن کئے۔ جب سرہند آیا تو اس کے قرب و جوار میں بہت سے مشعلیں روشن دیکھیں۔ یہ روشن چراغ بھی تم ہو"۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"شیخ احمد آفتابے است کہ مثل ما ہزاراں ستارہ ہا در سایہ او گم اند"

الغرض حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں رہ کر حضرت مجدد نے تمام منازل ایقان وعرفان طے فرمائے اور اپنے مرشد برحق کے حکم کے مطابق سرہند تشریف لے آئے اور تربیت طالبین وہدیت سالکین میں مشغول ہو گئے۔

اپنے شیخ سے خرقۂ خلافت واناہت حاصل کرنے کے بعد حضرت مجدد نے اپنی زندگی کو دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کیلئے وقف کر دیا۔ ہزاروں کو راہ ہدایت دکھائی اور سینکڑوں کو علم وعرفان کے جام پلائے۔ راہ حق میں آپ کو بادشاہ وقت تک سے ٹکر لینی پڑی اور قلعۂ گوالیار میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت فرمائیں مگر ان مصائب وآلام کے باوجود آپ نے حق کی حمایت اور باطل کی سرکوبی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔

"شہنشاہ اکبر نے اپنی سیاسی مصلحتوں کی بناء پر متحدہ قومیت کے نظریہ کو اپنایا ہندوانہ رسومات واعتقادات کو اسلام میں داخل کر کے ایک نئے مذہب دین الٰہی اکبر شاہی کی بنیاد رکھ دی۔ ظاہر ہے کہ جو برائی ارباب اقتدار کی طرف سے برپا کی جائے وہ بہت جلد پھیل جاتی ہے اکبر اس دنیا سے کوچ کر گیا مگر اس کی پھیلائی ہوئی گمراہیاں بدستور جاری رہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ اسلامی اصول اور اسلامی تہذیب کی جگہ فحاشی، عریانی وبے حیائی وگمراہی رواج پا رہی ہے تو آپ اس کے تدارک کیلئے میدان میں اترے۔ تھوڑے ہی عرصہ کی پرخلوص تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ عوام کے علاوہ امراء سلطنت بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں آ گئے۔ شاہی لشکر میں بھی آپ کا اثر ورسوخ دن بدن بڑھتا گیا۔ جس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ آپ نے حضرت شیخ بدیع الزمان رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا خلیفہ بنا کر لشکر شاہی میں لوگوں کی ہدایت کیلئے مقرر فرمایا۔

یہ زمانہ جہانگیر کے عہد حکومت کا تھا۔ مصاحبوں نے جب دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اثر ورسوخ بڑھ رہا ہے تو انہوں نے شہنشاہ کو بدظن کرنے کی



کوشش شروع کر دی۔

بادشاہوں اور حاکموں کے کان عموماً بہت کچے ہوتے ہیں وہ اپنے جی حضوریوں کے کہنے سننے پر بعض اوقات بلا تحقیق یقین کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے ملک افتراق و انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جہانگیر کے جی حضوری وزیر اعظم آصف جاہ نے ایک دن موقع پا کر دربار جہانگیری میں عرض کی۔

"حضور یہ درویش اپنی چادر سے باہر پاؤں پھیلانے لگا ہے۔ پہلے تو مجدد ہی بنا تھا مگر اب اس کے دماغ میں حکومت کی تمنا چٹکیاں لے رہی ہے۔ اس نے نہ صرف آپ کے قدیم دشمن عبداللہ خاں ازبک سے ساز باز کر رکھی ہے بلکہ اعیان سلطنت سے سازش کر کے لشکر سلطانی کو بھی اپنے زیر اثر لانا شروع کر دیا ہے۔ تاکہ موقع پا کر بغاوت کرا دے"۔

جہانگیر یہ سن کر لال پیلا ہو گیا اور آصف جاہ کے مشورہ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور معتقد امراؤ خاں کو دکن خان خاناں لودھی کو مالوہ۔ سید صدر جہاں کو پورب، خان اعظم کو گجرات اور مہابت خان کو کابل وغیرہ دور دراز ممالک میں صوبیدار بنا کر بھیج دیا اور اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دربار شاہی میں آنے کا پروانہ جاری کیا گیا۔ جب آپ دربار میں پہنچے تو آپ نے سلام شاہی اور سجدۂ تعظیمی نہ کیا۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے آداب شاہی کی طرف متوجہ کیا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے آواز بلند فرمایا کہ

"یہ پیشانی آج تک غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکی"

آصف جاہ کو موقع مل گیا اور شہنشاہ سے کہا کہ آپ نے دیکھا کہ یہ شخص کس قدر سرکش اور باغی ہے؟ قصہ مختصر جی حضوریوں کی سازشوں کی بنا پر جہانگیر نے حضرت مجدد کو قلعۂ گوالیار میں نظر بند کر دیا۔

عوام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو مہابت خاں نے بغاوت کر دی۔ دریائے جہلم پر مہابت خاں اور فوج سلطانی میں جنگ ہوئی اور بادشاہ قید ہوا مگر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں اور تمام متعلقہ افراد کو لکھ دیا کہ میرا مقصد حکومت حاصل کرنا نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس ملک میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو۔ الغرض مہابت خاں نے حکم مرشد کی تعمیل کی اور جہانگیر کو تین دن قید رکھ کر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کے وعدہ پر دوبارہ تخت پر بٹھا دیا۔

اس کے بعد بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے جو جہانگیر کی ہدایت کا موجب بنے۔ جہانگیر سخت بیمار ہوا اور بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ ہر علاج ناکام ہوا۔ ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں کہ "تم نے مجدد وقت کی توہین کی ہے اس لئے عذاب میں مبتلا ہو"۔

اس پر جہانگیر نے فوراً آپ کو رہا کر دیا اور آپ سے ملاقات کی التجا کی۔ حضرت نے چند شرطوں کے ساتھ بادشاہ سے ملاقات کو قبول فرمایا۔ وہ شرائط یہ ہیں۔

"سجدۂ تعظیمی موقف کیا جائے گا۔ گاؤ پرستی کے احکام منسوخ کئے جائیں اور احکام شرع جاری کئے جائیں"۔

وفات

۲۸ صفر ۱۰۳۴ ہجری بروز دوشنبہ یا سہ شنبہ آپ نے ۶۳ برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار سرہند شریف میں زیارت گاہ خاص و عام ہوا۔ ضرورت ہے کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو عام کیا جائے اور ان کی سیرت وصورت سے عوام کو روشناس کرایا جائے۔ مقام مسرت ہے کہ اس سلسلہ میں میرے محب ومحترم و معظم پیر طریقت رہبر شریعت حضرت الحاج میاں جمیل احمد سجادہ نشین شرقپور شریف زید مجدہ بہت ہی خلوص و محبت کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔ دیگر اہل سلسلہ کو بھی تعلیمات مجددیہ کی اشاعت و تبلیغ میں موثر طریقہ پر حصہ لینا چاہیے۔



حمدِ باری تعالیٰ

از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز

اے خدا اے مہرباں مولائے من
اے انیسِ خلوتِ شبہائے من

اے کریم و کارسازِ بے نیاز
دائم الاحساں شہِ بندہ نواز

اے کہ نامت راحتِ جان و دلم
اے کہ فضلِ تو کفیلِ مشکلم

ماخطا آریم تو بخشش کنی
نعرۂ انی غفورٌ مے زنی

اللہ اللہ زیں طرف جرم و خطا
اللہ اللہ زاں طرف رحم و عطا

اے خدا بہرِ جنابِ مصطفیٰ
چار یارِ پاک و آلِ باصفا

پُرکن از مقصد تہی دامانِ ما
از تو پذ رفتن زما کردن دُعا

نعت رسول مقبول ﷺ

از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز

مصطفیٰ نورِ جنابِ امرِ کُن
آفتابِ بُرجِ علمِ مِن لَّدن

معدنِ اسرارِ علام الغیوب
بَرزخِ بحرینِ امکان و وُجوب

بادشاہِ عرشیانِ و فرشیاں
جلوہ گاہِ آفتابِ کُن فکاں

بندگانش حور و غلمان و ملک
چاکرانش سبز پوشانِ فلک

راحتِ دل قامتِ زیبائے او
ہر دو عالم والہ و شیدائے او

جانِ اسمٰعیل بر رُویش فدا
از دعا گویاں خلیل و مجتبیٰ

وصفِ او از قدرتِ انسان و راست
حَاشَ لِلّٰہ ایں ہمہ تفہیم راست

درد و عالم نیست مثل آں شاہ را
در فضیلت ہا و در قربِ خدا

خیبر میں ایک روز

خیبر میں ایک روز رسالت مآب تھے — ظلمت کدہ میں رشک دہِ آفتاب تھے
زانوئے شیرِ حق پہ وہ مصروفِ خواب تھے — بے مثل تھے حضور تو یہ اِنتخاب تھے
تھا اوج پہ ستارہ مگر بُوتراب کا — زانو بنا تھا تکیہ رسالت مآب کا

یہ ہی سماں تھا کہ آفتاب غروب ہونے لگا۔ حضرت شیرِ خدا آنکھ سے دیکھتے رہے آفتاب ڈوب گیا۔ شیرِ خدا نے نمازِ عصر محبوب خدا کی مبارک نیند پر قربان کر دی۔ کچھ دیر بعد

بیدار خواب سے ہوئے محبوبِ کبریا — دیکھا کہ آفتاب ہے مغرب میں جا چھپا
کی عرض شیرِ حق نے کہ اے شاہِ دوسرا — وسطیٰ صلوٰۃِ عصر میری ہوگئی قضا

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اس درخواست پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ عَبْدَكَ عَلِیًّا اِحْتَبَسَ نَفْسَهٗ عَلٰی نَبِیِّكَ فَرُدَّ عَلَیْهِ الشَّمْسَ فَطَلَعَتِ الشَّمْسُ۔ (حجۃ اللہ ص ۲۹۸)

الٰہی علی تیرے نبی کی خدمت میں تھے۔ ان کیلئے سورج کو واپس فرما دے۔
اسی وقت سورج نکل آیا۔

ارض و سما ہیں زیرِ نگیں کیا آفتاب
مرضی جو اُن کی دیکھی تو لوٹ آیا آفتاب

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں۔

خیبر کی چوٹیوں پہ جو دھوپ آ گئی نظر
مشکل کشا نے بہر فریضہ جھکایا سر
لرزاں تھا جسم خوفِ الٰہی کا تھا اثر
فارغ ہوا نماز سے پھر حق کا شیرِ نر
ثابت ہوا مشیتِ پروردگار ہے
اس کے حبیب کو بھی وہی اختیار ہے

اللہ اکبر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے منزل صہبا پر حضور ﷺ کی نیند پر نماز عصر کو قربان کر دیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جان جیسی عزیز کو حضور ﷺ پر نثار کر دیا۔

مولا علی نے واری تیری نیند پہ نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جاں ان پہ دے چکے
اور حفظِ جان تو جان فروض و غرر کی ہے

ان دونوں جلیل القدر اولوالعزم صحابیوں کے فعل سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی بندگی یعنی ان کی خدمت وغلامی بھی خدا ہی کا فرض ہے۔ ان کی اطاعت وفرمانبرداری خدا کی اطاعت وفرمانبرداری ہے اور بندگی مصطفیٰ علیہ السلام تمام فرائض سے اہم واعظم ہے یعنی روزہ نماز حج وزکوٰۃ فرائض فروع ہیں اور ان سب کی اصل غلامی محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

✿......✿......✿

شانِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کروں مدح اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

حضور ﷺ سے محبت

حضور نور مجسم سیّد عالم ﷺ سے محبت وعقیدت ایمان بلکہ ایمان کی جان ہے۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ اپنے ماں باپ اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب نہ جانے نیز فرمایا جن میں یہ تین خوبیاں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت کو پالیں گے اوّل یہ کہ اللہ ورسول کی محبت سب سے زیادہ ہو۔ دوم یہ کہ اللہ کیلئے دوستی اور دشمنی رکھتا ہو۔ سوم یہ کہ کفر وشرک کو اتنا برا جانے جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔ بخاری ومسلم شریف کی حدیث کا مضمون ہے۔ ایک شخص بحضور نبوی حاضر ہوا۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا تو نے اس کیلئے کیا تیاری کی ہے۔ عرض کی

یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا کَثِیْرَ صَلٰوةٍ وَّلَا صَدَقَةٍ اِلَّا اِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ (مسلم)

یارسول اللہ ﷺ میں نے اس کیلئے نہ تو کوئی زیادہ نمازیں پڑھی ہیں اور نہ ہی کوئی صدقہ وخیرات زیادہ کیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول

سے محبت رکھتا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تو قیامت کے دن انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے تو نے محبت کی ہے۔

انبیاء کی ضرورت

علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ غایۃ تجرد اور نہایۃ تقدس میں ہے یعنی رب العزت جل مجدہٗ ایسی ہستی ہے جو کمال کے انتہائی درجہ پر ہے اور انسان نقصان کے انتہائی درجہ پر ہے اس لئے انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی واسطہ کے رب العزت جل مجدہ سے فیض حاصل کر سکے۔ لہٰذا اللہ سے فیض حاصل کرنے کیلئے واسطہ کی ضرورت پڑی مگر وہ واسطہ کیسا ہو؟ لکھتے ہیں۔

لَهٗ وَجْهُ تَجَرُّدٍ وَنَوْعُ تَعَلُّقٍ۔

جس میں ایک وجہ تجرد کی اور دوسری وجہ تعلق کی ہو۔

یعنی تجرد کی جہت سے وہ خداوند قدوس سے فیض حاصل کرے اور تعلق کی جہت سے وہ فیض الٰہی کو انسانوں تک پہنچا دے پس ایسا واسطہ انبیاء کرام ہیں اور ان میں سب سے بڑا اور سب سے ارفع مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ کا ہے۔ علامہ شوکانی کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

وَهٰذَا الْوَاسِطَةُ هُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَاَعْظَمُهُمْ رُتْبَةً وَّاَرْفَعُهُمْ مَنْزِلَةً نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

یہ واسطہ انبیاء کرام ہیں اور ان میں سب سے بڑا رتبہ اور سب سے اونچی منزلت ہمارے نبی کریم ﷺ کی ہے۔

علامہ شوکانی کی اس تحقیق کے پیش نظر یہ بات کھل جاتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت اور انسانیت عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتی۔ وہ اللہ کے بندے

ضرور ہوتے ہیں مگر ان کی بشریت ایسی ہوتی ہے جس کو اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں بیان فرمایا ہے۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

شرح صدر

وہ موسیٰ کلیم اللہ تھے جنہوں نے جناب باری میں شرح صدر کی دعا کی تھی اور ان کے مانگنے پر انہیں یہ دولت ملی تھی اور یہ حضور ہیں اللہ کے محبوب ہیں اور سب کے مطلوب ہیں۔ ان کا اعزاز و اکرام یہ ہے کہ بن مانگے فرمایا جاتا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔

محبوب ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لئے نہیں کھول دیا۔

یہ شرح صدر ہی کا نتیجہ تھا کہ حضور ﷺ کا سینہ علم و معرفت کا سمندر علوم اوّلین وآخرین کا خزانہ۔ صدری انوار و تجلیات کا مخزن اور معارف رحمانیہ کا چشمہ بن گیا۔

شرح صدر کی اسی کیفیت کو خود حضور ﷺ نے یوں بیان فرمایا۔

"میں نے اپنے رب کریم کو بہترین صورت (تجلی) میں دیکھا پھر اس نے اپنا ہاتھ (ید قدرت) میرے سینہ کے درمیان رکھا۔ اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک (اثر) کو میرے قلب نے محسوس کیا۔ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور میں نے اشیائے زمین وآسمان کو جان لیا"۔ (مشکوٰۃ شریف باب المساجد)

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری — حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

النبی الامی

نبی امی ہونا حضور ﷺ کے اعظم خصائص میں سے ہے۔ قرآن مجید نے بھی

حضور سید عالم ﷺ کے اس وصف کا بار بار ذکر فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ الْاُمِّیَّ۔

مومن وہ ہیں جو رسول امی کا اتباع کرتے ہیں۔

حضور حظیرۂ قدس کے متعلم ہیں۔ آپ کو اگر شاگردی کا شرف حاصل ہے تو صرف رب العلمین سے اور کسی سے نہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا نبی امی کے دربار میں عظیم و جلیل فصحا بلغا علما اور فلاسفروں کی جماعتوں کو یہی عرض کرنا پڑتا تھا کہ سرکار ہمارا علم اور آپ کا عرفان قطرہ و قلزم کی مثال بھی نہیں رکھتا۔

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

سبحان اللہ وہ شخص کریم جس نے کسی سے تعلیم نہیں حاصل کی جو ایک ان پڑھ اور جاہل قوم میں مبعوث ہوئے۔ جن کیلئے تعلیم و تعلم کے تمام دنیاوی اسباب مفقود تھے۔ وہ ساری کائنات کے استاد اور دونوں عالم کے دقیقہ دان ہیں۔ دماغ کو روشن ضمیر کو ہموار قلب کو متجلی روح کو منور کر دینے والی تعلیم سے نواز رہے ہیں۔ تہذیب اخلاق تدبر منزل اقتصادیات و عمرانیات کے سبق پڑھا رہے ہیں۔

امی و دقیقہ دانِ عالم
بے سایہ و سائبانِ عالم

الغرض نبی امی ہونا ہمارے رسول کریم ﷺ کا بہت بڑا معجزہ ہے اور تاریخ میں اس بات کا کہیں پتہ نہیں ہے کہ کوئی شخص ایک آن اور ایک لحہ کیلئے بھی آپ کا معلم و استاد بنا ہو۔ صحابۂ کرام میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا درجہ سب سے بڑا ہے اور افضل الخلائق بعد الانبیاء ہونے کا شرف آپ کو ہی حاصل ہے۔ آپ نے جب آفتاب رسالت و مہتاب نبوت کی لمعانیاں دیکھیں تو رہا نہ گیا۔ ایک دن دربار نبوی میں عرض

کردی یا رسول اللہ ﷺ میں دیکھتا ہوں کہ آپ مختلف ممالک کے وفود سے انہیں کی زبان میں گفتگو فرماتے ہیں تو آپ کو کس نے تعلیم دی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ۔

مجھے میرے رب نے تعلیم دی اور بہترین تعلیم دی۔

اللہ اکبر! پڑھنے والے رحمۃ للعلمین ہیں اور پڑھانے والا رب العلمین ہے۔ رحمٰن نے اپنے عبد خاص کو کیا پڑھایا کتنے علوم سینۂ نبوی میں ودیعت رکھ دیئے۔ یہ کون بتا سکتا ہے اور کون ہے جو آپ کے علم ناپیدا کنار کا ادراک کر سکتا ہے۔

ایسا امی کس لئے منت کش استاد ہو
کیا کفایت اس کو اقراء ربک الاکرم نہیں





حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

صفر المظفر

شیخ المشائخ مظہر العلوم الخفی والجلی، مخدوم الاولیاء ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب

ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے، ہجویری اور جلاب غزنین کے دو گاؤں ہیں، شروع میں ان کا قیام یہیں رہا۔ اس لئے ہجویری اور جلابی کہلائے، آخری زندگی میں لاہور آ کر رہے، اس لئے لاہوری بھی مشہور ہوئے، سال ولادت ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، علی بن سیّد عثمان بن سیّد علی بن سیّد عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابو الحسن علی بن حسن اصغر ابن سیّد زید شہید بن امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

تعلیم

تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں، کشف المحجوب میں اپنے اساتذہ میں حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانی کا نام لیا ہے، جن کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اپنے عہد کے امام یکتا اور اپنے طریق میں یگانہ تھے، علم اصول وفروع میں امام اور معانی میں بلند تھے، بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا اور اکابر واجلۂ اہل تصوف میں تھے، اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے، مغلق عبارت ان کے ساتھ مخصوص تھی، جاہلوں کے

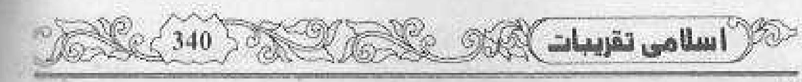
گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کی، لیکن تقلید میں جو عبارتیں لکھی گئیں، وہ پراگندہ ہوتی تھیں، مجھ کو ان سے بڑا انس تھا، اور وہ میرے ساتھ سچی محبت کرتے تھے، بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے، جب تک میں ان کے پاس رہا، کسی کو ان سے زیادہ شریعت کا احترام کرتے نہ دیکھا، تمام موجودات سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے، امام محقق کے سوا ان کو کسی سے فائدہ نہ پہنچتا تھا، علم اصول میں ان کی عبارت بہت دقیق ہوتی تھی، ان کی طبیعت ہمیشہ دنیا وعقبیٰ سے متنفر رہتی تھی اور برابر شور کرتے کہ اَشْتَهِیْ عَدَمًا لَا وَجُوْدَلَهٗ "یعنی میں اس عدم کو چاہتا ہوں جس کا وجود نہیں"۔ اور فارسی میں کہتے، ہر آدمی را بایست محال باشد ومرا نیز بایستنی محال است کہ بے یقین دانم کہ آں بناشد۔ اور وہ یہ ہے، کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو اس عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو، مقامات اور کرامات محض حجاب وبلا ہیں، آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو دیدار کی آرزو کی نیستی حجابات کے آرام سے بہتر ہے، صرف حق جلالہٗ کی ہستی ہے کہ اس کیلئے عدم نہیں ہے، اس کے ملک کا کیا نقصان اگر میں نیست ہو جاؤں اور اس نیست کی کوئی ہستی نہ ہو اور یہی صحت فنا کا اصلی قوا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(کشف المحجوب باب دوازدہم قلمی نسخہ دار المصنفین)

حضرت شیخ ابوالعباس اشقانی کا ذکر ایک اور جگہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک روز شیخ کے پاس آیا تو دیکھا کہ یہ کہتے ہیں، ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ "یعنی اللہ نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو اور روتے ہیں اور پھر نعرہ لگاتے ہیں، پوچھا کہ اے شیخ یہ کیا حال ہے، تو فرمایا کہ گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں، لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں۔

(ایضاً نیز دیکھو نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین)

اپنے ایک اور استاد شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصیدلانی کا ذکر کرتے ہوئے



رقم طراز ہیں۔

''وہ رؤسائے متصوف میں تھے' تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی' حسین بن منصور سے بہت محبت کرتے تھے' میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھیں''۔

(کشف المحجوب)

نفحات الانس میں ہے کہ شیخ ابو جعفر محمد بغداد کے رہنے والے تھے' حضرت جنید ابوالعباس کے ہمعصر تھے' مکہ میں مجاوری کرتے' مصر میں وفات پائی' ان کی قبر زقاق مصری کے پہلو میں ہے۔

شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ کیا' اور گو ان کے نام کے ساتھ ''استاذ'' برابر لکھتے ہیں' لیکن واضح طور پر کہیں یہ ظاہر نہیں کیا ہے کہ ان سے شاگردی کا بھی رشتہ ہے' مگر ان کے علم اور ان کی تصانیف کی تعریف کی ہے اور ان کے ایسے اقوال بھی نقل کئے ہیں جو ان کی زبان سے خود سنے۔

شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے' ان کو اپنے زمانہ کا قطب اور علم وفن میں بے نظیر اور بے عدیل بتایا ہے' لکھتے ہیں کہ تمام لوگوں کے دلوں کا منہ ان کی درگاہ کی طرف تھا' طلبہ ان پر پورا اعتقاد رکھتے' مریدین کے واقعات کے کشف میں وہ ایک آیت کی حیثیت سے تھے' اور اپنا ذاتی واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز اپنی باطنی کیفیت ان سے بیان کر رہا تھا' تو وہ بڑی عاجزی سے اس کو سن رہے تھے' میں اپنی نوجوانی کے نخوت وغرور میں سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ابھی کوچہ معرفت سے نہیں گزرے ہیں' اسی لئے عاجزی دکھا رہے ہیں' انہوں نے میرے دل کی بات معلوم کرلی' اور فرمایا میرے باپ کے دوست! میری یہ عاجزی تیرے لئے ہے' تیرے حال کیلئے نہیں ہے' حال کا بدلنے والا محال کے محل پر آتا ہے' میں یہ سن کر بے تاب ہو گیا' آخر میں رقمطراز ہیں کہ اس کے بعد انہوں نے مجھ کو بہت سے اسرار

بتائے' اگر ان کے ظاہر کرنے میں مشغول ہوں' تو اصلی مقصد سے باز رہوں۔

ائمہ متاخرین میں ابوالعباس احمد بن القصاب سے بھی متاثر تھے' ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ماوراء النہر میں اپنے علوے حال' صدقت فراست' کثرت برہان وکرامت علم تصوف واصول اور نیک سیرت کیلئے مشہور تھے' وہ امی تھے' لیکن اصول دین اور دقائق توحید کو لوگ ان ہی سے معلوم کرتے' ان کی ایک کرامت کا ذکر کر کے ان کے کچھ اقوال بھی نقل کئے ہیں۔

انہوں نے ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف بالداستانی' ابوسعید فضل اللہ بن محمد اور ابواحمد بن احمد بن حمد کا ذکر خاص طور سے لطف ولذت کے ساتھ کیا ہے' ان کی تصانیف وتعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں' خواجہ ابواحمد المظفر کی تعلیمات فنا وبقا اور مجاہدہ ومشاہدہ سے متاثر تھے اور ان کی صحبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز ان کے پاس سخت گرمی کے موسم میں الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ پہنچا' انہوں نے یہ دیکھا کر پوچھا کیا چاہتے ہو' عرض کیا' سماع' انہوں نے فوراً قوال کو بلایا اور جب مجلسِ سماع شروع ہوئی تو مجھ پر بڑی بیقراری طاری رہی' اور جب میرا جوش وخروش ختم ہوا تو پوچھا کہ سماع کا مزہ کیسا رہا' عرض کیا اے شیخ میرے لئے تو بہت اچھا تھا' فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تمہارے لئے یکساں ہو جائے گی' سماع میں قوت اس وقت تک ہے' جب تک مشاہدہ نہیں ہوتا اور جب مشاہدہ ہو جائے گا' شوق سماع جاتا رہے گا' لیکن خیال رکھو کہ یہ عادت جز وطبیعت نہ بن جائے۔

(کشف المحجوب قلمی نسخہ دار المصنفین ذکر ائمہ متاخرین)

تعلیم وطریقت

باطنی وروحانی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی جو جنیدیہ سلسلہ میں منسلک تھے' ان کے حال میں لکھتے ہیں۔

''اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے' میری اقتدائے طریقت ان ہی سے ہوئی' علم تفسیر و روایات کے عالم تھے اور تصوف میں مذہب جنید کے پابند اور حصری کے مرید تھے' سیروانی کے دوست اور ابو عمر قزوینی اور ابوالحسن بن سالبہ کے معاصر تھے' ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ نشیں ہو کر لوگوں سے دور رہے' قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا' اچھی عمر پائی' ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں تھیں' لباس اور آثار ظاہری متصوفین کے نہ تھے' ظاہری رسم کی پابندی کرنے والوں کی مخالفت شدت سے کرتے تھے' ان سے زیادہ کسی کو پُر رعب نہیں دیکھا''۔

وہ حضرت شیخ ابوالحسن علی حصری کے مرید تھے۔ جن کو حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت تھی اور شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی' اس طرح شیخ ابوالحسن ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جنیدیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں' اپنے مرشد کے اوصاف کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ ایک روز میں ان کا ہاتھ دھلا رہا تھا' تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جب تمام کام تقدیر کے مطابق پاتے ہیں' تو پھر ایک آزاد آدمی اپنے کو کرامت کی امید پر کیوں کسی پیر کا غلام بنائے' مرشد کو میرے دل کی یہ بات معلوم ہوگئی اور انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے جو تم سوچ رہے ہو' وہ مجھ کو معلوم ہوگیا' مان لو کہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ایک سبب سے ہوتا ہے' جب وہ چاہتا ہے کہ سپاہی بچہ کو بادشاہت دے تو اس کو توبہ کی توفیق دیتا اور کسی دوست کو خدمت میں مشغول کرتا ہے اور وہ خدمت اس کی کرامت کا سبب بن جاتی ہے' اسی طرح کی اور باتیں روز ظاہر ہوتی ہیں۔

مرشد کا وصال مرید کے زانو ہی پر ہوا' تحریر فرماتے ہیں۔

''جس روز آپ کی وفات ہوئی' آپ بیت الجن میں تھے' یہ گاؤں ایک گھاٹی پر دمشق اور مانیاز رکے درمیان ہے' اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا میرے دل کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی' میں نے اس کا اظہار ایک دوست سے کیا' جیسا کہ عام لوگوں

کی عادت ہوتی ہے' آپ نے مجھ سے کہا اے بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں' اگر تم اپنے کو اس کے مطابق درست کرلو تو تمام تکلیفوں سے تم کو رہائی ہو جائے' تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بُروں کو پیدا کرتا ہے' مگر اس کے فعل سے دشمنی کرنا نہیں چاہیے اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینا چاہیے' سوائے اس کے وصیت کا سلسلہ دراز نہیں کیا اور جان بحق ہوئے''۔ (کشف المحجوب ذکر ائمہ متاخرین)

سیاحت

روحانی کسب و کمال کیلئے تمام اسلامی ممالک شام' عراق' بغداد' پارس' آستا' آذربائیجان' طبرستان' خوزستان کرمان' خراسان' ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے' خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے' جن میں شیخ محمد زکی بن العلاء' شیخ القاسم سدی' شیخ الشیوخ ابوالحسن ابن سالبہ' شیخ ابواسحٰق بن شہریار' شیخ ابوالحسن علی بن بکران' شیخ ابو عبداللہ جنیدی' شیخ ابوطاہر مکشوف' شیخ احمد ابن شیخ خرقانی' خواجہ علی بن الحسین السیر کانی' شیخ مجتہد ابوالعباس دامغانی' خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجودینی' خواجہ رشید مظفر ابن شیخ ابو سعید' خواجہ شیخ احمد جمادی سرخسی اور شیخ احمد نجار سمرقندی سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔

منازل سلوک کے طے کرنے میں جو مجاہدے کئے ان میں ایک عجیب و غریب واقعہ خود ہی بیان کیا ہے' کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابویزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا' ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا' مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا جو ایک بار وہیں حاصل ہو چکا تھا' آخر میں وہاں سے اٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا' ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی' میں اس جماعت کی نظر میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا' ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے' اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا' انہوں نے مجھ کو ٹھہرنے کیلئے ایک کوٹھا دیا اور وہ خود اونچے

کو ٹھے پر ٹھہرے' کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی اور خود اچھا کھانا کھایا' کھانے کے بعد تمسخر سے خربوزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے' اور طنز کی باتیں کرتے تھے' مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے' اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا' یہاں تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا' جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا' اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔

(کشف المحجوب باب ششم ذکر ملامت)

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ موذن کے روضہ کے سرہانے سو رہا تھا کہ خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر ﷺ باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں اور ایک بوڑھے آدمی کو گود میں لئے ہوئے ہیں' جیسے کوئی کسی بچہ کو لئے ہوئے ہو' میں نے آگے بڑھ کر قدم چومے اور حیران تھا کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون ہے' آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا' اور فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے' یعنی ابو حنیفہ' اس خواب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ گو جسمانی طور پر فانی ہو چکے ہیں' مگر احکام شرعی کیلئے باقی اور قائم ہیں اور ان کے حامل پیغمبر ﷺ ہیں۔ (کشف المحجوب' ذکر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ)

عراق میں تھے تو خود ان کا قول ہے کہ دنیا حاصل کر کے لٹا رہے تھے' جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی' ان کی طرف رجوع کرتا' ایسے لوگوں کی خواہش پوری کرنے میں مقروض ہو گئے' ایک شیخ نے ان کو لکھ بھیجا کہ اے فرزند! کہیں اس قسم کی مشغولت میں خدا کی مشغولت سے دور نہ ہو جاؤ' اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے' اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کا دل تم سے بہتر ہو' تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو' تمام لوگوں کیلئے دل پریشان نہ رکھو' کیونکہ اللہ خود ہی اپنے بندوں کیلئے کافی ہے' اس پند و موعظت سے ان کو قلبی سکون حاصل ہوا' اور خود اپنی کتاب کشف المحجوب میں بھی اس کی تعلیم دی ہے' چنانچہ

فرماتے ہیں کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا بلا سے چھوٹ جانا ہے' ایک انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے' تا کہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے۔

(ایضا تیسری فصل)

مخلوق سے انقطاع تعلق کے باوجود ان کا بیان ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل سفر میں رہے' لیکن کبھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی اور ہر جمعہ کو نماز کیلئے کسی قصبہ میں قیام فرمایا۔ کشف المحجوب میں ذکر صلوٰۃ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"وعبادت آنجا کہ می خواہی می کن ومشائخ رحمہم اللہ حق آداب آں نگاہداشتہ اند مریداں وابداں فرمودہ اند کہ میگوید از ایشاں کہ چہل سال سفر کردم ہیچ نمازم از جماعت خالی نبود وہر آدینہ بقصبہ بودم"۔

خاکسار مؤلف کا خیال ہے کہ حضرت ہجویری نے ان سطور میں خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے۔

اپنے مرشد ہی کی طرح صوفیوں کے ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے' ان ظاہری رسوم کو معصیت وریا کہتے تھے اور ان کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے' چنانچہ اس حدیث (من کان منکم یومن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم) کو لکھ کر خداوند تعالیٰ سے اپنے لئے اسی کی توفیق عطا کرنے کی دعا کی ہے' یعنی جب کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو مقام تہمت میں کھڑا نہ ہونا چاہیے۔ (ذکر الفرق بین المقام والحال)

ازدواجی زندگی

تعلق زناشوئی سے پاک رہے' کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا' مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا اور قریب تھا کہ ان کا دین تباہ ہو جائے' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنہ سے ان کو

بچالیا۔ (کشف المحجوب کی اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو)

''من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود' ہم تقدیر کرد' تابفتنہ اندر افتادم' ظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد کہ امن کردند بے آنکہ رویت بودہ بود ایک سال مستغرق آں بودم' چنانچہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بیچارہ من فرستادند بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت''۔

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق وہم قاصد تیار عشق
جبینش آشکار اسرار عشق

ان کے مزار کو سلطان مسعود غزنوی کے جانشین سلطان ابراہیم غزنوی نے تعمیر کرایا۔

تصانیف

کشف المحجوب کے علاوہ ان کی تصنیفات میں حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

(۱) منہاج الدین' اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھتے تھے' بقریحیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں۔ (۲) کتاب الفنا والبقا (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایۃ لحقوق اللہ۔

شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے' کشف المحجوب میں اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے' ان کی تحریر سے ان کی دو اور کتابوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔

''پیش ازیں اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام''۔

''من اندر بیان ایں (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ''۔

لیکن ان کتابوں میں اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے' ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے' جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے' فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے' حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا۔ (ورد نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار نسخہ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم نظام المشائخ دہلی) میں نے اس کو مخدومی المحترم جناب عبدالماجد دریابادی کی کتاب تصوف اسلام سے لیا ہے۔ جنہوں نے کشف المحجوب اور اس کے مصنف پر ایک سیر حاصل مقالہ لکھا ہے۔

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں جابجا اس کتاب کا ذکر فرماتے ہیں' حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے' ملا جامی راقم طراز ہیں۔

''کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہور دریں فن است و لطائف و حقائق دراں کتاب جمع کردہ است''۔ (نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین)

دارا شکوہ لکھتا ہے۔

''حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ را تصنیف بسیار است' کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را بر آں سخن نیست' و مرشدی است کامل' در کتب تصوف بخوبی آں در زباں فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ''۔ (سفینۃ الاولیاء ص: ۲۸۲)

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے' جو تصوف کے رموز و اشارات کو حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے سمجھنا چاہتے ہیں' اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے' جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے' اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان

میں پیش کیا گیا ہے اس لئے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کیے جاتے ہیں۔

علم

کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے' اس باب میں پانچ فصلیں ہیں شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعے ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے' اور یہ اسی وقت ممکن ہے' جب وہ اپنے علم پر بھی عمل کرتا ہو' پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) علم خداوند تعالیٰ (۲) علم خلق اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم ایسا ہونا چاہیے کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو' اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایک اصولی یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کیلئے صحیح نیت رکھنا۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ' علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے' علم حقیقت کے تین ارکان ہیں۔ (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں' اس کا کوئی مثل نہیں (۲) خداوند تعالیٰ کے صفات کا علم' یعنی وہ عالم ہے' اور ہر چیز کو جانتا ہے' دیکھتا ہے اور سنتا ہے (۳) خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم' وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے۔

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع امت۔
پہلا گویا خدا کا علم ہے' اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم' حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی

کوشش کی ہے کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں' اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں' اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے' شیخ نے دونوں علموں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہے۔

فقر

دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے' اس میں تین فصلیں ہیں۔
پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے اور فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو' اور اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے' نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے مال دار ہو جائے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے' یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو' بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو' کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا' اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا' اور اسرار منکشف ہوں گے' وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا جاتا ہے' اتنا ہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے اور رضائے الٰہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے' ایک فقیر کا کمال فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔
دوسری فصل میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے' بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا فقر سے افضل ہے' ان کی دلیل خود غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے' فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے

درمیان مشترک ہو ضرور پائی جائے گی اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے، جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا روا نہیں۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے، مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لئے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں، غنی خدا کے منجملہ ناموں کے ایک نام ہے، یہ اسی کیلئے زیبا ہے، بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہو سکتا، بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے، مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے، خلق کے غنا میں حدوث و تغیرات ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے ماوراء ہے اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں، وجود بشری کو حاجت لازمی ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے، اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے غناء کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، جو ایک بندہ کیلئے کسی طرح سزاوار نہیں۔

مگر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال نہیں، الغنی من اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے، جس کو خدا غنی کر دے، اس لئے غنی باللہ فاعل ہے اور "من اغناہ اللہ مفعول ہے"۔ فاعل بذات خود قائم ہے اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے، اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے تو یہ اس کیلئے نعمت ضرور ہے، مگر اس نعمت میں، غفلت اسی طرح آفت ہے، جس طرح فقر میں حرص، اس لئے بندہ اگر غنی ہے، تو اس کو غافل نہ ہونا چاہیے، اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہیے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لئے فقر غنا سے بہتر ہے اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے، تو فقر و غنا کے دونوں نام اس کیلئے

بے معنی ہو جاتے ہیں۔

تیسری فصل میں فقر اور فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے، مثلاً حضرت رویم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدوں کو محفوظ رکھے اور اس کا نفس آفت سے مصئون ہو اور وہ فرائض کا پابند ہو، شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گزرے اس کو ظاہر نہ کرے اور جس کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں اور نہ اسرار کو غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے اور ہونے کے وقت خرچ کرے اور خرچ کیلئے بے چین ہو، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے کیونکہ محبت خلعت قبول نہیں کرتا، اس لئے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے، اس کو وہ دوسروں کو دے کر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے، دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا منتظر نہیں رہتا اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے، اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہیں ملتا، اس لئے اس کو ترک کر دیتا ہے۔

صوفی کی اصلیت

تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس میں بھی تین فصلیں ہیں۔

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لئے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صوف

اوّل میں رہتا ہے، اس لئے اس نام سے پکارا جاتا ہے، تیسرے کا خیال ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے، اسی طرح اور توجیہات ہیں مگر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت آفتوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے، اور حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک و صاف ہو، کیونکہ تصوف باب تفعل سے ہے، جس کا خاصہ تکلف ہے، یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں۔

اہل تصوف کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) صوفی جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ (۲) متصوف جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے۔ (۳) متصوف جو محض مال و منال اور جاہ و حشمت کیلئے اپنے کو مثل صوفی کے بنالیتا ہے۔

پس صوفی صاحب وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) اور تصوف صاحب وصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور متصوف صاحب فضول ہوتا ہے۔

دوسری فصل میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کئے ہیں۔ جن سے ان کے مذکورہ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت حسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے، اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو، اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہاں تک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وہ صف اوّل اور درجۂ اولیٰ میں پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح یہ کی ہے کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے، کیونکہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے اور موافقت مخالف کی ضد ہے اور جب مراد ایک ہوتی ہے تو مخالفت نہیں ہوتی ہے، اس لئے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عزوجل کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے۔ حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح کر کے بتایا ہے کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا۔ اسی طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا۔

تصوف

اس بحث میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے، یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہو، رضا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہو، صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا ہو، اشارت حضرت زکریا علیہ السلام کے ہوں، غربت حضرت یحیٰی علیہ السلام کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہو، لباس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہو اور فقر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

تیسری فصل میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک اخلاص و اخلاق کا نام ہے، علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا، رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ صرف مجاہدہ سے، اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا۔ (۲) بڑوں کی عزت کرنا اور

چھوٹوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا' اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا۔ (۳) نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا۔

صوفی کا لباس

چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں میں بحث کی ہے' صوفی سنت رسول کی پیروی میں کمبل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے' جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے' مگر گدڑی پہننے کیلئے شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں' گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہیے' اس کے باوجود وہ خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے' جب اس کو مشائخ پہنائیں' اس کیلئے ضروری ہے کہ مؤخر الذکر اوّل الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لیں' اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں' خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلاتمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو اور اس کی خدمت اپنے لئے واجب سمجھتا ہو' مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو' خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبیٰ کے مزے ترک کر دیتا ہوں' اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو' دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو' اس سے تمام غم دور ہوں' اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو' جب یہ تینوں شرطیں پوری ہو جائیں تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے' گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے' جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

ملامت

چھٹا باب ملامت پر ہے' حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے اور اس کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات میں درست ہو' پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو' لیکن وہ اس کی مطلق پروانہ کرتا ہو' مثلاً ابو طاہر حرمی ایک بار بازار میں جا رہے تھے' ایک شخص نے ان سے کہا" اے پیر زندیق' کہاں جاتا ہے' ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا' مگر انہوں نے روک دیا اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے' جن میں ان کو کسی میں شیخ ذکی' کسی میں شیخ زاہد' کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا' اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے مگر یہ سب اسم نہیں ہیں' القاب ہیں' کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کیلئے جھگڑا کیوں کیا جائے۔

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے' مثلاً ابو یزید رمضان کے مہینے میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے' تو لوگوں نے بہت اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا' اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے' انہوں نے اسی وقت آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا لوگوں نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کو ملامت کرنے لگے اور ان سے برگشتہ ہو گئے' ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے قصداً ایسا کیا تا کہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں۔

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریا کاری سمجھتا ہو' یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو' جو شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح نہیں۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ علامت عاشقوں کے لئے ایک تر و تازہ باغ' دوستوں کیلئے مایہ تفریح' مشاقوں کیلئے راحت اور مریدوں کیلئے سرور ہے' حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا

کہ آپ کبھی اپنی مراد کو بھی پہنچے تو انہوں نے کہا کہ ہاں دو بار' ایک مرتبہ میں کشتی میں بیٹھا ہوا تھا' مجھ کو کسی نے نہیں پہچانا تا' اس وقت میں پرانے اور پھٹے کپڑے پہنے ہوئے تھا' سر کے بال بڑھے ہوئے تھے' میری حالت دیکھ کر کشتی والے مجھ پر ہنستے تھے' جو شخص آتا میرے سر کے بال پکڑ کر کھینچتا' اور تمسخر کرتا' اس وقت میری مراد حاصل ہو رہی تھی' اور میں اس لباس میں خوش ہو رہا تھا' مگر ایک روز یہ خوشی ختم ہو گئی' کیونکہ اس روز ایک مسخرہ اٹھا اور اس نے میرے اوپر پیشاب کر دیا اور مجھ کو وہ لباس اتارنا پڑا' دوسری بار میری مراد اس طرح پوری ہوئی کہ ایک روز سخت بارش ہو رہی تھی' جاڑے کا زمانہ تھا' ایک گاؤں میں پہنچا' میرا جبہ بھیگ گیا تھا' ایک مسجد میں گیا' وہاں کسی نے مجھ کو ٹھہرنے نہیں دیا' سردی سے پریشان ہو کر میں ایک حمام کی بھٹی میں گھس گیا' اور دامن سمیٹ کر آگ کی طرف بیٹھ گیا' اس کے دھوئیں سے میرے کپڑے اور میرا منہ کالا ہو گیا' اس وقت میں اپنی مراد کو پہنچا۔

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ عظام' اہل بیت' اہل الصفہ' تبع تابعین ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے۔

چودھواں باب نہایت اہم ہے' اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں' تفصیل غالباً نامناسب نہ ہوگی۔

رضا

پہلا فرقہ محاسبیہ ہے' جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب ہے' حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات میں سے نہیں' بلکہ احوال میں سے ہے' حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ (۱) خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے (۲) بندہ کی رضا خداوند تعالیٰ سے۔

بندہ سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب' نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے' اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں' خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے' یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے' مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف و ہیبت میں ایسی ہی لذت محسوس کرتے ہیں' جیسی اس کے لطف و کرم سے حظ اٹھاتے ہیں' اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے اور وہ محض اس لئے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں' جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پا کر تمام غم و الم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہیں' ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں' یہ معرفت ہے' دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں' وہ دنیا والے ہیں' تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں' یہ رنج ہے' چوتھے احوال و مقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں' یہ محبت ہے۔

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے' اس کے پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں' جو خلق کی ملامت کو تزکیہ نفس کیلئے ضروری سمجھتے ہیں' ملامت پر بحث چھٹے باب میں گزر چکی ہے۔ اس لئے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے۔

سکر و صحو

اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے۔ اوّل الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سروشان البسطامی اور موخر الذکر کے امام ابو القاسم الجنید یہ بن محمد ہیں' پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں' سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے' ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے اور غایت بے خودی میں اس

کا ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتا' اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے' صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے' جس میں جمال محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی' صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے' لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے اور تو وہ کشف ہے' صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے' جب دونوں کی اصل صحیح ہو تو سکر صحو اور صحو سکر ہے' اس جزوی اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں' لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہو' تو دونوں بے فائدہ ہیں' حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے' اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے' لکھتے ہیں کہ مقام صحو مردوں کی جائے فنا ہے۔

عزلت نشینی

پانچواں گروہ نوریہ کا ہے' جس کے پیشوا ابن الحسن بن نوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں' وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں' اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اصحاب صحبت کیلئے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں' ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے اور اگر صحبت کے رسمی ایثار رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے' حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے۔

مجاہدہ وریاضت

(۶) سہلیہ: اس کے امام حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ہیں' ان کی تعلیم اجتہاد (جدوجہد' مشقت) مجاہدۂ نفس اور ریاضت ہے' اجتہاد' مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے' اس لئے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے نفس کی تشریح واضح طور سے کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے' نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے' جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا' وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا' نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے' نفس جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہاد اکبر ہے' حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے' وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہیں' حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے' ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے' مجاہدہ وصل حق کی علت نہیں ہو سکتا' ممکن ہے ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو' پھر بھی حق سے دور ہو اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو' گنہگار ہو' اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو' حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے' تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے' دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ حاصل ہو' مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں' اس رائے کے باوجود حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے' بلکہ اس کو وصل حق کا طریقہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے' اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے' ایک عقل کا' دوسرے نفس کی خواہشوں کا' جو عقل کا تبع ہوتا ہے' وہ ایمان کی طرف جاتا ہے اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے' وہ کفر' گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے' حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ وصل حق کیا چیز ہے' فرمایا ''ہوا کا ترک کرنا'' حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت ہوا کا ترک کرنا ہے' گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ (۱) لذت اور شہوت۔

(۲) جاہ طلبی' اول الذکر کر کے فتنہ سے خلق محفوظ رہتی ہے لیکن موخرالذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے' خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو۔

ولایت و کرامت

(۷) فرقہ حکیمیہ: یہ گروہ حضرت ابوعبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے' اس فرقہ کا مسلک ہے کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے' جو نفس کی حرص آواز سے پاک ہو کر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے' اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے' اس سلسلہ میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے' ان کی صفات یہ ہیں کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ذات خداوندی سے محبت کرتے ہیں' جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں' تو وہ نہیں ہوتے' اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آ جائے گی' معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں' کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا' اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے' حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے' تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے' فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے' مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور مگر اب نہیں ہیں' لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں اور ان کی قسمیں بتائی ہیں۔ (۱) اخیار (۲) ابدال (۳) ابرار (۴) اوتاد (۵) نقباء (۶) قطب یا غوث

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے' لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے اقوال سے

ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو' اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو' وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے' کیونکہ شہرت باعث فساد و رعونت ہے۔

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے' کرامت ولی کا خاصہ ہے' کرامت نہ عقل کی نزدیک محال ہے' نہ اصول شریعت کے خلاف ہے' کرامت محض ''مقدر خداوندی'' ہے' یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے' ابو یزید' ذوالنون مصری اور محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے' اور جو صحو کے حال میں ہو' وہ نبی کا معجزہ ہے' ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے' وہ محجوب رہتا ہے' اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے' تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنید اور ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہم سیاری وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے' ولی خدا کے ملک کا مدبر' واقف کار اور والی ہوتا ہے اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں' اسی لئے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے' مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا' کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہو جاتے ہیں' تو ولی برحق ہوتا ہے اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے۔

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے' پھر دو فصلوں میں بتایا گیا ہے کہ انبیاء اولیاء سے افضل تر ہیں' اولیاء فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

فنا و بقا

(۸) فرقہ خرازی: یہ فرقہ حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے۔ جنہوں نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے' اس لئے اس فصل میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے' لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کی تردید کی ہے' ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا میں حلول کرنا محال ہے' کیونکہ حادث قدیم سے' مصنوع صانع سے' مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہو سکتا' حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات و لذات کو ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علیحدہ ہو جانا ہے کہ پھر محبت و عداوت' قرب و بعد' وصل و فراق اور صحو و سکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہے اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے' اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے' یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے' اس غلبۂ حال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے' حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے۔

غیبت و حضور

(۹) فرقہ خفیفی: یہ فرقہ حضرت ابو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے' اس کا مذہب تصوف "غیبت حضور" ہے۔

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا اور حضور سے مراد اس کا خدا

کے ساتھ رہنا ہے' اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے' یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے' وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے' ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو' اس کی صفات بشری ختم ہو گئی ہوں اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں۔

اس سلسلہ میں صوفیہ کرام نے یہ بحث کی ہے کہ غیبت حضور پر مقدم ہے' یا حضور غیبت پر' ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے' دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے' حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں' کیونکہ غیبت سے مراد حضور ہے' جو اپنے سے غائب نہیں ہے' وہ حق سے حاضر نہیں ہے' اور جو حاضر ہے' وہ غائب ہے' یہ نکتہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے حال سے واضح ہو جاتا ہے' انہوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گزرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے' پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا' اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے' نہ زمین کی اور نہ خود اپنی۔

جمع و تفرقہ

(۱۰) فرقہ سیاریہ: یہ فرقہ ابو عباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے' جو مرو کے امام تھے' ان کی بحث جمع و تفرقہ پر ہے' حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے' مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں' جب سالک خدا کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے تو وہ تفرقہ میں ہے اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے' تو یہ جمع ہے۔ جمع میں بندہ کچھ سنتا ہے' تو خدا سے' کچھ دیکھتا ہے تو خدا کو' کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے' پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے

پہلو میں منفی کر دے کیونکہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور جمع اجتماع ضدین ہیں جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ جس طرح آفتاب سے نور جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہو سکتی ہے اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو اور کبھی موخر مقدم کی حالت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے اور جب مجاہدہ موخر ہوتا ہے تو رنج وکلفت نہیں ہوتی کیونکہ یہ حالت حضوری میں ہوتا ہے حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو لازم و ملزوم اس لئے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ کوشش سے۔

اس کے بعد حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) جمع سلامت و (۲) جمع تکسیر جمع سلامت میں بندہ مغلوب الحال رہتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے میں نگاہ رکھتا ہے مثلاً حضرت ابو یزید بسطامی ابو بکر شبلی اور ابو الحسن حضری رحمۃ اللہ علیہم ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے لیکن نماز کے وقت اپنے حال میں لوٹ جاتے تھے اور جب نماز پڑھ چکتے تھے تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے۔

جمع تکسیر میں بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بیہوش ہو جاتا ہے اور اس کی حالت مجنوں کی سی ہوتی ہے اسی لئے یہ معذور اور اول الذکر مشکور کہلاتے ہیں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکور بندوں کو زیادہ فوقیت دی ہے۔

حلول روح

(۱۱) گیارہواں فرقہ حلولیہ ہے جو ابو حلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے

بارھویں فرقہ کا نام نہیں لیا ہے مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے خدائے تعالیٰ میں بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے کیونکہ روح حادث ہے قدیم نہیں اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں خالق اور مخلوق کی صفت یکساں نہیں ہو سکتی پھر قدیم وحادث اور خالق ومخلوق کی صفت کیونکر ایک دوسرے میں حلول کر سکتی ہے روح محض ایک جسم لطیف ہے جو خدا کے حکم سے قائم ہے اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے اس لئے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے جو کسی طرح تصوف نہیں کیا جا سکتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے لیکن آئندہ ابواب میں تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہیں اور راہ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح اور توضیح ہے معرفت پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے مگر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو وہی دل کو کھولتا ہے اور بند کرتا ہے کشادہ کرتا ہے اور مہر لگاتا ہے عقل اور دلیل معرفت کا ذریعہ ہو سکتی ہے مگر علت نہیں علت صرف اس کی عنایت ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ خدا کو میں نے خدا ہی سے پہچانا اور خدا کے سوا کو اس کے نور سے پہچانا۔

معرفت کیا ہے؟ اس پر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیہ کرام کے اقوال کی

روشنی میں بحث کی ہے' حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو' کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے' جو مقدور سے زیادہ ہو' لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے' پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیوں ہو' حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پیہم لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کر کے اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے' اس کے دل میں خدا کے سوا موجودات اور مثبات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے' جس کے بعد بندہ ظاہری و باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے' شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے' حیرت دو طرح پر ہوتی ہے۔ ایک ہستی میں' دوسرے چگونگی میں' ہستی میں حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے اور چگونگی میں معرفت' کیونکہ خدا کی ہستی میں شک نہیں کیا جا سکتا مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے' اور پھر حیرت' حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات خدا کی طرف سے ہیں' کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے' اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے' ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے' ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے' متحرک اس سے متحرک ہے اور ساکن اس سے ساکن ہے' بندہ کا فعل محض مجازاً ہے' ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے۔

توحید

دوسرا پردہ توحید کا ہے' توحید تین طرح پر ہوتی ہے یعنی (۱) خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی وحدانیت کا علم ہے۔ (۲) خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (۳) بندوں کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے' اور جب سالک کو یہ علم بدرجۂ اتم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے' جو فصل و

وصل کو قبول نہیں کرتا' وہ قدیم ہے اس لئے حادث نہیں' وہ محدود نہیں' جس کیلئے طرفین ہوں' وہ مکین نہیں' جس کیلئے مکان ہو' وہ عرض نہیں' جس کیلئے جوہر ہو' وہ کوئی طبع نہیں کہ جس میں حرکت و سکون ہو' وہ کوئی روح نہیں کہ جو اس کیلئے بدن ہو' وہ کوئی جسم نہیں کہ اس کیلئے اجزا ہوں' وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو' وہ کوئی چیز سے نہیں کہ کوئی چیز اس کا جزو ہو' اس کی ذات وصفات میں کوئی تغیر نہیں' وہ زندہ رہنے والا ہے' وہ جاننے والا ہے' سننے والا ہے' دیکھنے والا ہے' کلام کرنے والا ہے اور باقی رہنے والا ہے' وہ جو کچھ چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور وہی چاہتا ہے جو جانتا ہے' اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے اور بندوں کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں' وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے' وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے۔

ایمان

تیسرا پردہ ایمان کا ہے' اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے' معرفت یا طاعت' ایک گروہ کا اعتقاد یہ ہے کہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کی علت معرفت ہے نہ کہ طاعت اگرچہ طاعت بھی موجود ہے۔ جب تک معرفت نہ ہو طاعت فائدہ نہیں پہنچاتی۔ لیکن جب معرفت موجود ہو اگرچہ طاعت موجود نہ ہو نتیجہ میں وہ نجات پا جائے گا۔ اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ نجات کا حکم تحت مشیت الٰہی ہے کہ اگر وہ چاہے تو وہ اپنے فضل سے درگزر فرمائے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بخش دے یا چاہے تو اس کے جرم کے مطابق سزا دے اور دوزخ میں بھیج دے اس کے بعد بندے کو جنت میں منتقل کر دیا جائے۔ لہٰذا اصحاب معرفت اگرچہ مجرم ہوں بحکم معرفت وہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے اور صرف اہل عمل جو بے معرفت ہیں' جنت میں نہیں آئیں گے اس سے معلوم ہوا کہ طاعت محفوظ رہے گی علت نہیں ہو سکتی۔ ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے اور شوق اور محبت کی علامت طاعت ہے' شوق اور محبت جس قدر

زیادہ ہوتی جائے گی' اسی قدر فرمان الٰہی کی تعظیم بڑھتی جائے گی' یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے جب تک خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو اور حصول معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا اور جسمانی طاعت کی تکلیف اٹھ گئی' بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل' آنکھیں اس کے دیدار کا محل' جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا تو پھر تن کو اس کی طاعت ترک نہ کرنی چاہیے۔

طہارت

چوتھا پردہ طہارت کا ہے' حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) طہارت ظاہر۔ (۲) طہارت باطن۔ طہارت ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے' جس کے بغیر نماز درست نہیں' اور طہارت باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے۔ جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی' باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ سے ہوتی ہے' جو سالک کا پہلا مقام ہے توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا' توبہ کیلئے تین شرطیں ہیں۔ (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو۔ (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو۔ (۳) اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو۔ یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں۔ جب ندامت ہو' اس ندامت کیلئے بھی تین شرطیں ہیں۔ (۱) عقوبت کا خوف ہو۔ (۲) یہ خیال ہو کہ بُرے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں۔ (۳) نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے۔

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔

۱) عذاب کے ڈر سے' اس توبہ کو کہتے ہیں' جو عام بندے کیا کرتے ہیں۔

۲) ثواب کی خواہش سے' یہ انابت ہے' جو اولیاء اللہ کیلئے مخصوص ہے۔

۳) حصول عرفان کیلئے یہ اذابت ہے' جو انبیاء مرسلین کیلئے ہے' آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔

۱) خطاب سے ثواب کی جانب ہو' یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو یہ تو یہ عام ہے۔

۲) صواب سے صواب کی طرف ہو' یہ اہل ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے۔

۳) خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو' یہ محبت کی دلیل ہے۔

نماز

پانچواں حجاب نماز کا ہے' اس میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے' اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں' وضو یعنی جسم کی طہارت توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے' قبلہ رونا ہونا' مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے' قیام نفس کا مجاہدہ ہے' قرأت ذکر ہے' رکوع تواضع ہے' سجدہ نفس کی معرفت ہے' تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے' اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آنا ہے۔

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں' مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے' لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کی تردید کی ہے' ان کے دلائل یہ ہیں کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضور نہ ہوتی' اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا' چنانچہ حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے' جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہیں۔

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے' یا جمع' جن کو نماز میں تفرقہ ہوتا ہے' وہ فرض اور سنت کے سوا نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ رات دن نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کیلئے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے' مگر اس کیلئے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت

ہے اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے' تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے' کیونکہ نفس کی حکومت
تفرقہ سے قائم رہتی ہے' تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت
میں ہو اور روح عالم ملکوت میں' صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں' حضرت
حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت کو اپنی سیدھی
جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہوں' حضرت ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں
میں آکلہ ہو گیا تھا' اطباء نے پاؤں کاٹنا چاہا' مگر وہ راضی نہ ہوئے' ایک روز نماز سے
فارغ ہوئے تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا' ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنگ مارا' مگر
ان کی حالت میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا' وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان سے پوچھا گیا کہ
بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دور کیا' بولیں' خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی'
مردوں کیلئے نماز باجماعت کی تاکید ہر حال میں کی ہے' چنانچہ انہوں نے خود چالیس
برس کی مسلسل سیاحت میں ہر وقت کی نماز جماعت سے ادا کی ہے اور جمعہ کی نماز کسی
قصبہ میں پڑھی جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔

زکوٰۃ

چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے' جو ایمان کا جز ہے' اس سے روگردانی جائز نہیں' سالک کو
زکوٰۃ میں نہ صرف سخی' بلکہ جواد ہونا چاہیے' سخی سخاوت کے وقت اچھے اور برے مال
میں اور اس کی زیادتی اور کمی میں تمیز کرتا ہے' مگر جواد کے ہاں اس قسم کا فرق و امتیاز
نہیں ہوتا۔

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفی کے فقر میں زکوٰۃ کی گنجائش
کہاں؟ مگر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں' ہر شے
کی ہوتی ہے' زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گزاری ہے' تندرستی ایک نعمت ہے' جس کیلئے

زکوٰۃ لازم ہے' اس کی زکوٰۃ سب اعضاء کو عبادت میں مشغول رکھنا ہے' باطن بھی ایک
نعمت ہے' اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے۔

روزہ

ساتواں حجاب روزہ ہے حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سے مراد حواس
خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گزر نہ ہو' بھوک سے بحث کرتے ہوئے
فرمایا ہے کہ اس سے نفس میں فتادگی اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے' اگرچہ بھوک سے
جسم بلا میں مبتلا ہوتا ہے' لیکن دل کی روشنی' جان کی صفائی اور سر کو بقا حاصل ہوتی ہے'
حضرت ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کھاتا ہوں تو اپنے میں
گناہوں کا مادہ پاتا ہوں اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں تو سب طاعتوں کی
اصل پاتا ہوں' حضرت عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ پندرہ روز میں ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے
اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہیں
تناول فرماتے تھے' حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ بھی رمضان المبارک میں کوئی چیز نہیں
کھاتے تھے' حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا' روزانہ گیہوں کاٹنے کے کام پر جایا کرتے
تھے اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی' اس کو فقراء و مساکین کو دے دیا کرتے تھے۔

حج

آٹھواں حجاب حج کا ہے' حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج کیلئے ایک
صوفی کا نکلنا' گناہوں سے توبہ کرنا ہے' کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتوں سے
علیحدہ ہوتا ہے' عرفات میں قیام کرنا' مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا' مزدلفہ جانا نفسانی
مرادوں کو ترک کرنا ہے' خانہ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالیٰ کے جمال با کمال کو دیکھنا
ہے' صفا اور مروہ میں دوڑنا دل کی صفائی اور اس میں مروت حاصل کرنا ہے' منیٰ میں آنا

آرزوؤں کو ساقط کرنا ہے' قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشوں کا ذبح کرنا ہے اور کنکریاں پھینکنا برے ساتھیوں کو دور کرنا ہے' جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں' اس نے گویا حج نہیں کیا۔

مشاہدہ

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حج کو مقام مشاہدہ قرار دیا ہے۔ اس لئے اس بات میں مشاہدہ پر بحث کی ہے' حضرت ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے' یعنی جب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی ہدیث ہو جائے' تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی' حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جس چیز کی طرف دیکھا' خداوند عالم کیلئے دیکھا' یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا' ان دونوں اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ میں ایک گروہ فاعل کو دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے' حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے' دل پر تو انوار الٰہی ہے اس لئے ظاہر اور باطن میں حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے اور یہ دیدار کیفیت ہے' جو ذکر و فکر میں حاصل ہوتی ہے۔

آداب سالک

اس کے بعد مختلف ابواب میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال میں حق کے احکام کا تابع کرتا ہو۔ (۲) بندوں کا حق بھی ادا کرتا ہو۔ (۳) اس کیلئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے' کیونکہ تنہائی اس کیلئے آفت ہے۔ (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ استقبال کرے۔ (۵) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے' یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کیلئے ہو۔ (۶) اس کا کھانا اور

پینا ہماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو اور حلال ہو' وہ دنیاداری کی دعوت قبول نہ کرے۔ (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے' رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے۔ (۸) اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو۔ (۹) خاموش رہے' کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے' لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے۔ (۱۰) کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے۔ (۱۱) تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے' اس کے علاوہ تجرد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے' لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہے تو مجرد رہنا اس کیلئے زینت ہے۔

سماع

آخر میں سماع پر بحث ہے' حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سماع مباح ہے مگر اس کیلئے حسب ذیل شرطیں ہیں' سالک سماع بلاضرورت نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد سنے' تاکہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے' محفل سماع میں مرشد موجود ہو' عوام شریک نہ ہوں' قوال فاسق نہ ہوں۔ سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو۔ طبیعت لہو و لعب کی طرف مائل نہ ہو' اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے' اور یہ کیفیت جاری رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے' وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے' اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے' قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے' محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں' حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا ہے' بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔ (کہا جاتا ہے کہ کشف المحجوب کے ضمیمہ کے طور پر حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ کشف الاسرار کے نام سے بھی لکھا تھا)





امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۵ صفر المظفر

ولادتِ باسعادت

۱۰ شوال ۱۴؍جون ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء بروز ہفتہ بوقت ظہر کو بریلی شریف‘ یو پی‘ انڈیا میں امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے‘ آپ کے والد ماجد غزالی زماں مولانا نقی علی خاں اور جدِ امجد مولانا رضا علی خاں قدس سرہما اپنے دور کے اکابر علماء اور اولیاء میں سے تھے‘ آپ کے آباؤ اجداد قندھار‘ افغانستان سے ہجرت کر کے پہلے لاہور پھر بریلی میں قیام پذیر ہو گئے۔

شجرہ نسب

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نسباً پٹھان مسلکاً حنفی شرباً قادری اور مولداً بریلوی تھے۔ آپ کا شجرہ نسب یوں ہے احمد رضا خان بن نقی علی خان بن رضا علی خان بن کاظم علی خان بن محمد اعظم خان بن محمد سعادت یار خان بن محمد سعید اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہم

حصول علم

فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے تمام مروجہ علوم وفنون اپنے والد ماجد سے پڑھ کر تقریباً چودہ سال کی عمر میں سندِ فضیلت حاصل کی اور مسندِ تدریس وافتاء کو زینت بخشی‘ والد ماجد کے علاوہ حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی‘ علامہ احمد بن زینی دحلان مفتی مکہ

مکرمہ‘ علامہ عبدالرحمٰن مکی‘ علامہ حسین بن صالح مکی اور حضرت مولانا شاہ ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی استفادہ کیا‘ امام احمد رضا خان بریلوی نے کچھ علوم تو اپنے زمانے کے معتبر علماء سے پڑھے‘ باقی علوم خداداد قابلیت کی بناء پر مطالعہ کے ذریعے حل کئے اور نہ صرف پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں محیر العقول مہارت حاصل کی بلکہ ہر فن میں تصانیف بھی یادگار چھوڑیں۔

امام احمد رضا بریلوی ۱۴ رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء کو پورے چودہ سال کی عمر میں علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا‘ اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ اس دن سے آخر عمر تک مسلسل فتویٰ نویسی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ردالمختار علامہ شامی پر پانچ جلدوں میں حاشیہ لکھا‘ قرآن پاک کا مقبول ترجمہ لکھا جو ”کنز الایمان“ کے نام سے معروف ومشہور ہے۔ اور فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدوں کا سرمایہ اُمت مسلمہ کو تحفہ دے گئے۔

تصانیف

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کے خلاف لب کشائی کرنے پر بھرپور تنقید کی‘ سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح (اللہ تعالیٰ جھوٹ ایسے قبیح عیب سے پاک ہے) کے علاوہ امکان کذب کے رد پر پانچ رسالے لکھے‘ اللہ تعالیٰ کو جسم ماننے والوں کے رد میں رسالۂ مبارکہ قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار تحریر کیا۔ دین اسلام کے مخالف‘ قدیم فلاسفہ کے عقائد پر رد کرتے ہوئے مبسوط رسالہ الکلمۃ الملہمۃ رقم فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم‘ صحابہ کرام‘ اہل بیت عظام‘ ائمہ دین مجتہدین اور اولیاء کاملین کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا سخت محاسبہ کیا۔ قادیان میں انگریز کے کاشتہ کردہ پودے کی بیخ کنی کی اور اس کے خلاف متعدد رسائل لکھے۔ مثلاً

1) جزاء الله عدوّه لاباته ختم النبوة
2) قهر الديان على مرتد بقاديان
3) المبين معنى ختم النبيين
4) السوء والعقاب على المسيح الكذاب
5) الجراز الديانى على المرتد القاديانى

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس دور میں پائی جانے والی بدعتوں کے خلاف جہاد کیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے تارو پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ مختصر یہ کہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر ہر محاذ پر جہاد کیا اور تمام عمر اس کام میں صرف کردی۔

عبقری فقیہ

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ مروجہ علوم دینیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، تاریخ، سیرت، معانی، بیان، بدیع، عروض، ریاضی، توقیت، منطق، فلسفہ وغیرہ کے یکتائے زمانہ فاضل تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ طب، علم جفر، تکسیر، زیجات، جبر و مقابلہ، لوگارثم، جیومیٹری، مثلث کروی وغیرہ علوم میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ یہ وہ علوم ہیں جن سے عام طور پر علماء تعلق ہی نہیں رکھتے۔ انہوں نے ۵۵ علوم وفنون میں تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا اور ہر فن میں قیمتی تحقیقات کا اضافہ کیا، غرض یہ کہ ایک فقیہ کیلئے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سب امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھے۔

علوم قرآن

انہوں نے قرآن کریم کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا، قرآن فہمی کیلئے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان پر انہیں گہرا عبور حاصل تھا، شانِ نزول، ناسخ ومنسوخ، تفسیر

بالحدیث، تفسیرِ صحابہ اور استنباطِ احکام کے اصول سے پوری طرح باخبر تھے۔ یہی سبب ہے کہ اگر قرآن پاک کے مختلف تراجم کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے تو ہر انصاف پسند کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ''کنزالایمان'' سب سے بہتر ترجمہ ہے، جس میں شانِ الوہیت کا احترام بھی ملحوظ ہے اور عظمت نبوت ورسالت کا تقدس بھی پیشِ نظر ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہونے کے باوجود عموماً مسائل پر مجتہدانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ پہلے قرآن کریم سے، پھر حدیث شریف سے، پھر سلف صالحین اور اس کے بعد فقہائے متاخرین کے ارشادات سے استدلال اور استناد کرتے ہیں۔

قرآن کریم سے اچھوتا استدلال

حضرت علامہ مولانا محمد وصی احمد محدث سورتی نے ایک استفتاء بھجوایا جس میں سوال یہ تھا کہ کیا مشرقی افق سے سیاہی نمودار ہوتے ہی مغرب کا وقت ہوجاتا ہے؟ یا سیاہی کے بلند ہونے پر مغرب کا وقت ہوگا؟

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ سورج کی ٹکیہ کے شرعی غروب سے بہت پہلے ہی سیاہی مشرقی افق سے کئی گز بلند ہوجاتی ہے۔ اس مسئلے پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اس پر عیان وبیان وبرہان سب شاہد عدل ہیں۔ الحمدللہ! عجائب قرآن منتہی نہیں...... ایک ذرا غور سے نظر کیجئے تو آیہ کریمہ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ کے مطابق رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں چمک رہی ہیں۔

رات یعنی سایۂ زمین کی سیاہی کو حکیم قدیر عز جلالہ دن میں داخل فرماتا ہے، ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی اور دن کو سوادِ مذکور میں لاتا ہے، ابھی ظلمتِ شبینہ موجود ہے کہ عروس خاور نے نقاب اٹھائی''۔

تحریکِ پاکستان کے قافلہ سالار محدث اعظم ہند مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی فرماتے ہیں۔

"علمِ قرآن کا اندازہ صرف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے اس اُردو ترجمہ سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں اور نہ اُردو میں، اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جاسکتا، جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اُردو زبان میں (روح) قرآن ہے"۔

علومِ حدیث

امام احمد رضا علیہ الرحمہ علمِ حدیث اور اس کے متعلقات پر وسیع اور گہری نظر رکھتے تھے۔ طرقِ حدیث، مشکلاتِ حدیث، ناسخ و منسوخ، راجح و مرجوح، طرق تطبیق، وجوہ استدلال اور اسماء رجال یہ سب امور انہیں مستحضر رہتے تھے۔

محدث کچھوچھوی فرماتے ہیں۔

"علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں، ہر وقت پیشِ نظر، اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت از بر، علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تدیل کے جو الفاظ فرما دیتے تھے اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب اور تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا، اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت"۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے ہیں، وہ کسی بھی مسئلے پر طائرانہ نظر ڈالنے کی بجائے بحث وتحقیق کی انتہا کو

پہنچتے ہیں، مسائل کی تنقیح اور تفصیل پر آتے ہیں تو دریا کی روانی اور سمندر کی وسعت کا نقشہ نظر آتا ہے، متقدمین فقہاء کے اقوال مختلفہ میں تطبیق دیتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اختلاف تھا ہی نہیں۔

طُرقِ حدیث

بنگال سے ایک سوال آیا کہ ہمارے علاقے میں ہیضہ، چیچک، قحط سالی وغیرہ آجائے تو لوگ بلا کے دفع کیلئے چاول، گیہوں وغیرہ جمع کر کے پکاتے ہیں، علماء کو بلا کر کھلاتے ہیں اور خود محلے والے بھی کھاتے ہیں۔ کیا یہ طعام ان کیلئے کھانا جائز ہے؟

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ یہ طریقہ اور اہلِ دعوت کیلئے اس طعام کا کھانا جائز ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس کی ہرگز ممانعت نہیں ہے۔ اس دعوے پر ساٹھ حدیثیں بطور دلیل پیش کیں، یہ حدیث بھی پیش کی۔

اَلدَّرَجَاتُ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلٰوۃُ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ بلند کرنے والے امور ہیں سلام کا پھیلانا اور ہر طرح کے لوگوں کو کھانا کھلانا اور رات کو نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔

پھر جو اس کی تخریج کی طرف توجہ ہوئی تو فرمایا کہ یہ حدیث مشہور و مستفیض کا ایک حصہ ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت اپنی شان کے مطابق آپ کے کندھوں کے درمیان رکھا، حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ۔

ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے پہچان لی۔

اب اس حدیث کے حوالے ملاحظہ ہوں۔

❀ رواہ امام الائمۃ ابو حنیفۃ والامام احمد و عبدالرزاق فی

مصنفه والترمذی والطبرانی عن ابن عباس۔

❀ واحمد والطبرانی و ابن مردویه عن معاذ بن جبل۔

❀ وابن خزیمة والدارمی والبغوی و ابن السکن و ابونعیم و ابن بسطة عن عبدالرحمن بن عایش والطبرانی عنه عن صحابی۔

❀ والبزار عن ابن عمر وعن ثوبان۔

❀ والطبرانی عن ابی امامة۔

❀ وابن قانع عن ابی عبیدة بن الجراح۔

❀ والدارقطنی وابوبکر النیسا بوری فی الزیادات عن انس۔

❀ وابو الفرج تعلیقا عن ابی هریرة۔

❀ وابن ابی شیبة مرسلا عن عبدالرحمن بن سابط (رضی اللہ عنہم اجمعین)

آخر میں فرماتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کے طرق کی تفصیلات اور کلمات کا اختلاف اپنی بابرکت کتاب سلطنة المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ میں بیان کیا ہے۔ قلم برداشتہ کسی حدیث کے اتنے مآخذ کا بیان کردینا معمولی بات نہیں۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ رادالقحط والوباء بدعوة الجیران ومواساة الفقراء کے نام سے ماہ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ میں مکمل کیا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تخریجِ احادیث کے آداب پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام الروض البهیج فی آداب التخریج مولوی رحمٰن علی اس رسالۂ مبارکہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اگر اس سے قبل اس فن میں کوئی کتاب نہیں ملتی تو مصنف کو اس فن کا موجد کہہ سکتے ہیں"۔

فنِ اسماء الرجال

ایک سوال پیش ہوا کہ سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اس موضوع پر غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی، معیار الحق میں کلام کرچکے تھے، اس لئے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی اور ۱۳۴ صفحات پر مشتمل رسالہ حاجز البحرین تصنیف فرمایا۔ رسالہ کیا ہے علمِ حدیث اور علماء اسماء الرجال کا بحرِ مواج ہے، اس کا مطالعہ کرتے وقت غیر مقلدین کے شیخ الکل علمِ حدیث میں طفلِ مکتب نظر آتے ہیں، آج تک غیر مقلدین کو علمِ حدیث کے مدعی ہونے کے باوجود اس کا جواب دینے کی جرأت نہیں ہوسکی۔

امام نسائی حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا وہ تیزی کے ساتھ سفر کررہے تھے، شفق غروب ہونے والی تھی کہ اتر کر نمازِ مغرب ادا کی پھر عشاء کی تکبیر اس وقت کہی جب شفق غروب ہوچکی تھی۔ اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دو نمازیں ایک وقت میں جمع نہیں کیں، بلکہ صورۃً اور عملاً جمع کیں۔ یہ بات میاں صاحب کے موقف کے خلاف تھی۔ انہوں نے اس پر اعتراض کیا کہ امام نسائی کی روایت میں ایک راوی ولید بن قاسم ہیں اور ان سے روایت میں خطا ہوتی تھی تقریب میں ہے۔ صَدُوْقٌ يُخْطِئُ۔

اس اعتراض پر امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد وجوہ سے گرفت فرمائی۔

۱) یہ تحریف ہے، امام نسائی نے ولید کا فقط نام ذکر کیا تھا، میاں صاحب نے ازراہِ چالاکی اسی نام اور اسی طبقے کا ایک راوی متعین کرلیا جو امام نسائی کے راویوں میں سے ہے اور جس پر کسی قدر تنقید بھی کی گئی ہے حالانکہ یہ راوی ولید بن قاسم نہیں بلکہ ولید بن مسلم ہیں جو صحیح مسلم کے رجال اور ائمہ ثقات اور حفاظ اعلام میں سے ہیں، ہاں وہ تدلیس کرتے ہیں، لیکن اس کا کیا نقصان کہ اس جگہ وہ صاف حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ فرما رہے ہیں۔

۲) اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وہ ابن قاسم ہی ہیں تاہم وہ مستحق رد نہیں امام احمد نے ان کی توثیق کی ہے' ان سے روایت کی' محدثین کو ان سے حدیث لکھنے کا حکم دیا۔ ابن عدی نے کہا جب وہ کسی ثقہ سے روایت کریں تو ان میں کوئی عیب نہیں ہے۔

۳) صحیح بخاری و مسلم میں کتنے راوی وہ ہیں جن کے بارے میں تقریب میں فرمایا صَدُوْقٌ یُخْطِئُ کیا آپ قسم کھائے بیٹھے ہیں کہ صحیحین کی روایات کو بھی رد کردو گے؟

پھر امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ میں قلم برداشتہ صحیحین کے ۱۳۱ ایسے راویوں کے نام گنوادیے جن کے بارے میں اسماء رجال کی کتابوں میں اَخْطَأَ یا کَثِیْرُ الْخَطَاءِ کے الفاظ وارد ہیں۔

۴) حسان بن حسان بصری' صحیح بخاری کے راوی ہیں ان کے بارے میں تقریب میں ہے صَدُوْقٌ یُخْطِئُ' ان کے بعد حسان بن حسان واسطی کے بارے میں لکھا ابن مندہ نے انہیں وہم کی بنا پر حسان بصری سمجھ لیا حالانکہ حسان واسطی ضعیف ہیں' دیکھئے پہلے حسن بصری کو صَدُوْقٌ یُخْطِئُ کہنے کے باوجود واضح طور پر کہہ دیا کہ وہ ضعیف نہیں ہیں۔

مطالبِ حدیث

مرزائیوں نے حدیث شریف لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر اس طرح استدلال کیا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنایا' اس سے ظاہر ہوا کہ نبی یہود حضرت موسیٰ اور نبی نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام کی قبریں تھیں جن کی عبادت کی جاتی تھی۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مذکور سے استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۱) اَنْبِیَائِھِمْ میں اضافت استغراق کیلئے نہیں ہے حتیٰ کہ اس کا یہ معنی ہو کہ حضرت موسیٰ سے یحییٰ علیہم الصلاۃ والسلام تک ہر نبی کی قبر کو تمام یہود و نصاریٰ نے مسجد بنالیا ہو' یہ یقیناً غلط ہے' اور جب استغراق مراد نہیں تو بعض میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو داخل کر لینا باطل اور مردود ہے۔ یہود و نصاریٰ کا بعض انبیاء کی قبور کریمہ کو مسجد بنا لینا صدق حدیث کیلئے کافی ہے۔

علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ سوال اٹھایا کہ نصاریٰ کے انبیاء کہاں ہیں؟ ان کے نبی تو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے' ان کی قبر نہیں ہے۔ اس سوال کا ایک جواب یہ دیا۔

''انبیاء کی قبروں کو مسجد بنانا عام ہے کہ ابتداءً ہو یا کسی کی پیروی میں' یہودیوں نے ابتداء کی اور عیسائیوں نے ان کی پیروی کی اور اس میں شک نہیں کہ نصاریٰ بت سے ان انبیاء کی قبور کی تعظیم کرتے ہیں جن کی یہودی تعظیم کرتے ہیں''۔ (ترجمہ)

۲) حافظ ابن حجر عسقلانی نے دوسرا جواب یہ دیا کہ اس حدیث میں اقتصار واقع ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہود اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بناتے تھے اور نصاریٰ اپنے صالحین کی قبروں کو۔ صحیح بخاری' حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں قبورِ انبیاء کے بارے میں صرف یہودیوں کا ذکر ہے اور ان کے ساتھ ان کے انبیاء کا ذکر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَاتَلَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ۔

اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔

صحیح بخاری' حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں صرف نصاریٰ کا ذکر تھا ان کے ساتھ صرف صالحین کا ذکر ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر نہیں۔ چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے کہ

اُولٰئِكَ قَوْمٌ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَّصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ۔

نصاریٰ وہ قوم ہے کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں وہ تصویریں بنا لیتے۔

اور صحیح مسلم حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہود و نصاریٰ دونوں کا ذکر تھا اس میں انبیاء اور صالحین دونوں کا ذکر فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَلَا وَمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ۔

خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیتے تھے۔

کسی حدیث کا مطلب اسی وقت واضح ہوتا ہے جب اس کے متعدد طرق کو جمع کر لیا جائے۔

دین کے اصول وقواعد

ایک معتبر فقیہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ دین کے اصول وقواعد کا وسیع علم رکھتا ہو کہ کسی نئے مسئلے کا حکم پورے وثوق کے ساتھ بیان کر سکے' امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ روسر کی شکر ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والے اس بات کی احتیاط نہیں کرتے کہ وہ ہڈیاں پاک ہیں یا ناپاک' حلال جانور کی یا حرام کی۔ اس شکر کا کیا حکم ہے؟ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب سے پہلے دس مقدمات بیان کئے جن میں شرعی اصول وضوابط پیش کئے' ان ہی مقدمات میں ایک ضابطہ' کلیہ واجبۃ الحفظ بیان فرمایا:



فعل فرائض وترک محرمات کو ارضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پروانہ کرے اور اتیانِ مستحب وترکِ غیر اولیٰ پر مدارات خلق ومراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ ونفرت وایذا ووحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔

اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے ان کی حرمت وشناعت نہ ثابت ہو ان میں اپنے ترفع وتنزہ کیلئے خلاف وجدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ایتلاف وموانست کے معارض اور مراد ومحبوب شارع کے مناقض ہیں۔

ہاں وہاں! ہوشیار وگوش دار! کہ یہ وہ نکتۂ جمیلہ وحکمت جلیلہ وکوچہ سلامت وجادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدان خشک واہل تقشف غافل وجاہل ہوتے ہیں وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت ومقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں' خبردار وتحکم گیر' یہ چند سطروں میں علم غزیر وباللہ التوفیق والیہ المصیر''۔

عربی لغات

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ طَفَّ بہ پڑنے کے معنی میں استعمال کیا اور فرمایا حَتّٰى طَفَّ مِنْ جَوَانِبِهَا اس پر امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''مجھے یہ فعل اور اس کا مصدر صحاح' صراح' مختار' قاموس' تاج العروس' مفردات' نہایہ' درنثیر' مجمع البحار اور مصباح میں نہیں ملا۔ ہاں قاموس میں صرف اتنا ہے کہ طف المكوك والاناء وطففه وطفافه وہ چیز جو اس برتن کے کناروں کو بھر دے''۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو عربی زبان پر اس قدر عبور تھا کہ ایک نامانوس لفظ دیکھتے ہی اسے غریب سمجھا اور اس کی غرابت پر لغات کی دس مستند کتابوں کا حوالہ پیش کیا' ان مآخذ میں عربی لغات بھی ہیں اور لغات حدیث بھی۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اکثر وبیشتر تصنیفات کے خطبوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور درود شریف کے ساتھ ساتھ وہ مسئلہ بھی بیان فرما دیتے ہیں جسے بعد ازاں

تفصیلی دلائل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔صرف یہی نہیں بلکہ اکثر رسائل وتصنیفات کا ایسا حسین نام تجویز فرماتے ہیں جس سے نہ صرف واضح طور پر موضوع کی نشان دہی ہوتی ہے بلکہ حروف ابجد کے حساب سے سال تصنیف بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

علامہ ابن کمال باشا نے فقہاء کے سات طبقے بیان کئے جن میں سے تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا ہے' یہ وہ فقہاء ہیں جو اصول وفروع میں اپنے امام کے پابند ہیں اور امام کے غیر منصوص احکام کا استنباط کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ اور تحقیقات جلیلہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مجتہدین کے اسی طبقے میں شامل ہیں۔چنانچہ آپ نے نوٹ کے احکام پر مبسوط رسالہ **کفل الفقیہ الفاھم** میں لکھ کر عرب وعجم کے علماء کرام کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا۔اسی طرح انگریزوں کی ایک کمپنی روسر جانوروں کی ہڈیاں جلا کر ان کی راکھ سے شکر صاف کرتی تھی' یہ ایک نیا مسئلہ تھا جسے آپ نے اصول دینیہ کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔اسی طرح جنس ارض کی تہتر قسمیں علماء متقدمین نے بیان کی تھیں جن میں آپ نے ایک سو سات چیزوں کا اضافہ کیا' اور جن چیزوں سے تیمم نہیں ہو سکتا فقہاء متقدمین نے سینتالیس چیزیں گنوائی تھیں جبکہ آپ نے ان میں تہتر چیزوں کا اضافہ کیا۔فتاویٰ رضویہ جلد اوّل کے بارے میں خود فرماتے ہیں۔

''بظاہر اس (پہلی جلد) میں ۱۱۴ فتویٰ اور ۲۸ رسالے ہیں مگر بحمد اللہ تعالیٰ ہزار ہا مسائل پر مشتمل ہے۔جن میں صد ہا وہ ہیں کہ اس کتاب کے سوا کہیں نہ ملیں گے''۔

حکیم محمد سعید دہلوی' چیئرمین ہمدرد ٹرسٹ' پاکستان رقم طراز ہیں۔

''میرے نزدیک ان کے فتاویٰ کی اہمیت اس لئے نہیں ہے کہ وہ کثیر در کثیر فقہی جزئیات کے مجموعے ہیں بلکہ ان کا خاص امتیاز یہ ہے کہ ان میں تحقیق کا وہ اسلوب و

معیار نظر آتا ہے جس کی جھلکیاں' ہمیں صرف قدیم فقہاء میں نظر آتی ہیں' میرا مطلب ہے کہ قرآنی نصوص اور سنن نبویہ کی تشریح وتعبیر اور ان سے احکام کے استنباط کیلئے قدیم جملہ علوم ووسائل سے کام لیتے تھے اور یہ خصوصیت مولانا کے فتاویٰ میں موجود ہے''۔

علم طب

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ وہ بالغ نظر مفتی ہیں جو احکام شرعیہ معلوم کرنے کیلئے تمام امکانی مآخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ایک ماہر طبیب جب فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرتا ہے تو بیش بہا طبی معلومات دیکھ کر اسے حیرت ہوتی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ کسی مفتی کی تصنیف پڑھ رہا ہے یا ماہر طبیب کی۔

چنانچہ جناب حکیم محمد سعید دہلوی لکھتے ہیں۔

''فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کیلئے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کیلئے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے' اس لئے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں' مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقت نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے' وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں' ان کے تحقیقی اسلوب ومعیار سے دین وطب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے''۔

ذوق شعر وسخن

تحقیقات علمیہ میں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بلند ترین مقام تو اہل علم کے نزدیک مسلم ہی ہے شعر وادب میں بھی وہ قادر الکلام اساتذہ کی صف میں شامل ہیں۔

جامعہ ازہر مصر کے ڈاکٹر محی الدین الوائی نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ علمی موشگافیاں کرنے والا محقق نازک خیال ادیب اور شاعر بھی ہو سکتا ہے!

متنبی ادب عربی کا مسلم اور نامور شاعر ہے وہ کہتا ہے۔

أَزُوْرُهُمْ وَسَوَادُ اللَّيْلِ يَشْفَعُ لِيْ

وَأَنْثَنِيْ وَبَيَاضُ الصُّبْحِ يُغْرِيْ بِيْ

(میں اس حال میں محبوبوں کی زیارت کرتا ہوں کہ رات کی سیاہی میری سفارش کرتی ہے اور اس حال میں لوٹتا ہوں کہ صبح کی سفیدی میرے خلاف برانگیختہ کرتی ہے)

کہتے ہیں کہ یہ شعر متنبی کے اشعار کا امیر ہے کیونکہ اس کے پہلے مصرعے میں پانچ چیزوں کا ذکر ہے اور دوسرے مصرعے میں ان کے مقابل پانچ چیزوں کا اسی ترتیب سے ذکر ہے۔

پہلا مصرع: (۱) زیارت (۲) سیاہی (۳) رات (۴) سفارش کرنا (۵) لی (میرے حق میں)

دوسرا مصرع: (۱) واپسی (۲) سفیدی (۳) صبح (۴) برانگیختہ کرنا (۵) بی (میرے خلاف)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ملاحظہ ہو معنوی بلندی اور پاکیزگی کے ساتھ ساتھ شاعرانہ نقطۂ نظر سے کتنا زوردار ہے! پہلے مصرعے میں بجائے پانچ کے چھ چیزوں کا ذکر ہے اور ان کے مقابل دوسرے مصرعے میں بھی چھ چیزیں ہی مذکور ہیں اور لطف یہ ہے کہ غزل نہیں بلکہ نعت ہے جہاں قدم قدم پر احتیاط لازم ہے۔

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں

سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

پہلا مصرع: (۱) حسن (۲) انگشت (۳) کٹیں (غیر اختیاری عمل تھا) (۴) عورتیں (۵) مصر (۶) 'کٹیں' سے ایک بار کا پتا چلتا ہے۔

دوسرا مصرع: (۱) نام (۲) سر (۳) کٹاتے (اختیاری عمل ہے) (۴) مرد (۵) عرب (۶) 'کٹاتے ہیں' سے استمرار معلوم ہوتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اصنافِ شعر و سخن میں سے حمدِ باری تعالیٰ نعت اور منقبت کو منتخب کیا' قصیدۂ معراجیہ' قصیدۂ نور اور مقبولیتِ عامہ حاصل کرنے والا سلام

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

ایسے ادب پارے پیش کیے۔

ان کی تمام تصانیف کی بنیاد اسلام اور داعیِ اسلام سید الانام ﷺ سے گہری وابستگی پر ہے' اسلامیانِ پاک و ہند کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی عقیدت و محبت تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ بسانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔

دوقومی نظریہ

۱۹۱۹-۲۰ء میں تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات شروع ہوئی۔ پہلی تحریک کا مقصد سلطنتِ عثمانیہ ترکی کی حفاظت اور امداد تھا جبکہ دوسری تحریک کا مقصد ہندوستان کی آزادی کیلئے بائیکاٹ کے ذریعے حکومتِ برطانیہ پر دباؤ ڈالنا بتایا گیا۔ مسٹر گاندھی کمالِ عیاری سے دونوں تحریکوں کا قائد اور امام بن گیا' حالات اس نہج پر پہنچ گئے کہ قریب تھا کہ مسلمان اپنا ملی تشخص کھو کر ہندو مت میں مدغم ہو جائے' اس ماحول میں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے المحجۃ المؤتمنہ اور انفس الفکر ایسے رسائل لکھ کر دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنا دیا اور دلائل سے ثابت کیا کہ ہندو نہ تو مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور نہ ہی وہ مسلمانوں کا امام بن سکتا ہے' ان کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مسلمان انگریزوں کے چنگل سے رہا ہو کر ہندوؤں کے محکوم اور غلام بن کر رہ

جائیں گے۔ اس لئے مسلمانوں کو وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو دونوں سے گلو خلاصی کرائے۔ یہی وہ دو قومی نظریہ تھا جس کی بناء پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا' امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ' خلفاء اور تمام ہم مسلک علماء و مشائخ نے نظریۂ پاکستان کی حمایت کی اور ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس' بنارس کے اجلاس میں متفقہ طور پر قیام پاکستان کے حق میں قراردادیں پاس کی گئیں اور اپیل کی گئی کہ اپنے اپنے علاقوں میں مسلم لیگ کے نمائندوں کو کامیاب کرایا جائے' حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ حضرات حمایت نہ کرتے تو پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی فکر کی بنیاد قرآن و حدیث پر تھی' ان کے نزدیک کسی بھی کافر سے محبت کی گنجائش نہیں ہے خواہ وہ ہندو ہو یا انگریز۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔

"قرآن عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات قطعاً حرام فرمائی' مجوس ہوں خواہ یہود و نصاریٰ ہوں' خواہ ہنود اور سب سے بدتر مرتدانِ عنوان"۔

پٹنہ' عظیم آباد کی ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں ارشاد فرمایا:

"سب کلمہ گو حق پر ہیں' خدا سب سے راضی ہے' سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے' گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے' اس کے معاملے کو دیکھ کر خدا کی رضاء و ناراضی کا حال کھل سکتا ہے۔ یہ کلمات اور ان کے امثال خرافات کو اہل ندوہ کی جو روداد ہے' جو مقال ہے ایسی باتوں سے مالا مال ہے' سب صریح و شدید نکال و عظیم وبال موجب غضب ذی الجلال ہیں"۔

اسرار شریعت و طریقت کا اجالا پھیلا کر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء بروز جمعہ عین اس وقت عبقری اسلام امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی جب مؤذن اذانِ جمعہ میں کہہ رہا تھا حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ..... رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً واسکنہ فی اعلیٰ علیین ونفعنا وجمیع المسلمین بعلومہ ومعارفہ۔



یوم امام المحدثین حضرت علامہ مولانا
ابو محمد سیّد محمد دیدار علی شاہ محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ

۲۲ رجب المرجب

ولادت باسعادت

مرجع الفقہاء والمحدثین مولانا ابو محمد سیّد محمد دیدار علی شاہ ابن سیّد نجف علی ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء بروز پیر محلہ نواب پورہ' الور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے عم مکرم' باخدا بزرگ مولانا سیّد نثار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

"بیٹی! تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو دینِ مصطفوی کو روشن کرے گا اس کا نام دیدار علی رکھنا"۔

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد مشہد سے ہندوستان آئے اور الور میں قیام پذیر ہوئے۔

تعلیم

آپ نے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں الور میں مولانا قمر الدین سے پڑھیں' مولانا کرامت اللہ خاں سے دہلی میں درسی کتابوں اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ فقہ و منطق کی تحصیل مولانا ارشاد حسین رام پوری سے کی' سندِ حدیث مولانا احمد علی محدث

سہارنپوری اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے حاصل کی۔ حضرت شیخ الاسلام پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا وصی احمد محدث سورتی آپ کے ہم درس تھے۔

آپ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے مرید اور خلیفہ تھے' سلسلۂ چشتیہ میں حضرت مولانا سیّد علی حسین کچھوچھوی اور سلسلۂ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز ہوئے۔

حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ اور صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی کے درمیان بڑے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ ایک مرتبہ حضرت صدرالافاضل نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا اور ملاقات کی رغبت دلائی۔ حضرت سیّدالمحدثین نے فرمایا:

''بھائی مجھے ان سے کچھ حجاب سا آتا ہے' وہ پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور سنا ہے' طبیعت سخت ہے''۔

لیکن حضرت صدرالافاضل دوستانہ روابط کی بناء پر بریلی شریف لے ہی گئے' ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا نے عرض کی حضور مزاج کیسے ہیں؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

''بھائی کیا پوچھتے ہو پٹھان ذات ہوں' طبیعت کا سخت ہوں''۔

کشف کی یہ کیفیت دیکھ کر مولانا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' سرِ عقیدت نیاز مندی سے جھکا دیا اس طرح بارگاہِ رضوی سے نہ ٹوٹنے والا تعلق قائم ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے قابلِ صد فخر فرزند مفتیِ اعظم پاکستان مولانا سیّد ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کو تمام کتب فقہ حنفی کی روایت کی اجازت فرمائی اور اجازت و خلافت عطا فرماتے ہوئے تمام اوراد و وظائف کی اجازت فرمائی۔ تکمیل علوم کے بعد ایک سال مدرسہ اشاعت العلوم' رام پور میں رہے۔

۱۳۰۷ھ میں الور میں قوت الاسلام کے نام سے ایک دارالعلوم قائم کیا پھر لاہور تشریف لا کر جامعہ نعمانیہ میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں علامہ مولانا ارشاد حسین رامپوری کے ایماء پر آگرہ میں شاہی مسجد کے خطیب اور مفتی کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں دوبارہ لاہور تشریف لائے اور مسجد وزیر خاں میں خطابت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء میں مرکزی انجمن حزب الاحناف قائم کی اور دارالعلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی جہاں سے سینکڑوں علماء' فضلاء اور مدرسین پیدا ہوئے۔ آج پاکستان کا شاید ہی کوئی شہر یا دیہات ہوگا جہاں دارالعلوم حزب الاحناف کے فارغ التحصیل علماء دینی خدمات انجام نہ دے رہے ہوں۔

حضرت کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں' بے باکی اور حق گوئی آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی' مخالفتوں کے طوفان آپ کے پائے ثبات کو جنبش نہ دے سکے' دنیا کی کوئی طاقت انہیں مرعوب نہ کر سکتی تھی' علم و فضل کے تو گویا سمندر تھے' کسی مسئلے پر گفتگو شروع کرتے تو گھنٹوں بیان جاری رہتا۔ سورۂ فاتحہ کا درس ایک سال میں ختم ہوا۔ آپ کے خلوص و ایثار' زہد و تقویٰ' سادگی اور اخلاقِ عالیہ کے مخالف و موافق سبھی معترف تھے۔ سنیت اور حنفیت کے تحفظ اور فروغ کیلئے آپ نے نہایت اہم خدمات انجام دیں' غازی کشمیر مولانا سیّد ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ صدر جمعیت علماء پاکستان (رحمۃ اللہ علیہ) اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ابوالبرکات سیّد احمد شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور رحمۃ اللہ علیہ آپ ہی کے فضل و کمال کے عکس جمیل ہیں' آپ عربی' اُردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے' آپ کے دیوان پختگی کلام پر شاہد ہیں۔

ہندو پاک میں آپ کی انتھک تدریسی کاوشوں کی بدولت بیشمار تلامذہ نے آپ سے علومِ دینیہ کی تعلیم پائی' آپ کے صاحبزادگان کے علاوہ چند تلامذہ کے نام یہ ہیں۔

۱) مولانا ارشاد علی الوری مرحوم
۲) مولانا رکن الدین الوری نقشبندی
۳) مولانا محمد اسلم جلال آبادی
۴) مولانا عبدالحق ولایتی
۵) مولانا عبدالرحمٰن ولایتی
۶) مولانا سیّد فضل شاہ (پنجابی)
۷) مولانا فیض اللہ خاں ہوتی مردان
۸) مولانا محی الاسلام بہاولپوری
۹) مولانا عبدالقیوم ہزاروی
۱۰) مولانا سیّد منور علی شاہ
۱۱) مولانا محمد رمضان بلوچستانی
۱۲) مولانا غلام محی الدین کاغانی
۱۳) مولانا محمد رمضان لسبیلہ سندھ
۱۴) مولانا شفیق الرحمٰن پشاور
۱۵) فضل حسین، معین الدین پور گجرات
۱۶) مولانا عبدالعزیز، الگوں
۱۷) مولانا زین الدین الوری
۱۸) مولانا عبدالقیوم الوری
۱۹) مولانا عبدالرحیم الوری
۲۰) مولانا عبدالجلیل جالندھری

۲۱) مولانا محمد غوث ملتانی۔
۲۲) مولانا محمد مہر الدین مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔
۲۳) مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ بانی و مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور۔
۲۴) مولانا عبدالعزیز بورے والا۔

آپ نے محققانہ تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، بعض تصانیف کے نام یہ ہیں۔

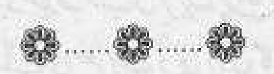
۱) تفسیر میزان الادیان (مقدمہ تفسیر سورۂ فاتحہ)
۲) ہدایۃ الغوی در رد روافض
۳) رسول الکلام
۴) تحقیق المسائل
۵) ہدایۃ الطریق

۶) سلوک قادریہ
۷) علامات وہابیہ
۸) فضائلِ رمضان
۹) فضائلِ شعبان
۱۰) الاستغاثہ من اولیاء اللہ عین الاستغاثہ من اللہ
۱۱) دیوان دیدار علی فارسی
۱۲) دیوان دیدار علی اُردو

۲۲ رجب المرجب ۲۰/ اکتوبر ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء کو اپنے رب کریم کے دربار میں حاضر ہوئے اور جامع مسجد سیّد دیدار علی شاہ اندرون دہلی دروازہ لاہور میں دفن ہوئے، مولانا ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ نے قطعۂ تاریخ وصال کہا جس کا تاریخی شعر یہ ہے۔

حافظ پسِ سرکوبیِ اعداءِ شریعت
"دیدار علی یافتہ دیدارِ علی را"

۵۴ ھ ۱۳



یوم مفتی اعظم پاکستان امام اہلسنّت

خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۸ھ

ہندوستان کی مشہور ریاست الور شریف میں پیدا ہوئے آپ کے والد بزرگوار امام المحدثین سیّد دیدار علی شاہ محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ ممتاز عالم دین اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مکرم کے دارالعلوم قوت الاسلام ریاست الور میں حاصل کی اس وقت دارالعلوم میں مولانا عبدالکریم مولانا ظہور اللہ حضرت پُر دل خان مدرسین تھے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا ارشاد حسین رامپوری، مفتی زین الدین، مولانا افضل خاں، قاضی امراؤ علی، مفتی سعد اللہ خاں، مفتی لطف اللہ خاں رامپوری اور مولانا صوفی عبدالقیوم سے بقیہ درسی کتابیں پڑھیں پھر صدر الافاضل حضرت مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ اہلسنّت و جماعت مرادآباد میں داخلہ لیا اور درس نظامی کی آخری موقوف علیہ کتابیں پڑھیں۔ بعد میں اس دارالعلوم کا نام قبلہ سیّد صاحب کی تحریک پر ۱۳۵۲ ہجری میں جامعہ نعیمیہ رکھا گیا۔ جو ہندوستان میں اہلسنّت کی معروف دینی درس گاہ ہے۔ سنیوں کے تاریخی رسالہ السواد الاعظم مرادآباد کا پہلا شمارہ آپ ہی کی نگرانی و نظامت میں شائع ہوا۔ پھر آپ نے اپنے والد مکرم کے پاس آگرہ میں دورۂ حدیث کی کتابیں مکرر پڑھیں اور علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ ان دنوں آگرہ علم و سیاست کا مرکز تھا۔

۱۳۳۷ھ ۱۹۱۸ء میں حضرت صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے والد گرامی کی معیت میں امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بریلی شریف حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے عظیم باپ اور عظیم بیٹے دونوں کو تمام علوم عالیۂ اسلامیہ درس نظامی قرآن حدیث، فقہ و تفسیر و اصول اور تمام اعمال و اذکار سلاسل اولیاء خصوصاً سلسلہ قادریہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور اپنے دست خاص سے سند خلافت لکھ کر عطا فرمائی۔

استاد گرامی صدر الافاضل اور والد محترم مولانا سیّد دیدار علی شاہ تو واپس آ گئے اور حضرت علامہ ابوالبرکات اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی خدمت اقدس میں ٹھہر گئے، تقریباً پونے دو سال امام اہلسنّت کی خدمت میں رہ کر فتوٰی نویسی کی تربیت حاصل کی اور فیوض روحانی کا اکتساب کیا۔ ان دنوں اعلیٰ حضرت کے فتاوٰی رضویہ کی جلد اوّل کی طباعت شروع تھی۔ اعلیٰ حضرت نے علامہ سیّد ابوالبرکات کو اس کی طباعت اور تصحیح کا نگران مقرر کیا اور بہار شریعت کے پہلے تین حصے بھی آپ نے ابوالعلائی پریس آگرہ میں طبع کرائے۔

۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء میں جب کہ تحریک خلافت زوروں پر تھی۔ ندوہ کے اثرات بڑھ رہے تھے۔ ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد بدایونی مولانا فاخر الہ آبادی وغیرہ علماء خلافت کے پلیٹ فارم پر ہندو مسلم اتحاد کیلئے تقریریں کر رہے تھے، مگر مولانا سیّد دیدار علی شاہ مفتی آگرہ اور علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری اور علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری چونکہ دو قومی نظریہ کے حامی تھے اور ہندو مسلم اتحاد کو شرعاً ناجائز سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ حضرات خلافت کمیٹی اور کانگرس کی مخالفت میں جلسے کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے مولانا سیّد دیدار علی شاہ کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیل گئی اور پنجاب میں آپ کے دینی اور سیاسی نظریات کی حمایت کرنے والے مشائخ کرام میں سے امیر ملت سیّد

جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور سرتاج اولیاء حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ چشتی فاضل گولڑوی پیش پیش تھے۔ لاہور کے دینی علمی اور سیاسی حلقوں نے سیّد المحد ثین سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی اور حق پسندی کے پیش نظر آپ کو لاہور میں جلسوں میں تقریر کرنے کی دعوت دی۔ حضرت محدث الوری نے پنجاب کے دل لاہور میں مؤثر اور مدلل تقریریں فرما کر ذہنوں کو ایک جلا بخشا۔ چنانچہ یہاں کے عوام وخواص کے اصرار پر آگرہ چھوڑ کر ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں لاہور تشریف لے آئے اور حضرت علامہ سیّد ابوالبرکات ان کی جگہ آگرہ کی جامع مسجد کے خطیب اور مفتی مقرر ہوئے۔ بعدازاں آپ کے والد گرامی نے لاہور میں جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خطابت کیلئے آپ کو طلب فرمالیا۔ چنانچہ آپ ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں لاہور آ ئے۔ جامع مسجد داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خطابت کے دوران مولانا محرم علی چشتی سیّد محمد امین اندرابی اور خلیفہ مولوی تاج دین کے مشورے سے آپ کو مسجد وزیر خان میں علوم دینیہ کی تدریس کیلئے مقرر کیا گیا۔ مسجد وزیر خان میں ان دنوں مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ خطابت فرماتے تھے۔ قبلہ سیّد صاحب کی قابلیت اور علم وفضل کی شہرت سارے پنجاب میں بہت جلد پھیل گئی اور طالبانِ علوم دینیہ بکثرت لاہور پہنچنے لگے۔ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں حجاز مقدس میں نجدیوں نے فوج کشی کے دوران حرمین شریفین میں بہت سے مقامات مقدسہ اور مزارات صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کو شہید کر دیا۔ جس کے نتیجے میں مفتی اعظم علامہ ابوالبرکات نے پنجاب میں اس کے خلاف ایک تحریک چلائی اور مقامات مقدسہ کے احترام کے بارے میں کئی کتابچے تحریر فرمائے جو انجمن حزب الاحناف کی طرف سے شائع کیے گئے۔ انہیں ایام میں ملک میں ہندوؤں کی طرف سے فتنۂ ارتداد یعنی شدھی کی تحریک شروع کی گئی اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو معاذ اللہ مرتد کرنے کیلئے بڑا وسیع پروگرام بنایا تو حضرت صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے

مراد آباد میں ایک اسلامی تبلیغی مرکز قائم کیا اور علامہ سیّد ابوالبرکات صاحب اور امیر ملت سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے پنجاب میں ایک تبلیغی مرکز بنایا اور آریہ سماجیوں کے خلاف مبلغین تیار کیے۔ جب کہ ہندو مسلم اتحاد کا غلغلہ بلند کرنے والے منقارِ زیر پر تھے۔ اس وقت حضور مفتی اعظم قبلہ سیّد صاحب اور ان کے بزرگوں نے استقامت کی راہ ترک نہ کی پوری قوت سے اس فتنے کا سدباب کیا اسی سلسلے میں آپ پر خنجر سے حملہ بھی کیا گیا۔ گردن مبارک پر چھ انچ لمبا زخم ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ مسجد وزیر خان میں درس نظامیہ کا سلسلہ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء ہی میں شروع ہو گیا تھا اور حضرت سیّد صاحب درس نظامی کی تدریس کے فرائض احسن وجوہ انجام دے رہے تھے۔ انجمن حزب الاحناف ہند لاہور کے نام سے یہ مدرسہ پنجاب میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا جس کی بنیاد حضرت امام اہلسنت مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء کے تعاون سے ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں رکھی تھی۔ تاہم ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۶ء کی مجلس مشاورت میں اس مدرسہ کو ایک عظیم دار العلوم کی شکل دی گئی اور اس کے دائرہ کار کو وسیع کر دیا گیا۔ اسی سال ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں حضرت سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لوکو ورکشاپ لاہور میں جمعہ پڑھانا شروع کیا۔ یہاں آپ نے باون سال مسلسل خطبہ دیا۔ آپ کے خطبہ جمعہ میں ہزاروں کا اجتماع ہوتا تھا۔ ورکشاپ کے ملازمین کے علاوہ شہر سے بھی کثیر تعداد میں مسلمان آپ کا خطبہ جمعہ سننے کیلئے وہاں جمع ہوتے۔ خطبہ جمعہ اتنا موثر ہوتا کہ سینکڑوں غیر مسلموں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور مسلک حقہ اہلسنت وجماعت کی تبلیغ واشاعت کا آپ نے ایک معیار قائم فرمایا۔ مسجد وزیر خان کا وسیع صحن علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس کا مرکز بن گیا۔ طلباء کی تعداد میں روز بروز اضافے کی وجہ سے اور بعض ''مصالح'' کی بناء پر مسجد وزیر خان کے اس وقت کے متولی مرزا ظفر علی جج نے اختلاف شروع کر دیا۔ چنانچہ

سیّدالمحدثین حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کی خطابت سے استعفیٰ دے دیا۔ مرکزی انجمن حزب الاحناف کا ایک مشاورتی جلسہ حضرت مولانا محرم علی چشتی کے مکان پر بروز اتوار ۲۷ فروری ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء کو ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا۔

''حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے مذہبی وجوہات کی بناء پر مسجد وزیر خان کے تعلقات سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور مولانا اپنے وطن مالوف کو جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان کے تشریف لے جانے سے نہ صرف لاہور بلکہ پنجاب میں حنفی جماعت کو نقصان عظیم پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا مولانا سے درخواست کی جائے کہ وہ سر دست اپنے ارادۂ روانگی کا التواء فرمائیں اور دارالعلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف میں درس حدیث کے فرائض بدستور ادا فرماتے رہیں''۔

چنانچہ حضرت محدث الوری نے احباب کی اس درخواست کو قبول فرما لیا اور تبلیغ واشاعت دین میں مشغول ہو گئے۔ دارالعلوم حزب الاحناف کا ابتدائی دور بڑی بے سروسامانی کا تھا۔ مسجد وزیر خان سے نکل کر لنڈا بازار اور پھر وہاں سے یکی دروازہ پھر والی انگہ کی جامع مسجد اور بعد ازاں مائی لاڈو کی مسجد میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بالآخر اندرون دہلی دروازہ شیر شاہ سوری کے زمانے کی تعمیر شدہ تین گنبدوں والی مسجد دارالعلوم کیلئے منتخب کی گئی۔ یہ مسجد غیر آباد تھی۔ اس کی صفائی اور مرمت کی گئی۔ سب سے پہلے امیر ملت سیّد جماعت علی محدث علی پوری نے پانچ سو روپیہ مسجد اور دارالعلوم پر خرچ کیا اور بہت تھوڑی مدت میں دارالعلوم نہایت عروج پر پہنچ گیا۔ آپ کے علاوہ آپ کے والد محترم حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ، مولانا عبدالقیوم اور مولانا عبدالحنان جیسے قابل حضرات شریک تدریس تھے۔ سب سے پہلے جلسہ دستار فضیلت میں پاک و ہند کے نامور مشاہیر علماء کرام ومشائخ عظام جن میں سے صدرالافاضل

سیّد نعیم الدین مراد آبادی حجۃ الاسلام شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا حامد رضا خان، مولانا عبدالعزیز خان محدث، مولانا مشتاق احمد کانپوری، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان، آفتاب چشتیاں، پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی، مخدوم صدرالدین ملتانی فقیہہ اعظم مولانا محمد شریف محدث کوٹلوی، شیخ القرآن، امام الدین قادری، مولانا معوان حسین خطیب شاہی مسجد لاہور اور امیر ملت سیّد جماعت علی محدث علی پوری رونق افروز ہوئے۔ اس جلسے نے پنجاب بھر میں دارالعلوم کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ ملک کے اطراف واکناف سے بے شمار طلباء جمع ہونے لگے اور آگے چل کر دارالعلوم حزب الاحناف نے بڑے بڑے محدث ومفسر فقیہہ اور مبلغ تیار کئے جو آسمان شہرت پر آفتاب ومہتاب بن کر چمکے جن میں استاذ العلماء مولانا محمد مہرالدین قاضی، سراج احمد مرحوم، مولانا سیّد محمد علی رضوی، مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی، مولانا غلام دین مرحوم، علامہ عبدالجلیل ہزاروی مرحوم، مولانا حافظ مظہر الدین رحمۃ اللہ علیہ فقیہہ اعظم مولانا محمد نور اللہ بصیر پوری، مولانا عبدالعزیز مرحوم منڈی بوریوالہ شیخ الحدیث محمد عبداللہ قصوری، حافظ محمد عالم سیالکوٹی، مولانا محمد تازہ گل کابلی، شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی، مولانا محبوب علی خان پیلی بھیتی مرحوم، مولانا غلام ربانی چشتی لالہ موسیٰ، زینت القراء قاری غلام رسول، علامہ ابوالبیان الٰہی بخش، مولانا غلام مہر علی چشتیاں شریف، حضرت پیر حافظ غلام نازک خلف الرشید حضرت مولانا محمد یار فریدی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غلام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نہایت معروف اور ممتاز ہیں اور اپنی تعلیمی تدریسی اور تبلیغی وسیاسی خدمات کی وجہ سے ارض پاکستان پر بلند پایہ شہرت وعزت کے حامل ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری برصغیر پاک و ہند میں خاندان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت قریبی علمی تعلق رکھنے والے علماء میں سے آخری مرد جلیل تھے۔ آپ کے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مابین صرف دو واسطے تھے یعنی مولانا سیّد دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت

مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث حاصل کی اور سلسلہ طریقت میں حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ومجاز تھے۔اسی نسبت سے آپ اور آپ کے مریدین اپنے آپ کو اشرفی بھی لکھتے ہیں۔

۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء میں شاردا ایکٹ کا فتنہ اٹھا۔جس کی رو سے نابالغ بچوں کی شادی ممنوع قرار پائی۔اس ایکٹ کے نفاذ پر آپ نے اس کے خلاف مہم چلائی اور متعدد نابالغوں کے نکاح پڑھائے پاک وہند کے علماء ومشائخ نے آپ کی پرزور تائید وحمایت کی۔

چنانچہ قبلہ سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کے ایک وفد کے ساتھ جناب محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مسلم ممبران کونسل سے دہلی میں ملاقات کی اور انہیں اس مسئلہ کی نوعیت سے صحیح طور پر آگاہ کیا۔جس کے نتیجہ میں مجبوراً گورنمنٹ کو اس ایکٹ میں ترمیم کرنا پڑی۔انہی دنوں شاتمِ رسول راج پال نے بدنام زمانہ کتاب ''رنگیلا رسول'' شائع کی۔جس میں بارگاہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں سخت گستاخیاں کیں۔لاہور کے ایک نوجوان علم الدین جو حضرت سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شامل ہوا کرتے تھے اور سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ قبلہ کے درس میں تعظیم اور احترام رسالت مآب کی خصوصی تلقین کی جاتی تھی اور گستاخان رسول کی مذمت کی جاتی تھی۔علم دین نے حضرت کے درس و تدریس اور مواعظ سے متاثر ہو کر راج پال کو واصل جہنم کر دیا۔یہی نوجوان علم دین شہید کے نام سے مشہور ہوا۔جناب غلام دستگیر صاحب نامی نے اپنی کتاب ''غازی علم دین'' میں لکھا ہے کہ علامہ اقبال نے کہا کہ غازی شہید کا جنازہ حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ پڑھائیں''۔اس کے علاوہ آپ اپنے والد گرامی سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بھی مجاز تھے۔

۱۳۵۴ھ ۱۹۳۵ء میں امام المحدثین مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا اور ان کے چہلم سے فارغ ہوکر اپنے استاد مکرم صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی اور شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی اور دیگر علماء اہلسنّت کی معیت میں حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے اور حرمین شریفین کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہو کر لوٹے اور واپس تشریف لاکر خدمت دین میں مصروف ومنہمک ہوگئے۔اسی دوران مسجد شہید گنج کی تحریک زور شور سے چلی تو حضرت امیر ملت علی پوری رحمۃ اللہ علیہ مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر مسجد کی واگزاری کیلئے نہایت جدوجہد کی، مگر انگریز کی اسلام دشمنی اور مجلس احرار کی سازش اور غداری کی وجہ سے یہ مسجد شہید کر دی گئی اور شومئی قسمت سے آج تک اس پر سکھوں کا قبضہ ہے۔حالانکہ اس تحریک میں مسجد واگزاری کیلئے بیشمار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔خدا وہ وقت لائے کہ یہ مسجد مسلمانوں کی تحویل میں آئے اور خانہ خدا عبادت سے معمور ہو۔

۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان پاس ہوئی اور کانگریس اور احراری علماء نے ہندوؤں سے مل کر دوقومی نظریہ کی شدید مخالفت کی یہاں تک کہ ایک احراری لیڈر نے اپنے جلسوں میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پے بھی بنا سکے''۔ان کے مقابل علماء اور مشائخ اہلسنّت نے نظریہ پاکستان کی پرزور حمایت کی۔السواد الاعظم مراد آباد نے زبردست حمایت کی۔

۱۳۶۶ھ ۱۹۴۶ء میں بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس جو برصغیر کی تاریخ میں ایک عظیم اور مثالی کانفرنس تھی منعقد ہوئی۔جس میں ہزاروں علماء اور مشائخ نے شمولیت کی۔علامہ ابوالبرکات اور ان کے ہم مسلک علماء شروع سے ہی دوقومی نظریہ کے علم

برداراوراس سے پہلے ہمیشہ تحریر وتقریر میں ہندو مسلم اتحاد کی شدید مخالفت کرتے رہتے تھے۔اس کانفرنس میں نہایت شان وشوکت سے شریک ہوئے اور تحریک پاکستان کی حمایت میں ملک گیر دورے کیے۔جس کے نتیجے میں بفضل ایزدی پاکستان معرض وجود میں آیا۔

۱۳۶۸ھ ۱۹۴۸ء پاکستان بننے کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کا نام جمعیت علماء ہند کے مقابلہ میں جمعیت علماء پاکستان رکھا اور انوار العلوم ملتان کے سالانہ جلسہ کے موقع پر جمعیت کی بنیاد رکھی گئی۔اس اجلاس میں علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ اور محدث پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، پیر عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ بھر چونڈی شریف، علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، پیر امین الحسنات رحمۃ اللہ علیہ آف مانکی شریف، مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا مفتی احمد یار خاں گجراتی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کرام شریک تھے اور بالاتفاق علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ کو جمعیت کا صدر اوّل منتخب کیا گیا۔۱۹۴۸ء ہی میں جب تحریک آزادی کشمیر شروع ہوئی تو علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے پہلے اس تحریک کی حمایت کی اور اس جہاد کو اسلامی جہاد قرار دیا۔جب کہ مودودی صاحب نے فتویٰ دیا کہ جہاد کشمیر اسلامی نہیں ہے۔سیّد صاحب نے علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں دیگر مکاتب فکر علماء سے جہاد کشمیر کے حق میں دستخط کرائے اور پبلک جلسوں میں مجاہدین کیلئے سامان جمع کرنے کی مہم چلائی۔موچی گیٹ میں ایک عظیم الشان کشمیر کانفرنس منعقد کی گئی۔جس میں صدر آزاد کشمیر بھی شریک ہوئے لاکھوں روپوؤں کا سامان جمع کیا گیا۔علامہ ابوالحسنات جمعیت علماء پاکستان کے ساتھ خود محاذ جنگ پر تشریف لے گئے اور مجاہدین میں وہ سامان اور نقد روپیہ تقسیم کیا اور اس کے بعد بھی لاکھوں روپیہ چندہ اکٹھا کر کے

ارسال فرمایا انہیں خدمات کی بدولت علامہ ابوالحسنات کو غازی کشمیر کا خطاب دیا گیا۔

۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء میں پہلی دستور ساز اسمبلی نے جو قرارداد مقاصد پیش کی تھی۔اس میں بھی ان دونوں بھائیوں کی مساعی کا بڑا حصہ تھا۔پاکستان بننے کے بعد آپ نے عوام وخواص کے دلوں پر یہ بات اپنی تقریر وتحریر کے ذریعے نقش کردی کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اسلام اور صرف اسلام کے نام پر کیا تھا۔لہٰذا پاکستان کا دستور بھی اسلامی بنیادوں پر ہی مرتب ہونا چاہیے۔

۱۳۷۳ھ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا۔اس میں بھی ان دونوں بھائیوں اور ان کے ہم مسلک علماء اور متعلقین نے بہت زیادہ حصہ لیا۔علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کو تمام مکاتب فکر کے علماء نے مجلس عمل کا صدر منتخب کیا اور اسی قیادت کے دوران علامہ ابوالحسنات اور دیگر علماء کرام کے ساتھ گرفتار ہوئے۔کراچی، سکھر اور حیدرآباد کی جیلوں میں ایک سال تک پابند قید وسلاسل رہے۔علامہ ابوالحسنات کے اکلوتے صاحبزادے مولانا امین الحسنات سیّد خلیل احمد قادری کو پہلے سزائے موت سنائی گئی۔پھر اس کو بدل کر چودہ سال قید بامشقت کا حکم سنایا گیا۔الغرض اس سخت امتحان میں بھی دونوں بھائیوں نے نہایت استقامت کا مظاہرہ فرمایا۔اگرچہ علامہ ابوالبرکات گرفتار نہیں ہوئے۔مگر انہیں کیا یہ قلق کم تھا کہ بھائی اور بھتیجے کے علاوہ سینکڑوں شاگرد جیل کی صعوبتیں اٹھا رہے تھے۔

۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء میں علماء اہلسنّت کا ایک وفد جنگ ستمبر کے بند ہوجانے کے بعد لاہور میں فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان مرحوم سے ملا جس کی قیادت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری نے کی۔علماء کی گفتگو کے بعد جنرل محمد ایوب خان نے سیّد صاحب سے دعا کی درخواست کی سیّد صاحب نے ہاتھ اٹھائے اور چند دعائیہ کلمات فرمانے کے بعد جنرل محمد ایوب خان کو مخاطب کرتے ہوئے نظام مصطفیٰ

ﷺ کے نفاذ کا مطالبہ کیا اور صدر ایوب خان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''دعا کیا کروں آپ نے عائلی آرڈیننس نافذ کیا ہے۔ جس کی متعدد دفعات قرآنی آیات کے صریح خلاف ہیں۔ آپ ان کو فی الفور منسوخ کریں' اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ آپ نے شاستری کی ارتھی کو کندھا دیا۔ ایک مشرک کے ساتھ ایسا برتاؤ کب جائز ہے''۔

اس پر صدر جنرل محمد ایوب خان نے عائلی آرڈیننس میں شریعت کے مطابق ترمیم کا وعدہ کیا اور شاستری کی ارتھی کو کندھا دینے کے متعلق کہا ''یہ ایک رسمی چیز تھی مجھے مجبوراً شریک ہونا پڑا''۔

اس کے بعد حضرت مفتی اعظم قبلہ سید صاحب نے دعا فرمائی۔

''الٰہی صدر محمد ایوب خان اور ارباب حکومت کو پاکستان میں نظام مصطفیٰ ﷺ کو عملی طور پر جاری کرنے کی توفیق عطا فرما اور پاکستان کو اپنی حفاظت میں رکھ''۔

اس ملاقات میں ان کے نامور صاحبزادہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے اہلسنّت بھی شریک تھے۔ سید صاحب کی حق گوئی اور اعلائے کلمۃ الحق کا یہ عالم تھا کہ ایوبی دور حکومت میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے خلاف تاریخی فتویٰ دیا جس کے نتیجے میں تحریک شروع ہوئی' اور آخرالامر جنرل محمد ایوب خان نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو چھٹی دینے میں عافیت سمجھی۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عائلی آرڈیننس میں شریعت کے مطابق ترمیم کا مسودہ مرتب کر کے صدر ایوب خان کو بھیج دیا۔

۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء آپ کو سواد اعظم اہلسنّت میں وہ مرکزیت اور مقبولیت حاصل تھی کہ جب کبھی علماء میں تھوڑا بہت اختلاف و انتشار ہوتا تو وہ آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ کے نام پر سب لوگ بلا کسی حجت اور لیت ولعل سے جمع ہو جاتے۔ چنانچہ غازی کشمیر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد جمعیت



علماء پاکستان دھڑے بندیوں کا شکار ہوگئی تھی اور لادینی تحریکیں عروج پر تھیں اور حقوق اہلسنّت پامال ہو رہے تھے۔ علامہ غلام مہر علی چشتی گولڑوی اور شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی نے بعض دیگر احباب اہلسنّت کی معیت میں مفتی اعظم پاکستان کی خدمت میں پر درد درخواست کی کہ تمام سنی علماء آپ کی دعوت پر جمع ہو سکتے ہیں۔ مہربانی فرما کر آپ ان کو دعوت دیجئے تاکہ انتشار ختم ہو اور سواد اعظم اہلسنّت صحیح طور پر منظم ہو جائیں۔ آپ نے اس درخواست کو شرف قبول بخشا اور تمام علماء مشائخ اور علماء اہلسنّت کو مدعو فرمایا اور دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا اور آپ کی برکت اور جدوجہد سے تمام دھڑے بندیاں ختم ہو گئیں۔ علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کو مجلس عمل جمعیت علماء پاکستان کا کنونیر مقرر کیا گیا۔ جمعیت کا ایک منشور تیار کیا گیا۔ جس میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے قیام اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ کو جمعیت کے منشور کا بنیادی نکتہ قرار دیا اور جمعیت کو عملی ریاست میں حصہ لینے کی پالیسی پہلی مرتبہ متعین کی گئی۔ علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی مخلصانہ اور مجاہدانہ محنتوں سے جمعیت علماء پاکستان ایک باوقار اور فعال جماعت کی حیثیت میں سرگرم عمل ہوئی۔

۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں نیشنل عوامی لیگ کے سربراہ بھاشانی نے دارالسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ایک کانفرنس منعقد کی۔ جس میں ملک بھر کے سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں نے بھرپور حصہ لیا۔ اس کے رد عمل میں ٹوبہ میں آل پاکستان سنی کانفرنس انعقاد پذیر ہوئی جس کا انتظام و انصرام قبلہ سید صاحب کے فرزند ارجمند علامہ سید محمود احمد رضوی نے کیا۔ علامہ صاحب کی رہنمائی میں شیخ القرآن' مولانا غلام علی اوکاڑوی نے تمام ملک کا وسیع دورہ کیا اور تمام علماء و مشائخ اہلسنّت کو کانفرنس میں شمولیت کی دعوت دی۔ ٹوبہ کا یہ اجتماع نہایت بے مثال پرشکوہ تھا۔ اسی اجتماع میں جمعیت کا انتخاب ہوا۔ حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین چشتی سیالوی صاحب صدر اور حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی

کو جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا اور ان ہر دو حضرات نے اپنے تبلیغی دوروں سے سنیت میں تازہ روح پھونک دی۔ جس کے نتیجے میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں دوسری قدیم سیاسی پارٹیوں کے مقابلوں میں قابل قدر اور نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ جس کی بدولت قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید محمد علی رضوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ صاحبان جیسے مخلص اور قابل نمائندے اسمبلی میں پہنچے۔ جنہوں نے اسمبلی میں پہنچ کر اسلامی دفعات کے پاس کرانے میں اور انہیں آئین میں شامل کرانے کیلئے وہ عظیم جدوجہد فرمائی جس سے اسمبلی کا ریکارڈ اور تمام ملت گواہ ہے۔

۱۹۷۴ء میں جب مرزا قادیانی کی ناپاک ذریت نے مسلمانان پاکستان کی غیرت کو للکارا تو ناموس رسالت کی حفاظت اور ختم نبوت کے تحفظ کیلئے حضرت علامہ ابوالبرکات صاحب کے ارشاد سے دارالعلوم حزب الاحناف کے علماء اور طلبہ نے سرگرمی سے تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا۔ آل پاکستان مجلس عمل قائم ہوئی۔ جس کا سیکرٹری جنرل مفتی اعظم پاکستان کے صاحبزادہ علامہ سید محمود احمد رضوی کو چنا گیا۔ اس سلسلے میں علامہ رضوی نے تحفظ ناموس رسالت کیلئے ملک بھر کا طوفانی دورہ کیا۔ سینکڑوں جلسوں سے خطاب کیا۔ علامہ رضوی اور شیخ القرآن اوکاڑوی اور دارالعلوم حزب الاحناف کے فارغ شدہ دیگر علماء پر جھوٹے مقدمے قائم کئے گئے اور انہیں محض سیاسی انتقام کیلئے جیلوں میں ٹھونسا گیا۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان اور ان کے خدام کا یہ عظیم کارنامہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔ جس سے تمام ملت اسلامیہ آگاہ ہے۔ بالآخر مسلمانوں کی متحدہ کوشش اور قربانی کے نتیجے میں قادیانی مسئلہ حل ہوا اور اسمبلی میں قائد اہلسنت شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرارداد پیش کی جس کو بالاتفاق پاس کرلیا گیا اور اس طرح مسلمانوں کا یہ دیرینہ مطالبہ منظور کرلیا گیا اور ختم نبوت کے منکر

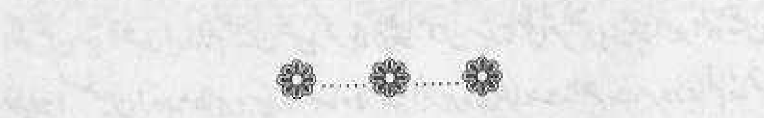
لاہوری اور قادیانی مرزائی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیئے گئے۔

۱۹۷۶-۷۷ء حضرت سید صاحب کی ہدایت اور ارشاد کے مطابق حضرت کے خدام اور تلامذہ نے تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں نہایت بھرپور حصہ لیا۔ جیلوں میں گئے ماریں کھائیں طرح طرح کے مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے۔ مگر بفضلہ تعالیٰ اپنے موقف پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آمر و جابر اور ظالم حکمران سے نجات عطا فرمائی اور ضرورت اور مجبوری کے ماتحت ملک میں مارشل لاء نافذ ہوا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ رب کعبہ اور حضور ﷺ اور بزرگان دین کے وسیلۂ جمیلہ سے فوجی حکمرانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ بلاتاخیر فوری طور پر ملک میں مکمل نظام مصطفیٰ ﷺ نافذ کردیں۔ تاکہ قوم کا اعتماد فوج پر بحال رہے اور قومی و ملی عظیم قربانیاں رائیگاں نہ ہوں۔

۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء آپ برصغیر پاک و ہند میں اپنے دور کے بہت بڑے مفسر محدث، اصولی، اور فقیہ تھے اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور اتباع سنت اور مسلک میں اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مظہر اتم تھے۔ آپ کے فتویٰ اور تحریروں پر اعلیٰ حضرت کے طرز فکر کا اس قدر غلبہ تھا کہ اگر کوئی شخص اعلیٰ حضرت اور سید صاحب کی تحریر اور فتویٰ کو ملا کر دیکھے تو یہ امتیاز مشکل تھا کہ اعلیٰ حضرت کی تحریر کون سی ہے، اور سید صاحب کی کون سی جن حضرات نے ان دو عظیم ہستیوں کے فتویٰ دیکھے ہیں۔ ان پر یہ حقیقت بالکل واضح اور منکشف ہے۔ درس و تدریس اور تقریر و تبلیغ میں بھی آیات قرآنیہ اور احادیث نبوت اور آئمہ اسلام اور فقہائے عظام کی آرا سے اعلیٰ حضرت ہی کے اصول کے مطابق استدلال فرماتے تھے۔ کلام مختصر اور نہایت جامع فصاحت و بلاغت سے مشحون و مملو ہوتا تھا۔ صحت اور جوانی کے عالم میں گھنٹوں نہایت قوت بیانی کے ساتھ خطاب فرماتے تھے۔ مذہب مہذب اہلسنت و جماعت کی حقانیت کے دلائل اور مخالفین

بدمذہب اور ملحدوں کے اعتراضات اور اشکالات کا جواب ایسے مدلل انداز میں دیتے تھے کہ صاحب عقل سلیم کو تسلیم کے سوا چارہ نہیں تھا۔ بیان میں متانت اور سنجیدگی ہوتی تقریر تو درکنار خلوت میں بھی مخالفین کے خلاف کوئی ناشائستہ کلمہ اور ناجائز جملہ آپ کی زبان پر نہیں آتا تھا۔ خلیق حلیم ملنسار اور روادار ہونے کے باوجود کلمۂ حق کے کہنے سے کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ عقائد و نظریات کے علاوہ اپنے مریدین و متعلقین اور تلامذہ کو اتباع شریعت کی انتہائی تاکید و تلقین فرماتے تھے۔ آپ کی طبیعت ایک سال سے علیل تھی۔ لاہور کے معروف ترین ڈاکٹروں اور طبیبوں سے علاج کروایا گیا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا اور مرض بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ آپ نہایت کمزور اور صاحب فراش ہو گئے۔ مگر اس کمزوری اور نقاہت کے عالم میں آپ نے کبھی نماز قضاء نہ کی۔ بیٹھے کھڑے جس طرح ممکن ہوا۔ حکم شریعت کے مطابق نماز ادا فرماتے رہے۔ اتباع شریعت میں اس کوہ استقامت کا یہ عالم تھا کہ صحت و عافیت کی حالت میں نہ صرف یہ کہ خود مسجد میں تشریف لا کر نماز باجماعت قائم کرتے بلکہ اپنے چھوٹے پوتوں اور نواسوں کو بھی ساتھ لے جاتے اور بعض اوقات کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نہ پہنچ سکتے تو اپنے کمرے میں ہی بچوں اور حاضرین کو ساتھ لے کر نماز باجماعت کا اہتمام فرماتے۔ صبر و استقلال کے ایسے پیکر کہ شدید بیماری کی حالت میں کبھی اف تک بھی زبان پر نہ آئی۔ ذکر و فکر کے ایسے پابند کے شدت مرض میں بھی کلمہ شریف اور درود شریف کا ذکر جاری رہتا اور حاضرین کو بھی درود پاک پڑھنے کی تلقین کرتے۔ حتیٰ کہ آخری لمحات میں بھی آپ کی زبان مبارک سے یا حی یا قیوم سنا گیا اور آخر مورخہ ۲۰ شوال ۱۳۹۸ھ ۲۴ ستمبر ۱۹۷۸ء بروز اتوار ۲ بج کر ۷ منٹ پر قبل نماز عصر عظیم روحانی پیشوا سراج اہل تقویٰ امام المحدثین حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے اپنے پیچھے ایک بیوہ دو صاحبزادیاں تین صاحبزادے علامہ سید محمود احمد رضوی، سید حبیب

احمد رضوی اور مولانا سید مسعود احمد رضوی چھوڑے ہیں جو کہ علم و فضل میں اپنے خاندان کے صحیح جانشین اور وارث ہیں۔ حضرت سید صاحب ایک بین الاقوامی شخصیت تھے۔ آپ کا روحانی سلسلہ بھی بہت وسیع ہے۔ ہزاروں لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہیں۔ شاگردوں اور تلامذہ کی تعداد بھی بہت وسیع ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت کے تلامذہ و ارادت مند آپ کی مکمل سوانح حیات مرتب کرنے میں عملی قدم اٹھائیں اور آپ کی سیرت علم و فضل اور دینی و ملی خدمات سے متعلق انہیں جو معلومات بھی ہوں، انہیں قلمبند کر کے علامہ سید محمود احمد رضوی کو ارسال کریں تاکہ آپ کی شایانِ شان سوانح حیات مرتب کی جا سکے۔



شجرۂ نسب والد محترم سیّد ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّدنا ابوالبرکات سیّد احمد رضوی ابن ابو محمد سیّدنا دیدار علی شاہ رضوی مشہدی ابن سیّدنا نجف علی شاہ رضوی ابن سیّدنا محمد تقی رضوی ابن سیّدنا عبدالوہاب اربع رضوی ابن سیّدنا اسماعیل رضوی ابن سیّدنا محمد یوسف رضوی ابن سیّدنا عبدالوہاب ثالث رضوی ابن سیّدنا سعید الدین رضوی ابن سیّدنا عبدالکریم رضوی ابن سیّدنا محمد رضوی ابن سیّدنا عبدالوہاب ثانی رضوی ابن سیّد احمد رضوی ابن سیّدنا رفیع الدین احمد رضوی ابن سیّدنا عبدالوہاب اوّل رضوی سیّدنا محمد رضوی ابن سیّدنا ابوالمکرمؒ ابن سیّدنا محمد غوث رضوی ابن سیّد جلال الدین سرخ بخاری رضوی مشہدی ابن سیّدنا علی ابوالموید رضوی ابن سیّدنا جعفر رضوی ابن سیّد محمد رضوی ابن سیّدنا محمود رضوی ابن سیّد جعفر اول رضوی ابن سیّدنا امام ھادی تقی ابن سیّدنا امام محمد تقی ابن سیّدنا امام علی رضا ابن موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ مشہد مقدس ایران ابن سیّدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ابن سیّدنا سیّد الکونین سیّد الشہداء امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ ابن سیّدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین زوجہ مطاہرہ سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت سرور عالم خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ

شجرۂ نسب والدہ محترمہ سیّد ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

سیّدنا ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّدہ عصمۃ النساء صالحہ مرحومہ مغفورہ بنت سیّد سلامت علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد وزیر علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد شاہ محمود حسنی

رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد ابوسعید محمود حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد ابی نصر بلخی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد ابی کمال محمد حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد قوت الدین محسن حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد ذکی حسن حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد نور الدین ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد سفی ھوی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد غوث الدین حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد نور الدین احمد حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد ابراہیم حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد برہان الدین حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد رضی الدین حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد عبدالرزاق حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد حافظ عبدالغفور حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد محمد صالح حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد مہیمن حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد عبداللہ ثالث حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد شہاب الدین غوری حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد عبدالرحمٰن غوری حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد اسماعیل غوری حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد صفدر علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد تواب ابوالقاسم حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد طاہر حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد طیب حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد اویس ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد عسکر حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد یحییٰ حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد ناصر الدین حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد حمود حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد محمود حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد عبداللہ ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد امام احمد حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد امام عمر حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد اویس اول حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد امام عبداللہ اول المعروف عبداللہ محض رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّدنا امام حسن المجتبیٰ خلیفۂ رسول اللہ ﷺ ابن سیّدنا امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔





شجرۂ علمی سیّد ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

سندِ حدیث مفتی اعظم پاکستان علامہ سیّد ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ،
حضرت سیّدنا ابومحمد، سیّد محمد دیدار علی شاہ رضوی محدث الوری، حضرت سیّدنا شاہ محمد فضل الرحمٰن محدث گنج مراد آبادی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ سیّد عمر، شیخ عبداللہ، شیخ یحییٰ، شیخ سعید، شیخ وجیع الدین، شیخ شمس الدین، شیخ احمد بن علی، شیخ عبدالرحیم، شیخ شمس الدین، حضرت ابوالفتح، حضرت عبداللطیف، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت ابوسعید اسماعیل، حضرت ابوصالح احمد، حضرت ابوطاہر محمد، حضرت ابوحامد احمد، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت سفیان، حضرت سفیان بن عمرو، حضرت ابوقابوس، عبداللہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سندِ فقہ حنفی مفتی اعظم پاکستان علامہ سیّد ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ،
حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عبدالرحمٰن سراج، شیخ جمال، شیخ محمد، شیخ محمد عابد انصری، شیخ محمد یوسف، شیخ عبدالقادر، شیخ اسماعیل، شیخ عبدالغنی، شیخ اسماعیل بن عبدالغنی، شیخ حسن (صاحب نور الایضاح) شیخ محمد، شیخ احمد، شیخ سری، شیخ کمال، شیخ سراج، شیخ علاؤالدین، شیخ سیّد جلال الدین، شیخ عبدالعزیز، شیخ جلال الدین کبیر، امام عبدالستار، امام برہان الدین، امام فخر اسلام، امام شمس، شیخ ابوعلی نسفی، شیخ ابوبکر امام عبداللہ، شیخ عبداللہ بن ابی حفص بخاری، شیخ احمد، امام ابوعبداللہ محمد، حضرت امام اعظم سراج امت ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز، حضرت حماد، حضرت ابراہیم، حضرت عقلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

یومِ غازی کشمیر قائد تحریک ختم نبوت، خلیفہ اعلیٰ حضرت

علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲ شعبان المعظم

حضرت علامہ مولانا سیّد محمد احمد قادری ابن امام المحدثین مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں محلہ نواب پورہ الور میں پیدا ہوئے۔ حافظ عبدالحکیم اور حافظ عبدالغفور سے کلام پاک حفظ کیا، اسی دوران مرزا مبارک بیگ سے اُردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم شروع کی اور جگت استاذ قاری قادر بخش سے تجوید کی مشق کی، گیارہ بارہ سال کی عمر میں حفظ کلامِ پاک کے ساتھ ساتھ اُردو انشاء پردازی اور فارسی میں کسی قدر مہارت حاصل کر لی، پھر تمام علوم و فنون کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔

اسی اثناء میں مشین سازی، رنگائی، کارپینٹری، گھڑی سازی، خیاطی اور ٹیلی فون کا کام سیکھ لیا، مراد آباد میں حکیم نواب حامی الدین رحمۃ اللہ علیہ سے علمِ طب حاصل کیا۔

حضرت صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض سے بھی مستفیض ہوئے اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

تحصیلِ علوم سے فارغ ہوتے ہی ایک حادثہ رونما ہوا۔ ہندوؤں نے الور کی مسجد شہید کر دی، اس واقعہ نے مولانا کو شعلۂ جوالہ بنا دیا، آپ نے خداداد خطیبانہ صلاحیتوں سے مسلمانوں میں روح پھونک دی، مسجد کی واگزاری کیلئے زبردست جدوجہد شروع

ہوگئی' مولانا کو گرفتار کر لیا گیا لیکن مسلمانوں کے شدید دباؤ کی بناء پر مہاراجہ الور نے نہ صرف مولانا کو رہا کیا بلکہ سرکاری خرچ سے مسجد دوبارہ تعمیر کر دی۔

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے' متحدہ پاک و ہند کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہوگا جہاں تبلیغ اسلام کی خاطر آپ نہ پہنچے ہوں۔ ذریعۂ معاش کے طور پر مطب جاری رکھا' اس طرح روحانی امراض کے علاوہ جسمانی امراض سے بھی جہاد کرتے رہے۔

مسجد وزیر خاں دہلی دروازہ لاہور کی خطابت سے امام المحدثین مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سبکدوش ہوئے تو سر ظفر علی ریٹائرڈ جج ہائی کورٹ و متولی مسجد وزیر خاں نے بڑے امراء کے ساتھ منصب لا بت مولانا ابوالحسنات کے سپرد کیا۔ چنانچہ مولانا الور سے رخت سفر باندھ کر لاہور تشریف لے آئے اور ہمیشہ کیلئے لاہور کے ہو کر رہ گئے۔ لاہور سے جو بھی دینی و ملی تحریک اٹھی اس میں آپ امتیازی حیثیت سے شریک ہوئے' الور میں آپ انجمن خادم الاسلام کے صدر اور فتوے کمیٹی کے ہیڈ مفتی تھے۔ مسجد وزیر خاں میں بزم تنظیم قائم ہوئی جس کے صدر بنائے گئے' اس تنظیم کے شعبۂ تالیف کے زیر اہتمام ۳۵ ٹریکٹ لکھ کر شائع کئے' انجمن حزب الاحناف لاہور کے امیر مقرر ہوئے اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔

آل انڈیا سنی کانفرنس نے تحریک پاکستان میں جس سرفروشی اور جاں سپاری سے کام کیا۔ اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ قیام پاکستان کے بعد ایک ایسی ہمہ گیر تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی جو اہلسنّت و جماعت کو منظم کرنے کے ساتھ ملکی اور ملی مسائل میں رہنمائی کا فریضہ انجام دے۔ غزالی زماں حضرت علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر انوار العلوم ملتان میں ۲۶' ۲۷' ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں پاکستان بھر کے علماء و مشائخ نے شرکت کی' جمعیۃ العلماء پاکستان کی تشکیل

کے بعد حضرت علامہ ابوالحسنات صدر اور حضرت علامہ کاظمی' ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔

جمعیۃ العلماء پاکستان اور جمعیۃ المشائخ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق ۷ مئی ۱۹۴۸ء بروز جمعہ پاکستان بھر میں یوم شریعت منایا گیا۔ جلسے منعقد ہوئے۔ قائداعظم اور اسلامی جرائد کو تاریں دی گئیں اور حکومت پر زور دیا گیا کہ پاکستان میں قانون اسلامی نافذ کیا جائے۔

مجاہدین اسلام کشمیر کے محاذ پر حق خود ارادیت کے حصول کیلئے جانبازی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ مودودی صاحب نے اس جنگ کو جہاد تسلیم نہیں کیا۔ حضرت علامہ سیّد ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ یہ جنگ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور مسلمانوں کو ہر ممکن طریقہ سے مجاہدین کی امداد کرنی چاہیے۔ جمعیۃ العلماء پاکستان کی تحریک پر ۸۰ ہزار روپے سے زائد کا ساز و سامان مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔ صدر جمعیۃ نے بنفس نفیس احباب سمیت محاذ کشمیر کے کئی دورے کئے اور مجاہدین کی ہمت افزائی کے ساتھ ساتھ انہیں سامان ضرورت مہیا کیا۔ ان مساعی جمیلہ کی بناء پر آپ کو ''غازیٔ کشمیر'' کا لقب دیا گیا۔

جہاد کشمیر کے قائدین نے آپ کی خدمات کا برملا اعتراف کیا اور آپ کا شکریہ ادا کیا چوہدری غلام عباس' پریذیڈنٹ آزاد کشمیر و صدر مسلم کانفرنس جموں و کشمیر کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔

۹ مئی ۱۹۴۹ء سیالکوٹ

احقر غلام عباس

محترم جناب ابوالحسنات صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج شریف

آپ کا خط ملا' اس سے قبل بھی جناب کا گرامی نامہ موصول ہوا تھا' قیام لاہور

کے دوران میں میں نے آپ سے ملاقات کی بے حد کوشش کی لیکن مصروفیت کی وجہ سے
میں ایسا نہ کر سکا' امید کہ آپ معاف فرمائیں گے۔

جہاد کشمیر اور مسئلہ کشمیر کے بارے میں آپ کی مالی' اخلاقی اور سیاسی سرگرمیاں
باعث تشکر و اطمینان ہیں' خدا آپ کو' ہم کو مشترکہ مقصد میں جلد کامیاب کرے۔
(آمین ثم آمین)

ایک اور مکتوب ملاحظہ ہو۔

فورسز ہیڈ کوارٹر لائن
۱۶۔۴۔۴۹

محترم بندہ! السلام علیکم

گذشتہ ماہ مجھے لاہور مدعو کیا گیا وہاں آپ اور آپ کے رفقاء نے جس خلوص
اور ہمدردی کا ثبوت دیا اس کیلئے میں تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ من لم یشکر
الناس لم یشکر اللہ!

آپ کی ذات گرامی سے امید واثق ہے کہ بسلسلۂ استصواب رائے کشمیر آپ
کی مساعی جمیلہ اس وقت تک جاری و ساری رہیں گی جب تک تمام کشمیر اور اس کے
ملحقات کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہو کر وہاں اسلام کا قرآنی نظام قائم نہ ہو جائے۔

والسلام بالوف الاحترام

احمد علی شاہ

وزیر دفاع آزاد کشمیر

قیام پاکستان کے بعد ختم نبوت کے قصر رفیع میں نقب لگانے والے مرزائی
قادیان سے منتقل ہو کر پاکستان آ گئے اور پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ کے نام سے

برائے نام قیمت کے عوض ربوہ کی زمین حاصل کر کے ارتداد پھیلانے میں مصروف
ہو گئے' اس فتنے کے انسداد کیلئے پاکستان کے تمام علماء' سنی' دیوبندی' غیر مقلد' جماعت
اسلامی اور شیعہ نے مل کر ۱۹۵۳ء میں مجلس عمل قائم کی جس کے صدر مولانا ابو الحسنات
قادری منتخب ہوئے۔ متفقہ طور پر خواجہ ناظم الدین کی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ظفر
اللہ کو وزارت کے منصب سے برطرف کیا جائے اور مرزائیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم
اقلیت قرار دیا جائے لیکن ارباب اقتدار ٹس سے مس نہ ہوئے' آخر طے پایا کہ ایک وفد
کراچی جا کر وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملے اور اپنے مطالبات پیش کرے۔

خواجہ صاحب نے معذوری کا اظہار کیا اور قائدین وفد کو گرفتار کر لیا۔ یہ خبر جنگل
کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی' جگہ جگہ احتجاجی جلسے ہونے لگے' جلوس نکلنے
لگے' عوام و خواص کے مطالبے اور احتجاج کی شدت کے ساتھ ساتھ حکومت کا تشدد بھی
بڑھتا گیا اور پورے ملک کے جیل خانے فدایان ختم نبوت سے بھر گئے۔

حضرت علامہ سیّد ابو الحسنات رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کو سکھر جیل میں منتقل کر دیا گیا۔
آپ نے قید و بند کی صعوبتوں کو بڑی استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔ جب پس دیوار
زنداں آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے اکلوتے فرزند مولانا خلیل احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کو تحریک
ختم نبوت میں حصہ لینے پر پھانسی کی سزا دے دی گئی ہے تو آپ نے بے ساختہ کہا:

"الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے میرا یہ معمولی ہدیہ قبول فرما لیا"۔

بعد میں پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی۔ آپ نے ایام اسیری میں قرآن پاک کی تفسیر
"تفسیر الحسنات" لکھنے کا کام شروع کر دیا اور معتدبہ حصہ جیل ہی میں لکھا۔ جب دیگر
علماء گرفتار ہو گئے تو مجاہد اسلام مولانا عبد الستار خاں نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد وزیر خاں کو
مرکز بنا کر اپنی شعلہ بار تقریروں سے تحریک کو آگے بڑھایا' انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا اور
ان کے خلاف پھانسی کا فیصلہ صادر کر دیا گیا۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے　　لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

قریب تھا کہ یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی لیکن بعض آسائش پسند لیڈر حکومت سے معافی مانگ کر رہا ہو گئے' بعد ازاں مولانا ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالستار خاں نیازی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی رہا کر دیا گیا' اس طرح یہ تحریک وقتی طور پر رک گئی' ۱۹۷۴ء میں دوبارہ یہ تحریک چلی تو کامیابی سے ہمکنار ہو گئی اور ۷ ستمبر کو مرزائی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیئے گئے۔

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ مایہ ناز خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ میدانِ تحریر میں نظم و نثر پر قدرت کاملہ رکھتے تھے' حافظ تخلص کرتے تھے' انجمن حمایت اسلام' لاہور کے ایک اجلاس میں علامہ اقبال نے اپنی مشہور غزل پڑھی۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں ایک غزل پڑھی۔ جس کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

تو ہی خود' جب اے دلِ حسن جو' ہوا سیر زلفِ دراز میں
تو کمی ہو کیوں ترے سوز میں' ترے فکرِ آئینہ ساز میں
جو دبائے حشر کے فتنے سب' جو اٹھائے حشر میں فتنے سب
وہ ہے کام آپ کے لطف کا' یہ ہے لطف آپ کے ناز میں
تری آرزو تو سعید ہے مگر ایسا ہونا بعید ہے
کہ جمالِ یار کی دید ہو' رہے تو لباسِ مجاز میں
تجھے اور وصل کی آرزو' تجھے دیدِ حسن کی جستجو
نظرِ ہوس! تری آبرو نہیں چشمِ بندہ نواز میں

یہ غزل سن کر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ دیر تک عالمِ وارفتگی میں روتے رہے۔ اس غزل

کو انہوں نے ''جذباتِ حافظ'' کے عنوان سے یاد کر لیا تھا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تصانیف کا گراں قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں۔

۱) تفسیر الحسنات　　۲) ترجمہ کشف المحجوب
۳) اوراقِ غم　　۴) طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ
۵) تخمیسِ حافظ　　۶) مسدسِ حافظ
۷) دیوانِ حافظ اُردو　　۸) مرزائیت پر تبصرہ وغیرہ وغیرہ

۲ شعبان المعظم ۲۰ جنوری ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء بروز جمعہ ساڑھے بارہ بجے دن اہلسنّت کے بطلِ جلیل مولانا علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ وصال سے کچھ پہلے یہ شعر زبان پر تھا۔

حافظ رند زندہ باش' مرگ کجا و تو کجا　　تو شدہٗ فنائے حمد' حمد بود لقائے تو

یہ آپ کی اسلامی خدمات کا ایک ثمر تھا کہ آپ کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے احاطۂ مزار میں آخری آرام گاہ ملی۔

مولانا غلام دستگیر نامی نے تاریخ وفات کہی۔

دریغا! ابنِ دیدارِ علی شاہ　　محمد احمدِ شیریں بیاں رفت
ابوالبرکات را اخِ مکرم　　کہ بد محمود را غمِ کلاں رفت
خلیلش جانشینِ نام بردار　　بماند' چونکہ فخرِ خانداں رفت
بتاریخ وفاتش گفت نامی
ابوالحسنات اجمل از جہاں رفت
۱۳　　ھ　　۸۰

مکرمی حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ''لقد دخل الجنۃ مولانا (۱۳۸۰ھ) سے تاریخ وصال استخراج کی ہے۔

حضور، ہادی عالم، نور مجسم، حبیب کبریا، سرور انبیاء
حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کا
ایمان افروز مجموعہ

روشنی

تصنیف و تالیف

شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری قدس سرہ العزیز

امیر و شیخ الحدیث مرکزی دار العلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور

باہتمام

صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف رضوی

ناظم اعلیٰ دار العلوم حزب الاحناف لاہور

RIZWAN KUTAB KHANA

رضوان کتب خانہ

گنج بخش روڈ لاہور

Cell: 0300-8038838, 0300-9492310
042-37114729

قرآن وحدیث اور فریقین کی معتبر مذہبی و تاریخی کتب سے
صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفاء راشدین علیہم الرحمت والرضوان
کے فضائل و مناقب دینی و ملّی خدمات اور انکی سوانح حیات

شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم

تصنیف و تالیف

شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری قدس سرہ العزیز

امیر و شیخ الحدیث مرکزی دار العلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور

باہتمام

صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف رضوی

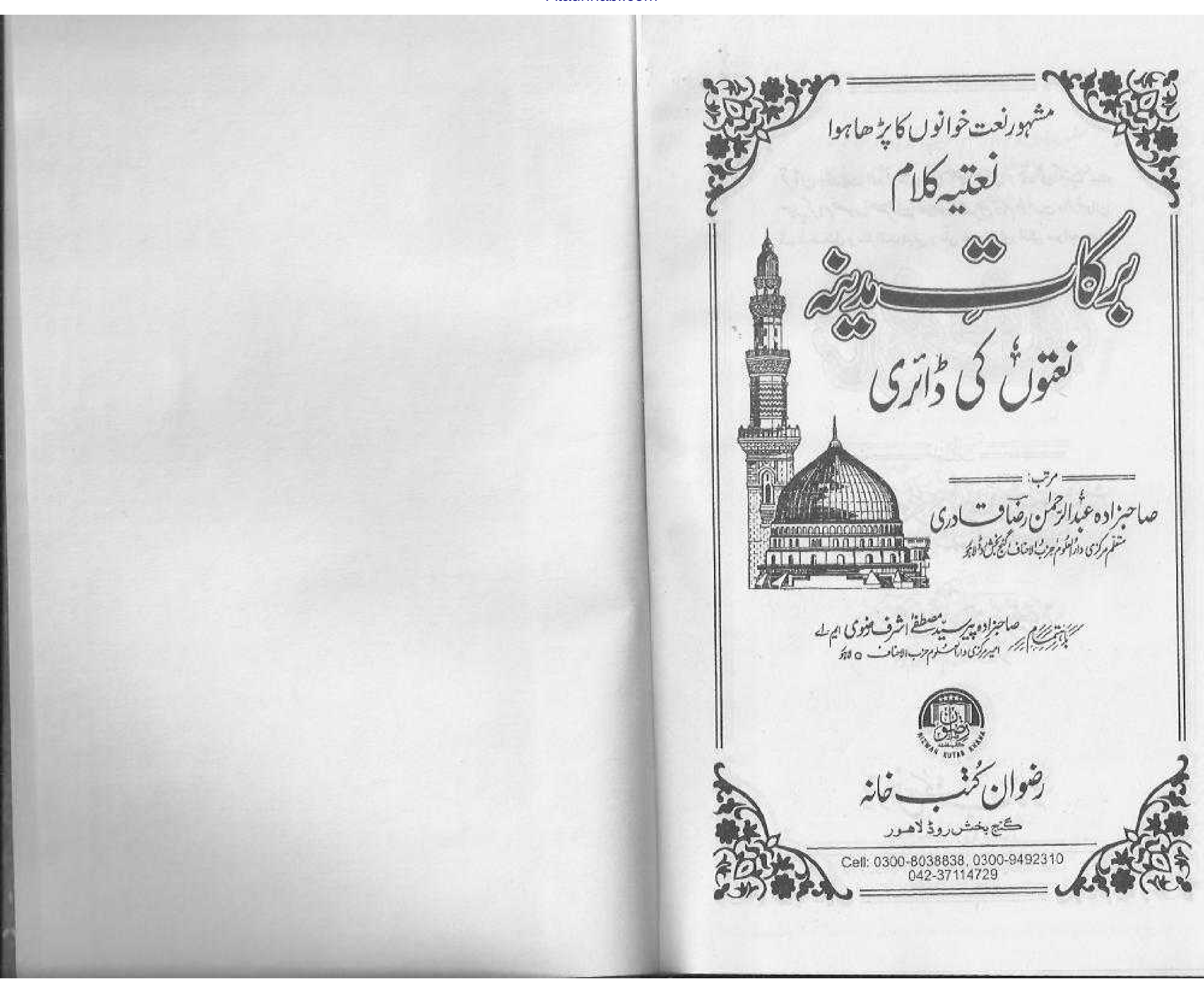
ناظم اعلیٰ دار العلوم حزب الاحناف لاہور

RIZWAN KUTAB KHANA

رضوان کتب خانہ

گنج بخش روڈ لاہور

Cell: 0300-8038838, 0300-9492310
042-37114729



مشہور نعت خوانوں کا پڑھا ہوا

نعتیہ کلام

برکاتِ مدینہ

نعتوں کی ڈائری

مرتب:

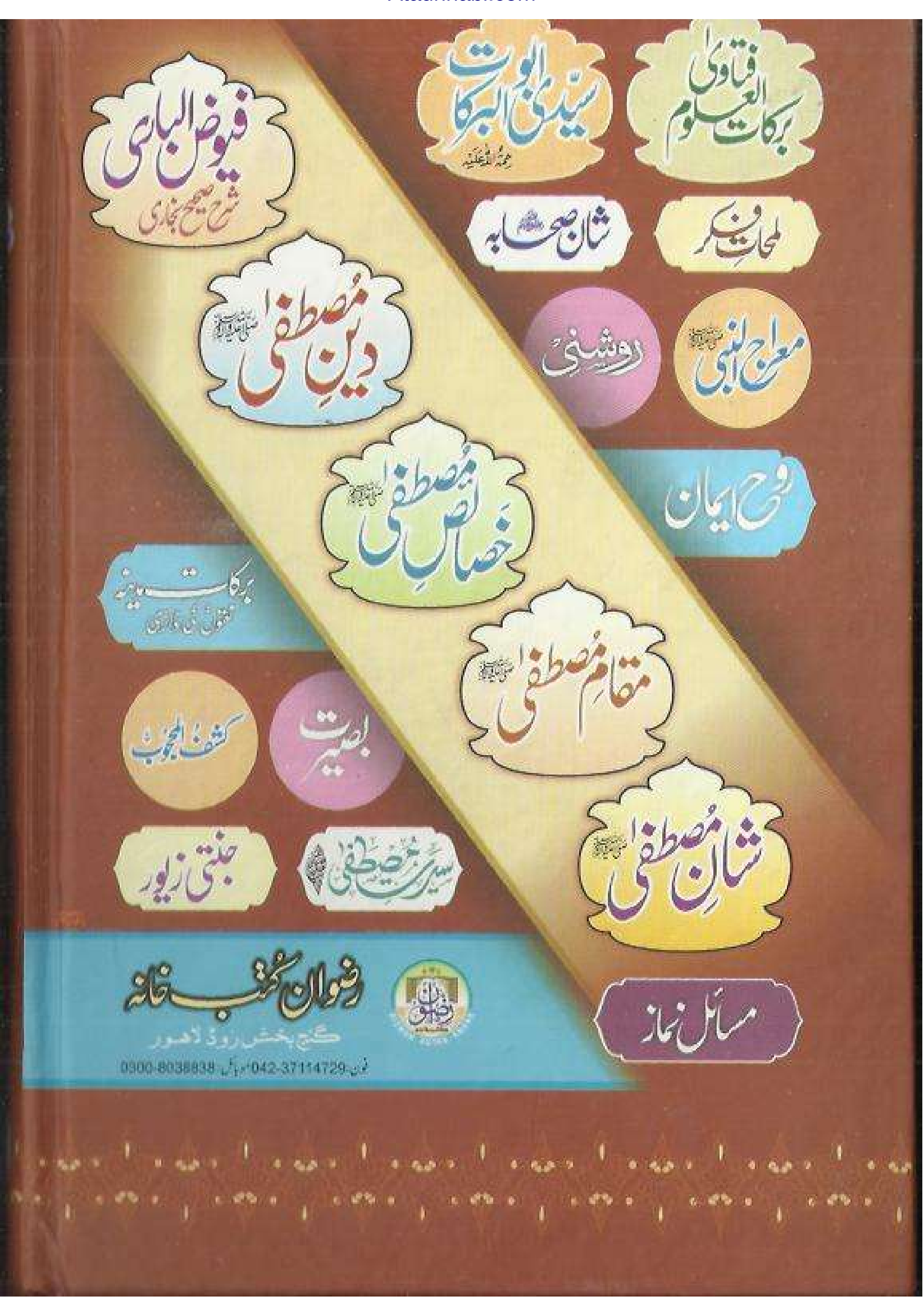
صاحبزادہ عبدالرحمٰن رضا قادری
منتظم مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور

باہتمام: صاحبزادہ پیر سید مصطفٰی اشرف رضوی ایم اے
امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف ۰ لاہور

RIZWAN KUTAB KHANA

رضوان کُتب خانہ
گنج بخش روڈ لاہور

Cell: 0300-8038838, 0300-9492310
042-37114729



فتاویٰ برکات العلوم
سیدی ابو البرکات
فیوض الباری
شرح صحیح بخاری
لمحاتِ فکر
شانِ صحابہ
معراج النبی
روشنی
دینِ مصطفیٰ
روحِ ایمان
خصائصِ مصطفیٰ
مقامِ مصطفیٰ
کشف المحجوب
بصیرت
شانِ مصطفیٰ
جنتی زیور
سیرتِ مصطفیٰ
مسائل نماز
رضوان کتب خانہ
گنج بخش روڈ لاہور
فون 042-37114729 موبائل 0300-8036838